وَاَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم

البیان

سہ ماہی کراچی

سلسلہ 12، جنوری تا مارچ 2015

ربیع الثانی تا جمادی الاولیٰ 1436ھ

اسلامی ثقافت نمبر

بکھرتے خاندانوں، اُجڑتے گھروں خواتین و نوجوانوں سے متعلق مغرب کی مکروہ چالوں میڈیائی زہر آلودگی سے مُتاثرہ مُعاشرے کی اصلاح اور نسلِ نو کی صحیح راہنمائی کے لئے تحقیقی، اصلاحی، شرعی دلائل سے مزین دلچسپ تحریروں پر مبنی

لٹریچر
کورٹ میرج
غذائیں
ذرائع ابلاغ
انٹرنیٹ
ویلنٹائن ڈے
اسمبلی
SINDH ASSEMBLY
رسومات
موبائل
میڈیا
بسنت
لباس
تفریح
بارات

خصوصی اشاعت

مجلس البحث العلمي

الْمَدِینَہ اِسلَامِک رِیسَرچ سینٹر



وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

سہ ماہی البیان کراچی

سلسلہ 12، جنوری تا مارچ 2015، ربیع الثانی تا جمادی الاولیٰ 1436ھ

زرِ تعاون بھیجنے کے لئے اور **البیان** کے شمارہ جات جاری کروانے کے لئے ذیل میں دیئے گئے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر رقم ارسال کریں نیز بذریعہ ایزی پیسہ اور آن لائن بھی رقم ارسال کرسکتے ہیں۔ **تفصیلات کے لئے** 03212627018
Bank Al-Habib A/C No:1103-0081-002746-01-2

زرِ تعاون شمارہ خصوصی **220** روپے
سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

بیرون ملک
زرِ سالانہ **12** ڈالر
فی شمارہ **3** ڈالر
(علاوہ ڈاک خرچ)

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد شار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03212627018
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

نوٹ: البیان میں شائع کئے جانے والے مضامین علمی وتحقیقی بنیادوں پر شائع اشاعت کئے جاتے ہیں ادارہ کا مضمون نگار سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین کرام:

اللہ تعالی کی توفیق سے مرکزالمدینہ العلمی آپ کے سامنے دین کے مختلف مسائل پر مبنی اردو زبان میں شائع ہونے والی کتب کواپ لوڈ کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے.

ہماری کوشش ہے کہ یہ کتابیں تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق نشر کی جائیں تاکہ آپ کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ کریں۔

WWW.ISLAMFORT.COM پر تمام کتابیں:

- اہل علم سے مشاورت اور مرکزالمدینہ العلمی کی مجلس البحث العلمی کی نظرثانی وتصدیق کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں۔
- یہ کتابیں استفادہ عام کے لیئے نشر کی جارہی ہیں، جس میں کسی قسم کا تجارتی نفع مقصود نہیں ہوتا۔
- قارئین شرعی، اخلاقی اور قانونی تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہماری ویب سائٹ سے کسی بھی تجارتی یا دیگر مادی منفعت کی غرض سے کتاب نشر کرنے سے اجتناب کریں۔
- مندرجات کی دعوت و تبلیغ کیلیئے ڈاون لوڈ نگ، اور الیکٹرونک ذرائع سے نشرواشاعت کی اجازت ہے۔
- ان کتب کی طباعت کے خواہشمند حضرات ان کتب کے ناشرین وپبلشرز سے اجازت حاصل کریں۔

نوٹ

اگر آپ کتاب میں کوئی طباعتی بالخصوص آیات واحادیث میں غلطی نوٹ کریں یا کوئی اور قابل توجہ چیز ملاحظہ کریں تو فورا ہمیں ہمارے ای میل: info@islamfort.com پر یا متعلقہ ناشر کو مطلع کریں۔

الیکٹرانک لائبریری کی مزید بہتری کیلیئے ہم آپ کے قیمتی مشوروں کے منتظر ہیں۔





اس وقت دنیا گوبل ویلیج بن چکی ہے، جوکل ناممکن نظر آتا تھا آج ممکناتی طور پر وجود پاچکا ہے۔ امن وجنگ سب کے طورطریقے بدل چکے ہیں ۔ ہرقوم دوسری قوم کونظریاتی مات دینے پہ تلی ہوئی ہے۔اس میں کوئی اثر انداز ہےاورکوئی اثر پذیر۔علامہ ابن خلدون نے خوب کہا کہ

''المغلوب مولع بالاقتداء بالغالب،فی شعاره وزيه،ونحلته وسائر احواله وعوائده''

''مغلوب قوم ہمیشہ غالب قوم کے بھیس ،نشانات ،لباس ، مذہب ، عادات واطوار اور طورطریقوں کی دلدادہ ہوتی ہے''

پھراس مرعوبیت کی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''المغلوب يرى ان غلب الغالب ليس بعصبية ولا قوة بأس ، وانما بما انتحله من العوائد والمذاهب '' [1]

''کیونکہ مغلوب یہ سمجھتا ہے کہ غالب آنے والا مجھ پر کسی قوت وطاقت وعصبیت کی بنا پر غالب نہیں آیا بلکہ اس کے غالب ہونے کی وجہ وہ عادات وتقالید اور وہ مذھب ہے جس کا وہ پیروکار ہے''۔

بعینہ یہی حال اس وقت ان اسلامی ممالک کا ہے جہاں مغربی استعمار رہا ہے۔جن میں بالخصوص ذکر برصغیر پاک وہند کا آتا ہے۔ یہاں سے انگریز اپنے لاؤلشکر لے کرتو روانہ ہوگیا اور ہمیں اس دھوکے میں رکھ گیا کہ تم لوگ آزاد ہو، مگر نظریاتی طور پر اس قوم کو ایسے جھال میں پھانس گیا کہ ہم آزاد ہونے کے بعد بھی غلام ہیں۔ ہمارے معاشرے کا نہ لباس اپنا ہے، نہ زبان، نہ تہوار اپنے ہیں نہ تعلیم وتہذیب سب کچھ ادھار لیے بیٹھے ہیں۔حالانکہ ہمارے پاس پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ وارفع تہذیب وثقافت لیکر آئے تھے اور فرمایا تھا کہ

''قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ،'' [2]

---

[1] مقدمه ابن خلدون

[2] سنن ابن ماجة : المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين

یعنی: میں تم کو ایسی صاف ہموار زمین پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کے دن اور رات برابر ہیں، اس سے وہ ہٹے گا جو ہلاک ہونے والا ہوگا، جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب شدید اختلاف دیکھے گا تم پر میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کا طریقہ لازم ہے اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا اور تم پر اطاعت امیر لازم ہے خواہ وہ حبشی غلام ہو کیونکہ مومن نکیل ڈالے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جیسے چلایا جاتا اطاعت کرتا ہے۔

اب جاہلیت جدیدہ (مغربی اور ہندوتہذیب) کی اساسیات اور اسلامی تعلیمات کا تقابل کر کے دیکھیں تو یہ حقیقت خود ہی آشکار ہو جاتی ہے کہ انسانیت کی فلاح اسلامی تہذیب وثقافت کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔موجودہ تہذیب کا سب سے پر لطف نعرہ خواتین کے حقوق کا ہے۔اور حقیقت میں دیکھا جائے تو جدید تہذیب وثقافت نے عورت کو ایک پروڈکٹ بنانے سے زیادہ کوئی حق نہیں دیا۔جتنے بھی عالمی قوانین بنے وہ محض عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکالنے اور اسے سجا کر پیش کرنے سے آگے نہ بڑھ سکے۔عورت کے ساتھ ظلم صدیوں سے ہوتا آیا۔دنیا بھر کے قوانین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا کہ کسی طرح عورت پر ہونے والے ظلم اور اس سے ناروا برتاؤ کے آگے بند باندھے جائیں۔

زمانہ جاہلیت میں بچی کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اسی طرح کی رسم ہندوستان میں رائج رہی اور ہندوستانی تہذیب میں بیٹی کی ولادت کے فورا بعد اسے مارڈالنے کی رسم جاری تھی۔ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدا کا ادب پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران وہاں کے معاشرہ نے بیوہ عورتوں کی دوسری شادی پر جو کڑی پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ اس وقت بھی ہمارے نام نہاد مسلمان معاشرے میں زور وشور سے جاری وساری ہے۔ یہاں بھی لڑکی کی پیدائش اور بیوہ کی شادی کو برا جانا جاتا ہے۔

1847،48 کے دورانیہ میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی حاکمیت وسیع تر ہوتی جارہی تھی اور اس کا سکہ اور دھاک بھی ہندوستان کے غالب علاقوں پر بیٹھ چکی تھی۔اس وقت انہوں نے ہندوستان کی چند فرسودہ رسموں کو بذریعہ آئین کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔اسی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک ہندوستانی مصنف سید تفضّل حسین خان نے ۔معالجات شافیہ۔ کتاب لکھی جس

میں ہندوستان کی قبیح رسومات کی بیخ کنی کی اور 1847 میں حکومت کی جانب سے ان رسومات کے خاتمہ کیلئے کی جانے والی کاوشوں کا تذکرہ بھی کیا اور بالآخر معترف ہوئے کہ کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوسکیں۔

معالجات شافیہ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''متعدد علاقوں میں حاکموں نے کوشش کی کہ لڑکیوں کے قتل کی رسم کو ختم کیا جائے اور یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی لڑکیوں کو قتل کرے گا وہ قید ہوگا اور مال واسباب اس کا بحقِ حکومت ضبط ہوگا۔'' پھر حکمرانوں کے چند اچھے اقدامات کا ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ''اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام کارگر ہوسکیں گے؟

ہر عدالت کا دستور یہ ہے کہ استغاثہ اور شہادت کے بغیر سزا نہیں دیتی، لہٰذا لوگ [1] اب خوفِ حاکم سے بہت احتیاط کرتے ہیں، مبادا بیٹی کے قتل کی اطلاع حاکم تک پہنچے تو خرابی لازم ہے، اس واسطے اب اس قوم میں لڑکیوں کی ولادت بہت خفیہ مقام میں ہوتی ہے جہاں کوئی مدعی یا گواہ نہیں مل سکتا۔ یہ صورت حال جاری رہی تو یہ لوگ ہمیشہ اپنی لڑکیوں کو قتل کرتے رہیں گے اور کسی عدالت میں جرم ثابت نہیں ہوسکے گا۔ بعض حاکموں نے علاقہ داروں کو حکم دیا ہے کہ تم لوگ خبر گیری کرو۔ ان لوگوں نے ہر جگہ چوکیدار مقرر کیے ہیں، لیکن یہ سب امور بیرونی ہیں۔ حاکموں نے یہ حکم نہیں دیا کہ گھروں کے اندرونی اور خفیہ امور کی خبرداری کرو، لہٰذا بیرونی تدبیر کیا کام آوے گی؟۔

اب گورنمنٹ نے گزٹ آگرہ، مؤرخہ 4 مئی 1847ء عیسوی جاری کیا ہے جو دیوان جے پور کے خط پر مشتمل ہے اور عبارت اس کی یہ ہے: ''ہم دیکھتے ہیں کہ اس کام میں ایک قباحت یہ ہے کہ فرقہ بھاٹ اور چارن کے بہت سے شخص تنگ معاش ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ان کی لڑکیوں کی شادی کا اہتمام ان کے مرتبے کے مطابق نہ ہوگا تو عزت میں بٹہ لگے گا، لہٰذا وہ ہر طرح کا خطرہ مول لیتے ہیں۔ جب تک انسداد اس کا نہ ہوگا لڑکیوں کی ہلاکت ترک ہونے کی صورت ممکن نہیں''۔ آخر میں مصنف نے حکومت کی طرف سے اس رسم کے خاتمے کیلئے جو آرڈی ننس جاری کیا اس کا تذکرہ کیا

---

[1] مصنف نے یہاں ایک قوم کا ذکر کیا جسے ہم نے بیان کرنا مناسب نہ سمجھا جسے لفظ ''لوگ'' میں بدل دیا ہے۔

ہے جس میں یہ قرار دیا گیا کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا صرف آٹھواں حصہ شادی میں صرف کرسکتا ہے اس سے زائد کسی کو روانہ ہوگا۔ اور اس آرڈی ننس میں اس اعتماد کا اظہار کیا گیا کہ ''اب یقین کامل ہے کہ آئندہ لڑکیاں ضائع نہ کی جایا کریں گی اور برابر والوں کے درمیان شادیاں ہوا کریں گی کیونکہ جب سالانہ آمدنی کا صرف آٹھواں حصہ شادی پر صرف کرنے کی قید لگادی گئی ہے تو کسی کو اندیشہ ہتک کا نہیں رہے گا اور کوئی شخص اس کو بار بھی نہ سمجھے گا''۔ (1)

لڑکیوں کی پیدائش کو برا سمجھنے اور ان کے ناحق قتل کے حوالے سے اس وقت عالمی قوانین بھی موجود ہیں لیکن وہ قوانین اتنے زیادہ مؤثر نہیں کیونکہ جس قانون میں للّٰہیت نہیں وہ لوگوں پر ظاہری تو چند پابندیاں لگا سکتے ہیں لیکن انسان کی روحانی تربیت اور جرم کو جڑ سے ختم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ایک قطعی اور حتمی بات یہ ہے کہ جب تک بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا نہیں ہوتا، یوم آخرت پر اس کا ایمان صحیح نہیں ہوتا اس وقت تک ان تمام فرسودہ رسومات کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔

معاشرہ سے عورت پر جرائم وظلم کے خاتمے کیلئے اس وقت ملکی وعالمی قوانین کی حیثیت سے جو اقدامات کئے جارہے ہیں یا کئے جاچکے ہیں ان سے کہیں زیادہ بہتر، اعلیٰ وارفع تعلیمات اسلام نے دی ہیں۔

لڑکیوں کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا﴾ [الإسراء: 31]

ترجمہ: اور مفلسی کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ انھیں اور خود تمہیں بھی رزق ہم دیتے ہیں۔ انھیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا ٱلْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَىِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ [التکویر: 8، 9]

ترجمہ: اور زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی؟

---

(1) معالجات شافیہ بحوالہ کتابیں اپنے آباء کی۔ مصنفہ رضا علی عابدی ص66،65

نکاح میں آسانی پیدا کرنے کے لئے شریعت نے متعدد احکامات بیان فرمادئے۔عورت کو پردہ کے زیور سے آراستہ کیا تاکہ اس کی عفت وعصمت محفوظ رہے۔ پھر بچیوں کی تربیت اور ان کی نگہداشت کرنے والے کے لئے جو ترغیبات دیں انہیں پڑھنے کے بعد انسان کا دل خود ہی اسے اس عمل پر ابھارتا ہے۔اور پھر محرم اور غیر محرم کے اصول وضع کر کے حفاظت وصیانت کا ایسا اہتمام کیا کہ نہ ایسا کوئی انسانی فکر کا تراشیدہ قانون کرسکتا ہے اور نہ عمل کرواسکتا ہے۔

اب ہمارے مسلمانوں کو وہ اعلیٰ وارفع تہذیب پسند نہ آئی اور بقول ابن خلدون فکری طور پر غالب کی عادات، تقالید، اور رہن سہن، رسم ورواج کو اپنی زندگی میں رائج کرلیا۔اور پھر اسی جاہلیۃ الاولیٰ کی جانب پلٹ گئے۔اس وقت سب سے خطرناک معرکہ مسلمانوں کوفکری غلامی سے آزادی دلانے کا ہے۔اس وقت ہماری قوم ہندو اور مغرب کی ثقافت وتہذیب سے اتنی متاثر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ سہ ماہی البیان کی اس خصوصی اشاعت کا مقصد بھی اس اسلامی ثقافت کا احیاء اور اس کی یاد دہانی مقصود ہے کہ کاش ہماری یہ قوم اللہ کے دشمنوں کے اصل ہتھیار اور ان کی اصل چال کو سمجھ سکے۔

ثقافت کیا ہے؟

ثقافت یا کلچر سے کیا مراد ہے؟

ثقافت سے مراد کسی قوم یا طبقے کی تہذیب ہے۔اہل علم نے ثقافت کی تعریف یہ مقرر کی ہے کہ ’’ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرز عمل کا نام ہے‘‘۔ اکتسابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات، افعال، خیالات اور رسوم اور اقدار شامل ہیں جن کو ہم ایک منظم معاشرے یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تاہم ثقافت یا کلچر کی کوئی جامع ومانع تعریف آج تک نہیں ہوسکی۔ [1]

نیز یہ بھی کہا گیا کہ ’’ثقافت کسی معاشرے میں موجود ان رسم ورواج اور اقدار کے مجمع کو کہا جاتا ہے جن پر اسکے تمام افراد مشترکہ طور پر عمل کرتے ہوں‘‘۔

---

[1] http://ur.wikipedia.org/

کلچر کی ہیئت وتعریف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی رقمطراز ہیں: ’’کلچر اس کُل کا نام ہے جس میں مذہب وعقائد، علوم اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت، فنون وہنر، رسم ورواج، افعال ارادی اور قانون، صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد ومختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک ومماثلت، وحدت اور یکجہتی پیدا ہوجاتی ہے جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز پیدا ہوجاتی ہے۔ کلچر میں زندگی کے مختلف مشاغل، ہنر اور علوم وفنون کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا، بری چیزوں کی اصلاح کرنا، تنگ نظری اور تعصب کو دور کرنا، غیرت وخودداری، ایثار ووفاداری پیدا کرنا، معاشرت میں حسن ولطافت، اخلاق میں تہذیب، عادات میں شائستگی، لب ولہجہ میں نرمی، اپنی چیزوں، روایات اور تاریخ کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کو بلندی پر لے جانا بھی شامل ہے‘‘۔ [1]

ثقافت اور مذہب

اس وقت مسلمانوں میں کافی حد تک غیر اسلامی تہوار در آنے کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ثقافت کو مذہب سے الگ چیز سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت بسنت، ویلنٹائن ڈے، اپریل فول وغیرہ کو مذہبی نہیں بلکہ ثقافتی تہوار سمجھتی ہے۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر ثقافتی تہواروں میں ہر وہ کام ہوتا ہے جسے کوئی برے سے برا شخص بھی مذہبی عمل نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا عامۃ الناس اور چند نام نہاد دانشوروں کے ہاں جو مذہب اور ثقافت کے دو الگ الگ خانے ہیں، یہی وہ بنیادی غلطی اور غلط تصور ہے کہ جب تک اس کا ازالہ نہیں ہوتا انسان کا نقطہ نظر صحیح نہیں ہوسکتا۔ مذہب اور کلچر کا تعلق بہت گہرا ہے لیکن اس بات کا انحصار اس مذہب اور کلچر کو ماننے والوں پر ہے کہ وہ کس چیز کو ترجیح دیتے ہیں مثلا یورپ کا جدید ذہن رکھنے والا شخص بھی مذہب کو کلچر کا عنصر سمجھتا ہے، یعنی اس کے نزدیک کلچر ایک برتر شے ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں اگر مذہب اور کلچر میں تصادم ہو تو وہ اہل مغرب مذہب کو نظر انداز کردیں گے اور کلچر کو اس پر ترجیح دیں گے۔

[1] پاکستانی کلچر، ص42

"یورپ کے لوگوں کی اکثریت اب بھی عیسائیت کو اپنا مذہب قرار دیتی ہے مگر یورپی معاشرے میں بہت سے قوانین، اقدار اور سماجی ادارے ایسے ہیں جن کا وجود عیسائیت کی تعلیمات سے لگا نہیں کھاتا چونکہ عرصہ قدیم سے یہ اس معاشرے میں موجود ہیں لہٰذا وہ انہیں اپنے کلچر کا حصہ سمجھتے ہوئے خیر باد کہنے کو تیار نہیں۔[1]

مثلاً جسم فروشی، شراب نوشی، بے نکاح جنسی تعلقات وغیرہ یہ سب عیسائی مذہب میں ویسا ہی گناہ ہیں جیسے اسلام میں مگر یورپ و امریکہ میں Prostitution، کو ایک مستقل سماجی ادارہ کی حیثیت حاصل ہے۔ مے نوشی اور زنا اس معاشرہ کا کلچر بن چکا ہے لہٰذا وہ لوگ اسے آئینی تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں۔

ہندومت میں تقریباً ہر عمل کو مذہبی درجہ دیا جاتا ہے اس لئے وہاں رقص، گانا بجانا، انواع واقسام کی موسیقی بھی مذہب کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کے ہاں ہر رسم تقریباً مذہب کا درجہ رکھتی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جیسے خداؤں کی تعداد ان گنت ہے اسی طرح وہ اپنے معاشرے میں رائج ہر عمل کو مذہب کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اور جسے انہوں نے مذہب کا درجہ نہ دیا ہو اسے منانے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ جو دوسرے معاشروں سے برآمد کی گئی ثقافتی اقدار ہیں وہ انہیں اپنے متصادم تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقص، موسیقی، ناچ گانے کو تقدس عطا کرنے والے ہندو معاشرے میں وہاں کا مذہبی طبقہ ویلنٹائن ڈے منانے کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ یہ خالصتاً یورپی اور درآمد شدہ تہوار ہے۔ ہندوستان میں نیشنل اِزم (قومیت) کا بہت پرچار کیا جاتا ہے جو محض کھوکھلا نعرہ ہے۔ وہ میڈیا اور فلموں، ڈراموں کے ذریعے، سب اچھا ہے، کا مظاہرہ کر کے جمہوریت اور قومیت کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کے ہر پروگرام، ہر ڈرامہ اور ہر فلم میں ہندو مذہب کا کھلم کھلا پرچار ہوتا ہے اور ہزاروں سال پرانی برھمو سماج کی تہذیب کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ اس سے ہر ذی شعور اندازہ کرسکتا ہے کہ ہندو اپنی تہذیب وثقافت کے ساتھ جنون کی حد تک منسلک ہیں۔ ہندو قوم درآمدی ثقافت کی بیخ کنی کرتی ہے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ حتی کہ مسلمانوں نے وہاں ہزار سال سے زائد عرصہ حکومت کی، اب بھی وہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان بستے ہیں جنہوں نے وہاں کے تہذیب وتمدن

---

[1] بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان از محمد عطاء اللہ صدیقی ص40

کو ترقی دی، سنوارا مگر آج بھی ہندو کا خیال مسلمان قوم اور حکمرانوں کے بارے میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملے میں ان کے بچوں کو پرتھوی راج، چوہان، ٹی وی ڈرامے جیسے افکار کی روشنی میں پروان چڑھایا جاتا ہے کہ ہندوستان سونے کی چڑیا تھی یہاں ڈاکو لوگ اسے لوٹنے کے لیے آتے تھے۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ یہاں تو پانچ ذات پات کے لوگ بستے تھے۔ تین ذاتوں کے پاس تو جینے کا حق بھی نہیں تھا۔ انسانیت سسک سسک کر اور بلک بلک کر تڑپ رہی تھی۔ اور پھر انہی ڈاکوؤں نے یہ ظلم کا طلسم توڑا اور ہندوستان کو ایک اکائی میں پرو دیا۔ اور نیچ ذات کے لوگوں کو بھی انسان ہونے کا احساس ملا اور وہ بھی دوسری اقوام کے برابر ہو گئے۔ ہر مذہب کے نمائندے کو اپنے اپنے انداز میں عبادت و پوجا کا کھلا اختیار بھی انہی ڈاکوؤں نے دیا۔ ستی کی رسم کو بھی مسلمانوں نے ختم کروایا۔ کیونکہ یہ ہندوؤں کے مذہب کا حصہ تھا اور وہ انگریز جس کی پوجا کا درس دیا جاتا ہے اس نے آتے ہی ستی کی رسم پر پابندی لگا دی۔ پھر بھی ہندوستان قومیت اور جمہوریت کے نام پر ہندوانہ ذہنیت کو پروان چڑھانے میں بیش بہا کام کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ ان کا نظریہ حیات ہے، مکاری، عیاری اور جھوٹ وفریب ان کا ہتھیار ہے۔ ان کی ثقافت میں جہاں بدن کے چھپانے کا کوئی اصول نہیں۔ وہیں سچ بولنے کا بھی کوئی رواج نہیں۔ یہی ان کی تہذیب، ثقافت اور کلچر ہے۔

اسلام کا تصور ثقافت

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے وہ اپنے ماننے والوں کو ایک مرکزی نظامِ حیات اور نظامِ اخلاق واقدار دیتا ہے اور پھر تمام اقوال وافعال رسوم ورواج الغرض مکمل انسانی زندگی کو اسی نظام حیات اور نظامِ اقدار سے منضبط کرتا ہے۔ اسلام ہر ثقافت اور تہذیب کو اپنی افکار وتعلیمات کے مطابق پروان چڑھتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام کا جامع مفہوم ''سلامتی'' ہے۔ اس لئے وہ ہر کام میں سلامتی کے پہلو کو برتر رکھتا ہے۔

''اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ثقافت کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام میں مذہب اور ثقافت کا تعلق بے حد واضح ہے، یہاں مذہب کو ایک برتر خدائی حکم کی حیثیت سے ہر اس ثقافتی عمل کو مسترد کرنے کا اختیار ہے جو اس کے بنیادی تصور سے متصادم ہو۔ اسلامی تصور کے مطابق مذہب کلچر کا محض

ایک جزو نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا برتر نظام ہے جو ثقافت کو اپنے تقاضوں کے مطابق ڈھالتا اور تشکیل دیتا ہے!![1]

اسلام نے ہر عمل کو عقیدہ وایمانیات سے مربوط کیا ہے۔ جو اس پر عمل درآمد کو آسان بنادیتا ہے۔ بندے کے دل میں اللہ کا خوف جگہ بنالے تو دنیا کی بڑی سے بڑی لالچ اور طمع بھی اس کے ایمان وعمل کو متزلزل نہیں کرسکتی۔

اسلامی نقطہ نظر سے ثقافت کی تعریف

اسلام کے اسی بنیادی فلسفہ کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم نے اسلامی ثقافت کی جو تعریف بیان کی ہے وہ یہ کہ:

"مجموعة المعارف والمعلومات النظرية ، والخبرات العلمية المستمدة من القرآن الكريم والسنة النبوية، التي يكتسبها الإنسان ، ويحدد على ضوءها طريقة تفكيره ، ومنهج سلوكه في الحياة ".[2]

''نظریاتی معارف ومعلومات اور علمی تجربات کا وہ مجموعہ جنہیں قرآن وسنت سے اخذ کیا گیا ہے۔ جسے انسان اکتساب کرتا ہے، اور اس کی روشنی میں اپنی سوچ کا طریقہ کار اور اپنی زندگی کے منہج وسلوک کا انتخاب کرتا ہے۔

اسلامی ثقافت کی خصوصیات؟

ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ ثقافت میں صرف اسلام ہی کیوں؟ غیروں کے رسوم ورواج اپنانے میں کیا حرج ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ثقافت اور کلچر ایسا عمل ہے جس کے فوائد سے انسان اس وقت بہرور ہوسکتا ہے جب معاشرے میں ہر ایک کو امن وآشتی نصیب ہو، ہر ایک کی ضروریات پوری ہوں، ہر انسان اپنے آپ کو محفوظ تصور کرے، اور ہر انسان ایک نارمل زندگی گذارے اس پر کسی قسم کا نفسیاتی یا ذہنی دباؤ نہ پڑے، یہ سب چیزیں تب انسان کو

[1] بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان ص42

[2] الثقافة الإسلامية تعريفها مصادرها مجالاتها تحدياتها. للأستاذ الدكتور مصطفى مسلم ولأستاذ الدكتورفتحي محمد الزغبي

نصیب ہوسکتی ہیں جب وہ ایسی تہذیب اور ثقافت سے وابستہ ہو جو اسے مطلوبہ ضروریات مہیا کر سکے اور اسے لاحق ہونے والے نقصان سے بچا سکے، تو یہ سب اسلامی ثقافت کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔

اسلامی ثقافت میں دیگر ثقافتوں کے مقابلے میں جو امتیازات اور خصوصیات پائی جاتی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

اول: اسلامی ثقافت ربانی ثقافت ہے۔ دنیا میں دیگر جتنی بھی ثقافتیں ہیں وہ انسانی ذہن کی تراشیدہ ہیں۔ اسلامی ثقافت کے اصول قرآن وسنت واجماع امت سے لئے گئے ہیں جن میں سراسر فلاح ہی فلاح ہے۔ اس میں توحید باری جل وعلا کی جانب دعوت بھی دی گئی ہے۔ اور مکارم اخلاق، حقداروں کو حق دینے، ظلم کو ختم کرنے، صلہ رحمی، اور ہر قسم کی بھلائی کے پھیلانے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اسلامی ثقافت انسان کو اللہ کی عبودیت کا رنگ چڑھا دیتی ہے

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸﴾ [البقرة: 138]

ترجمہ: (نیز ان سے کہہ دو کہ: ہم نے) اللہ کا رنگ (قبول کیا) اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے۔ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا خوف ہی وہ بنیادی چیز ہے جو انسان کو ظلم اور کسی کی حق تلفی سے روکتا ہے جب اللہ کے خوف سے دل عاری ہو جائیں تو پھر انسان ہی حیوان بن جاتا ہے اور ایسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جسے عقول سلیمہ ناپسند کرتی ہیں۔

دوم: اسلامی ثقافت انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو پیدا فرمایا ہے وہ انسانی طبیعت اور فطرت سے بخوبی واقف ہے۔ اور جانتا ہے کہ کونسی چیز انسانی طبیعت کے موافق ہے اور کون سی نہیں، انسان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس میں موجود حیوانیت اس پر غالب آجاتی ہے اور ایسے معاملات بجالاتا ہے جو معاشرے میں موجود دیگر افراد کی حق تلفی اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ایک بنا بنایا نظام عطا فرمایا تا کہ اس کیلئے معاشرے میں اعتدال اور توازن قائم رکھنا ممکن ہو سکے۔

جیسے شہوت ہے: اللہ تعالیٰ نے جہاں زنا سے منع فرمایا وہاں چار تک شادیوں کی بھی اجازت دی تا کہ انسانی فطری ضرورت بھی پوری ہو اور وہ بے راہ روی سے بھی محفوظ رہے۔

مال ہے: انسان فطری طور پر اس کی حرص رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو حرام طریقوں سے حصول مال سے روکا وہیں اسے حلال راہ بھی دکھا دی اس سے انسان کا اپنا مال بھی پاک رہا اور دیگر لوگ بھی مالی زیادتی سے محفوظ رہے اور حق تلفی سے بچ گئے۔

سوم: اس میں شمول بھی پایا جاتا ہے اور کمال بھی۔ اسلامی ثقافت میں یہ بھی خاصیت ہے کہ اس کے قواعد وضوابط مکمل اور تا قیامت ہیں، نیز معاشرے کے ہر فرد اور ہر پہلو پر اس میں ہدایات دی گئی ہیں۔ انسان کا نجی معاملہ ہو، یا اس ماحول میں بسنے والے افراد کا، چاہے وہ انسان ہوں، حیوان ہوں، نباتات ہوں، یا جمادات ہر ایک کیلئے شریعت نے قواعد وضع کرر کھے ہیں۔ نیز انسانوں کے باہمی حقوق کا بھی اس میں احاطہ کر دیا گیا ہے۔

چہارم: توازن اور اعتدال پر مبنی ثقافت ہے۔ اسلامی ثقافت میں توازن اور اعتدال بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، انسان سے متعلق جیسا کہ بیان ہوا کہ وہ مادیت، حیوانیت، اور روحانیت سے مرکب ہے۔ پھر اس میں افراد، جماعتیں، کنبے، قبیلے بستے ہیں۔ ان سب کو برابر برابر حقوق دینا، ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا، اور انسانی نفس کے مادہ، حیوانیت اور روحانیت میں اعتدال پیدا کرنا ان سب کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا یہ شریعت اسلامیہ کا ہی کمال ہے۔ اسلام نے نہ تو اتنا ریاضت وزھد پر ترغیب دی ہے کہ انسان دنیا کو ہی بھول جائے اور نہ اتنا دنیا کی جانب جھکنے کی اجازت دی ہے کہ مقصد، مدعیٰ اور ھدف ہی دنیا رہ جائے اور انسان اور حیوان میں کوئی فرق ہی نظر نہ آئے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○﴾ [القصص: 77]

ترجمہ: جو مال و دولت اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ تمہارے ساتھ

بھلائی کی ہے۔ اور ملک میں فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پنجم: ہر دور اور ہر عصر سے مطابقت رکھتی ہے۔ اسلامی ثقافتی تعلیمات محض زمانہ قدیم سے تعلق نہیں رکھتیں۔ جیسا کہ بعض نام نہاد مسلمان بھی مغرب کی اندھی تقلید میں کہتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اسلامی اصول ثقافت وطرز معاشرت پیش کی جائے تو کہتے ہیں کہ آپ ہمیں پتھر کے دور میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے اکابر، اسلاف بلکہ دو جہاں کے سردار جانب محمد مصطفیٰ ﷺ اسی دور میں تھے جس دور کو یہ طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں والعیاذ باللہ۔ بلکہ آپ ﷺ نے اسی دور کو سب سے بہترین دور قرار دیا اور فرمایا:

"خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم إن بعدكم قوما يشهدون ولا يستشهدون ويخونون ولا يؤتمنون وينذرون ولا يوفون ويظهر فيهم السمن" .[1]

یعنی: میری امت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے عمران بیان کرتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو مرتبہ قرن فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔ پھر ارشاد فرمایا تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر طلب وخواہش کے گواہی دیں گے۔ وہ خیانت کریں گے اور امین نہ بنائے جائیں گے۔ وہ نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہ کریں گے اور یہ لوگ بہت فربہ ہوں گے۔

ایک سچے مسلمان کو بلا شک وریب اس بات کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ سب سے بہترین دور میرے پیارے محمد ﷺ کا دور تھا جسے یہ لوگ پتھر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ دور عقائد، اخلاق، اقدار، عمل، غرض ہر جہت سے اعلیٰ و ارفع دور تھا۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے مراد یہ بھی نہیں کہ آپ مٹی کے گھر بنالیں، مٹکوں میں پانی پینے لگ جائیں، لکڑی سے آگ جلائیں۔ یہ مادی چیزیں ہیں اس میں تطور اور ترقی پر اسلام روک نہیں لگاتا الا کہ اس میں کوئی شرعی محظور نہ پایا

---

[1] صحیح بخاری: 3650

جائے۔لیکن اسلام نے ہمیں ایسی ثقافت دی ہے جو ایک مثالی ثقافت ہے جو ہر زمانہ اور ہر ماحول سے مطابقت رکھتی ہے۔

ششم : عالمی ثقافت ہے۔ اسلامی ثقافت کے ابتدائی امتیازات میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ربانی ثقافت ہے جو اللہ العالمین کی جانب سے متعین کردہ ہے، جس کی مرضی کے بغیر زمین پر پتہ بھی نہیں گر سکتا۔اس لئے عالم انسانی کی تمام مشکلات کا حل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں پنہا ہے۔جو نہ تو کسی خاص ملک، نہ کسی خاص قوم وقبیلے کی ثقافت سے لیا گیا ہے بلکہ رب اللعالمین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے جس کی نظر میں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سیاہ کو سفید پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں الا التقویٰ کی بنیاد پر۔لہٰذا اسلامی ثقافت ہی وہ واحد ثقافت ہے جس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی زمانہ یا علاقے سے تعلق نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ کسی زمانہ یا علاقے کا اثر قبول کرتی ہے۔دنیا کا عمومی قاعدہ ہے کہ تہذیبیں آپس میں مل کر ایک دوسرے کا اثر لیتی ہیں لیکن اسلامی ثقافت ایسی نہیں اس کے اصول قواعد اور رہنمائی کے ضابطے چودہ سو سال پہلے بھی وہی تھے اور آج بھی وہی ہیں۔لہٰذا اسی بنیاد پر وہ عالمی ثقافت ہے۔مغربی ثقافت ایک علاقائی اور قومی ثقافت ہے، ہندو ثقافت، چائنی ثقافت یہ سب قومی اور علاقی حدوں تک محدود ہیں جبکہ اسلامی ثقافت ایسی ہے جو ان زماں ومکاں کی حدود سے آزاد ہے جس ملک میں مسلمان پائے جائیں گے وہ اس ثقافت کو اپنائیں گے اور اپنے ماحول سے موافق پائیں گے۔انہیں وہاں خالص اسلامی ثقافت پر عمل پیرا ہونے میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

ہماری ثقافت پر اثر انداز ہونے والے بنیادی عوامل

1: تعلیم: تعلیم سے قوموں کے معمار تیار ہوتے ہیں۔تعلیمی بنیادوں پر تربیت اور تزکیہ پانے والی قومیں بام عروج کو چھوتی ہیں۔مگر ہمارے تعلیمی ماحول کی حالت اب یہ ہو چکی ہے کہ وہاں پڑھنے والا بظاہر مسلم ہوتا ہے لیکن اس کی فکر اور روح غیر مسلموں کی اسیر ہو چکی ہوتی ہے ۔بقول اقبال:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خود کو
ہو جائے جو ملائم تو جدھر چاہئے ادھر موڑ

موجودہ تعلیم مادی حوس پیدا کررہی ہے نہ کہ مہذیب وشائستہ قوم ۔اس کا نظارہ کرنا ہےتو ہیپی نیوایئر نائٹ ، یا کرکٹ مقابلے میں جیت کے موقع پر ہمارے یونیورسٹی وکالجز کی نوجوان طبقہ بشمول مردوزن کی حرکات دیکھ لیجئے خود احساس ہوجائے گا کہ جدید تعلیم سے آراستہ قوم کتنی مہذب وشائستہ ہے ۔ایک عرصہ پہلے ایک خبر الارمنگ نیوز کے طور پر چلائی گئی کہ بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان جیسی سنگین نوعیت کی وارداتوں میں ملوث گرفتار 25 ملزمان پوسٹ گریجویٹ ہیں جن میں مکینیکل انجینئرز اور بی ایس سی کمپیوٹر سائنسرز بھی شامل ہیں یہ تمام ملزمان امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں بھوک، بیروزگاری وغیرہ ان کا مسئلہ نہیں۔

ہمارا شُتر بے مہار مادر پدر آزاد نظام تعلیم ہمیں اور کہاں تک لے جائے گا اور کب تعلیم تعلیم کی مالا جپنے والے صاحبان اقتدار واختیار کو تعلیم کے تربیتی پہلوؤں کی اہمیت کا احساس وادراک ہوگا۔ جب سے استعمار نے اسلامی سرزمین پر قدم رکھا ہے اس وقت سے مسلمانوں کو بالعموم اور پاک وہند کے مسلمانوں کو بالخصوص ایجوکیشن وار کا سامنا ہے یہ جنگ تعلیم کے ہتھیاروں سے لڑی جارہی ہے جس میں میڈیا سے لیکر دینی ودنیوی تعلیمی ادارے شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرح خواندگی کے ساتھ ساتھ شرح جرائم میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

زیرک سامراجی قوتیں جسموں کی قید کی بجائے دل ودماغ اور روحوں کو مقید کرنے کا جال تعلیم کو بنا کر ہمیں شکار کررہی ہیں۔

آج ہمارا مقصدِ تعلیم نوکری، بزنس یا صرف دنیاوی ترقی ہی رہ گیا ہے؟ اور یہ علم ہمیں سانپ بن کر ڈس رہا ہے؟

’’مغربی افکار ونظریات کا چربہ یہ نظام تعلیم ہمیں مایوسیوں میں دھکیل رہا ہے۔نظریاتی احساس کمتری کا شکار بنا کر ہماری قومی وملی اقدار کو نگل رہا ہے لہٰذا ہمیں اپنے علم ودانش کے بہترین ماخذ قرآن وسُنت کی روشنی میں اپنے اسلاف کی مدد سے اپنے نظام تعلیم، نصاب تعلیم کو ارفع اعلیٰ پاکیزہ نظریات سے مزین کر کے بامقصد اور اپنی معاشرتی ،قومی علمی اقدار اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔سرکاری تعلیمی اداروں کی باز پُرس اور کامیاب ادارہ بنانے کے ساتھ نجی تعلیمی اداروں

کی سرپرستی اور محاسبہ خصوصاً خالصتاً کاروباری سوچ کے حامل نام نہاد شہرت اور کمپنی کی مشہوری کیلئے بوٹی مافیا، رٹا اور دوسرے اوچھے حربے اختیار کرنے والے تعلیمی اداروں پر کڑی نظر رکھنی ہوگی اس کیلئے علماء کرام، باشعور والدین اور سول سوسائٹی کو اپنا کردار ادا کرنے کیلئے میدان عمل میں آنا ہوگا۔

ورنہ ہم ایک زندہ و پائندہ قوم بننے سے قاصر رہیں گے کیونکہ آج کے فرعون کو کالج کی سوجھ گئی ہے شاید اس نے اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھ لیا ہے......

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا۔۔۔افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی [1]

2: میڈیا: میڈیا کی رسائی اس وقت ہر گھر تک ہے، اور جس نہج پر اس وقت ہمارا میڈیا کام کر رہا ہے اس کی فتنہ پردازی کسی سے مخفی نہیں۔ لوگوں کی ذہن سازی اور اور فکری ناہمواری کا سبب میڈیا ہی ہے۔ بچہ ہو یا نوجوان، خاتون ہو یا مرد چھوٹا ہو یا بڑا سب فلموں، ڈراموں، اور میڈیا پر نمودار ہونے والے نام نہاد دانشوروں کے ترانے پڑھتے ہیں۔ میڈیا ایک صنعت ہے اور صنعتیں مسیحائی نہیں کرتیں، یہ اس اصول پر کام کرتا ہے کہ سب جائز ہے۔ اگر معاشرے کی بہتری مقصود ہے تو میڈیا کو لگام دینا ضروی ہے۔

3: ادبی کلچر: ہمارا ادبی کلچر بھی زیادہ تر عاشقی و معشوقی کے سوا نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ ناول، ڈائجسٹ، روزنامچے سب ہی ایک ڈگر پر چل رہے ہیں۔

4: زبان۔ قوم کی زندگی زبان کے بل بوتے پر ہے۔ ہماری قوم اس وقت مستعار زبان استعمال کر رہی ہے۔ انگریزی کی اہمیت کو اتنا اجاگر کیا جا چکا ہے ہر فرد بغیر اس کے اپنی زندگی کو نامکمل سمجھتا ہے۔ ہمیں جہاں عربی زبان کو اہمیت دینی چاہیئے تھی وہاں انگریزی کو دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس کا تعلق قرآن وحدیث کے بجائے انگریزی ادب سے جڑا جس سے ان کی عادات وتقالید ہمارے رگ وریشے میں رچ بس گئیں کیونکہ عربی مثل مشہور ہے کہ ’’كل إناء بما فيه ينضح‘‘ برتن میں جو ہوتا ہے اس سے نکلتا بھی وہی کچھ ہے۔

---

[1] http://www.nawaiwaqt.com.pk/mazamine/24-Sep-2013

5:عورت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' فإن أول فتنة بني إسرائيل في النساء''
''بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتیں تھیں''۔

عورت کو بظاہر معمولی سمجھا جاتا ہے لیکن یہ معاشرہ کی ایک ایسی اکائی ہے کہ یہ معاشرہ کو بنا بھی سکتی ہے اور بگاڑ بھی۔ معاشرے کی بناوٹ میں کلیدی کردار خاندان کا ہوتا ہے اور خاندان میں بھی بات سمٹ کر مرد اور عورت تک محصور ہوجاتی ہے۔ کیونکہ عورت اجیال کی مربیہ ہوتی ہے اور مرد اس میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ دین اسلام نے عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو بالادست بنایا ہے اور اس کی معقول اور اعلیٰ وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾[النساء: 34]

ترجمہ: مرد عورتوں کے جملہ معاملات کے ذمہ دار اور منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

قرآنی حکم آنے کے بعد کسی مومن کیلئے یہ روا نہیں رہتا کہ وہ اس سے متعلق کوئی اعتراض کرے مگر ہمارے ہی اسلامی معاشروں میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی بالادستی کو چیلنج کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ چیلنج صراحتاً قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کے خلاف ہے مگر پھر بھی نام نہاد دانشور۔۔۔۔اور معاشرہ کی بعض عورتیں بھی اسے ظلم سے تعبیر کرتے ہیں والعیاذ باللہ

عورتوں کی فطری کمزوری اور توہم پرستی کا حال الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب ''مجالس النساء'' میں بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ جو یقیناً صنف نازک کی فطرت کی بہترین عکاسی کرتا ہے جسے ہم مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں کہ ایک بڑھیا عورت اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتی ہے۔'' جسے دیکھو اسے اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ چار سر جوڑ کر بیٹھ گئیں اور زمانے کی برائی کرنی شروع کی۔کوئی ساس نند کا جھینکنا جھینکتی ہے۔کوئی دیورانی جھٹانی کا دکھڑا روتی ہے۔کوئی بہو پر زہر اُگلتی ہے۔کوئی خاوند کا صبر سمیٹتی ہے۔کوئی کسی کی شادی کو نام دھرتی ہے۔کوئی کسی کے جہیز پر ہنستی ہے۔کوئی

کسی کی ذات میں عیب نکالتی ہے۔۔۔۔اس کے سوا مزاجوں کا وہ حال ہے کہ جو ذرا سی تیز مزاج ہیں وہ تو چلتی ہوا سے لڑتی ہیں ۔ بات اس طرح کرتی ہیں جیسے کسی نے پتھر دے مارا۔میاں سے بات بات میں اُڑ نیچ نکالنی۔بچّوں کو خواہی نخواہی کوسنا۔نوکروں سے ناحق الجھنا۔''

اس وقت معاشرے کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے تاکہ وہ آئندہ نسلوں کی مربیہ بنیں اور قوم فتنوں سے محفوظ رہ سکے۔

بے جا تکلفات کا در آنا

الغرض ہمارا معاشرہ اس وقت ہندستانی فرسودہ روایات اور مغربی تہذیب کا چربہ بن چکا ہے۔جسے ہم زوال کہیں گے عروج نہیں کیونکہ زوال پذیر معاشرے کی سب سے بڑی پہچان اُس کے فرسودہ رسم ورواج ہوتے ہیں جو سارے کے سارے بے تکے ،فضول اور جہالت کی کھلی دلیل ہوتے ہیں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہتی ہیں اور لوگوں کی زندگیاں الجھن میں مبتلا ہوتی رہتی ہیں ۔اور زندگی ایک عذاب جیسی بن جاتی ہے ایسی ہی زندگی کا نقشہ'' رفاہ اخلاق'' کے مصنف نے بہت بہترین انداز سے کھینچا ہے یہ کتاب انیسویں صدی کے اختتام پر لکھی گئی اس لئے اس میں قدیم ہندی طرز کے جملے ہیں جو بظاہر کچھ ثقیل مگر ہیں بہت دلچسپ اقتباس ملاحظہ کیجئے ۔لکھتے ہیں:''اکثر ہندوستانی آدمی اپنی پابندئ رسومِ آبائی سے ایسی آفت ومصیبت میں گرفتار ہیں کہ جس کے سبب سے تھوڑی سی عمرِشیریں ان کی تلخ ہوگئی ہے۔جو رسمیں اور طریقے شرعاوعقلا ناجائز ہیں ان کو فرض وواجب سمجھ لیا گیا ہے۔ پاس ہو نہ ہو قرض لیں گے،ادھار کریں گے، چاہے عزت میں بٹّہ لگے۔جیلخانہ جانے کی نوبت آئے مگر ضرور فرض ادا ہو جائے۔اس میں فرق نہ پڑنے پائے۔ یہاں لڑکا کیا پیدا ہوتا ہے آفت کا سامان ہوتا ہے۔اپنے پرائے کی بن آتی ہے۔ بے وقوف بنا بنا کر خوب اڑاتے ہیں۔بہنیں جدی منزلوں سے نیگ مانگنے آتی ہیں۔ پھوپھیاں علیحدہ کوسوں سے اپنا حق لینے کو پہنچتی ہیں۔ہم کرتہ ٹوپی لائے ہیں۔ برسوں کی آرزو ہے۔اب خدا نے یہ دن دکھائے ہیں۔ ہمارا حق دینا چاہیے۔ بہت دنوں سے چپکے بیٹھے رہے۔اب نہ دو گے تو پھر ہمارا کون سا دن ہوگا۔اب لیجیے، سواریوں کا جدا کرایہ دینا پڑتا ہے۔مہمان داری میں جدا بہت کچھ صرف ہوتا ہے۔ پھر واپسی کے دن

آئے، رخصت کیجئے۔ بھاری جوڑے بنوایئے۔ دوبارہ کرایہ دینے آیئے۔ ادھر کمین لوگ ڈھویا لاتے ہیں۔ اس میں بھی انعام ہر ایک کو دیا جانا ضروری ہے۔ تقاضا ہو رہا ہے جس قدر دیجئے تھوڑا ہے۔ سرکار برسوں خدمت کرتے گزارا ہے۔ آج خوشی نے منہ دکھایا ہے۔ سب کچھ دیا مگران کا منہ سیدھا نہیں۔ جب لڑکا نہ ہوا تھا، پیر شہید کی منتیں مان بیٹھے تھے۔ اب وہ کیونکر نہ کی جائیں۔ یاران چوری نہ پیران دغابازی مثل مشہور ہے۔ سیکڑوں روپیہ منتوں کے لیے چاہیے۔ میران کا بکرہ، پیر دستگیر کی گیارہویں۔ میاں معین کی دیگ۔ کہاں تک کہیے۔ مسجدوں میں گھی کے چراغ۔ درگاہوں پر ہاتھی گھوڑے چڑھاتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں لڑکے کو اگر کوئی گھر سے باہر بھی لے گیا تو آفت آئی۔ ہیں ہیں نظر لگ جائے گی۔ دودھ کے بال ہیں۔ منہ میں دودھ بھرا ہے۔ کوئی دیکھ نہ لے، دو چار برس کا ہو گیا ہے۔ پیاری پیاری باتیں کرتا ہے، کھیل تماشے کرتا ہے، کوئی دیکھ سن نہ پائے یا ماں گود میں چڑھائے ہے۔ بچہ کے پاؤں نہ دُکھنے لگیں اور کوسوں بھیجا تو بہت دور ہے۔ ہاں جو بڑے جاہل ہیں، وہ منزلوں کی راہ طے کر کے درگاہوں میں لے جا کر قبر کے سامنے لڑکے کو رکھ دیتے ہیں اور صد ہا روپیہ چڑھاتے ہیں۔ درگاہ کے تعویذ گنڈے سونے چاندی میں منڈھوا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ پھر راہ کی مصیبت جھیلتے ہوئے مرپٹ کے گھر پہنچتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے درگاہ نہ پہنچنا ہوا تو سمجھتے ہیں کہ ابھی یہ فرض باقی ہے۔ جب تک وہاں نہ ہو آئے گا، بچے پر سیکڑوں آفتیں رہیں گی۔ ہائے بے علمی بھی کیا بری بلا ہے۔ اگر سمجھ ہوتی تو اپنی کمائی ایسے بے فائدہ کاموں میں کیوں صرف کرتے۔" [1]

اسلامی اقدار و اطوار پر مبنی معاشرے کی تشکیل عصرِ حاضر میں کیسے ممکن ہے؟

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها۔"

اس امت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے پہلوں کی اصلاح ہوئی ہے۔

دور حاضر کے اپنے معاشرے کو ہم اگر شرعی خطوط پر استوار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے

[1] کتابیں اپنے آباء کی از رضا علی عابدی

امن وآشتی کا گہوارہ بن جائیں، تو اس کیلئے ہمیں اسی دور اول کا جائزہ لینا ہوگا اس میں سب سے اعلیٰ مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی معاشرہ کی تشکیل ہے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک نئے مدنی معاشرے کی تشکیل سے رہنمائی ضروری ہے:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [الأحزاب : 21]

ترجمہ: (مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، جو بھی اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے نزدیک مکہ چھوڑنے کا مطلب صرف یہ نہیں تھا کہ مکی لوگوں کے فتنے اور تمسخر سے نجات پائی جائے۔ بلکہ بنیادی مقصد یہ تھا کہ ایک پر امن علاقے میں صالح معاشرہ تشکیل دیا جائے۔ جس کیلئے ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ وہ اس وطنِ جدید کی تعمیر میں حصّہ لے۔

یہ یقینی بات تھی کہ اس معاشرے کی تشکیل کے امام قائد اور رہنما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اب دیکھئے کہ ہمارے پیغمبر نے اس معاشرہ کو کیسے تشکیل دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نئے معاشرے کی تشکیل میں جن بنیادی عوامل کو امتیازی حیثیت دی وہ درجِ ذیل ہیں:

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ''مسجد محض ادائے نماز کیلئے نہیں بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات وہدایات کا درس حاصل کیا کرتے تھے، اور ایک محفل تھی جس میں مدتوں جاہلی کشاکش ونفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبّت سے مل جل رہے تھے۔ نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس ننھّی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور مختلف قسم کی مہمیں بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک

پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلس شوریٰ اور مجلسِ انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہُوا کرتے تھے‘‘۔ [1]

اگر ہم اس وقت اپنے معاشرے کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا چاہتے ہیں تو مسجد کا وہ مقام بحال کیا جانا ضروری ہے جو عہد رسالت میں ہوا کرتا۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسجد سے زیادہ تعلق رکھنے سے انسان کی ایمانی روح زندہ رہتی ہے، گناہوں کے بادل سینوں سے چھٹتے چلے جاتے ہیں ، بندہ کا تعلق رب اللعالمین سے مضبوط ہوتا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"احب البلاد الی الله مساجدها"

’’زمین پر اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب جگہ مساجد ہیں‘‘

اس حوالے سے اب چند ماہ پہلے ہی کا واقعہ آپ ملاحظہ کریں کہ جب چند کرائے کے لوگوں نے اسلام آباد میں دھرنا دیا پارلیمنٹ کی بے حرمتی کی تو سب کے دلوں میں پارلیمنٹ کا تقدس جاگ اٹھا، قلمکاروں نے اس کی مذمت میں اوراق سیاہ کرڈالے لیکن کتنی ایسی مساجد ہیں جن پر آئے دن حملے ہوتے ہیں ان کا تقدس پامال ہوتا ہے لیکن قلم بھی خاموش ہیں زبان بھی کنگ ہے۔ لب بھی سل جاتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی ۔

مسلمانوں میں بھائی چارگی کا قیام: رسول اللہ ﷺ نے مدنی معاشرے میں مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام کرکے باہمی اجتماع اور میل ومحبّت کا ایک مرکز قائم کیا وہیں آپ ایک اور عظیم ترین کام انجام دیا جو تاریخ انسانی کا ایک تابناک کارنامہ ہے وہ ہے مہاجرین اور انصار کے مابین بھائی چارے کا قیام۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’پھر رسول اللہ ﷺ نے جناب انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کُل نوّے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے، اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگِ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ آیت نازہوئی کہ

---

[1] رحیق المختوم از صفی الرحمن مبارکپوری، ص255

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾[الأحزاب : 6]

ترجمہ: اور کتاب اللہ کی رو سے مومنین اور مہاجرین کی نسبت، رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ (ترکہ کے) حقدار ہیں۔ البتہ اگر تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو) کتاب اللہ میں یہی کچھ لکھا ہوا ہے۔

تو انصار ومہاجرین میں باہمی توارث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔[1]

امام غزالی رحمہ اللہ اس بھائی چارے کے مقصود سے متعلق لکھتے ہیں کہ ''جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ حمیّت وغیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لیے ہو۔ نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ بلندی وپستی کا معیار انسانیت وتقویٰ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بھائی چارے کو محض کھوکھلے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا بلکہ اسے ایک ایسا نافذ العمل عہد وپیمان قرار دیا تھا جو خون اور مال سے مربوط تھا۔ یہ خالی خولی سلامی اور مبارکباد نہ تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ نہ ہو بلکہ اس بھائی چارے کے ساتھ ایثار وغمگساری اور مؤانست کے جذبات بھی مخلوط تھے اور اسی لیے اُس نے اس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کارناموں سے پُر کر دیا تھا۔''[2]

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کردہ اس بھائی چارے نے ایسی نادر ونایاب مثالیں چھوڑیں کہ آئندہ نسلوں تک اس کی مثال ملنا مشکل ہوگئی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا۔ اس کے بعد جناب سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: ''انصار میں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔ آپ میرا مال دو حصوں میں بانٹ کر (آدھا لے لیں) اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتا دیں میں اُسے طلاق دے دوں، اور عدت گذرنے کے بعد آپ اس

---

[1] زاد المعاد 2/56:

[2] فقہ السیرہ ص140، 141

سے شادی کرلیں''۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ آپ کے اہل و مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کہاں ہے؟ لوگوں نے انہیں بنوقینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ جاتے رہے۔ پھر ایک دن آئے تو اُن پر زردی کا اثر تھا۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عورت کو مہر کتنا دیا ہے؟ بولے ایک نَواۃ (گھٹلی) کے ہموزن (یعنی کوئی سوا تولہ) سونا۔''

آپ ﷺ کا انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کوئی بھی معاشرہ مسلمانوں کی باہمی اخوت کے بغیر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ جب تک ہمارے معاشرے میں قومیت چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو مٹ کر ایک اسلامی اخوت کی لڑی میں پرو نہیں جاتی تب تک اسلامی معاشرے کی تشکیل اور تکمیل ممکن نہیں۔

بتانِ رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اقبال اپنے ان چند اشعار میں ہمیں بہت کچھ سمجھا گئے:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ مسلمان بھی ہو!

اسلامی تعاون کا پیمان: پیارے پیغمبر ﷺ نے اسلامی بھائی چارے کے قیام کے بعد مدینہ کے باسیوں کے مابین ایک پیمان بھی کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کی بنیاد ڈھادی اور دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کیلئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔

یہ عہد و پیمان پندرہ بنیادی دفعات پر مشتمل تھا جسے کتب سیرت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[1]

تعمیر معاشرہ میں معنویات کا کردار

کسی بھی معاشرے کا ظاہری رُخ درحقیقت ان معنوی کمالات کا پَرتَو ہوتا ہے جس سے اس

---

[1] صحیح بخاری: باب اخاء النبی ﷺ بین المهاجرین والانصار

معاشرے کے مکیں بہرہ ور ہوتے ہیں ۔ معنویاتی اثر کے بغیر کوئی معاشرہ چاہے کتنے بھی مضبوط تعمیری خطوط پر استوار ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حکمتِ بالغہ سے مدنی معاشرہ تعمیر کیا اس کی بنیادوں کی مضبوطی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس معاشرے کے مکینوں کی تعلیم وتربیت، تزکیہ نفس اور مکارمِ اخلاق کی ترغیب میں مسلسل کوشاں رہتے تھے اور انہیں محبت و بھائی چارگی ، مجد وشرف اور عبادت واطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظ فرمائیں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ (یعنی اسلام میں کونسا عمل بہتر ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم کھانا کھلاؤ اور شناسا اور غیر شناسا سبھی کو سلام کرو''۔ [1]

سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ فرماتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سب سے پہلی بات فرماتے سنا وہ یہ تھی کہ ''اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور رات جب لوگ سورہے ہوں نماز پڑھو۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے''۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور تباہ کاریوں سے مامون ومحفوظ نہ رہے''۔

اور آپ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں''۔

اور فرماتے: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے معاشرے کو ایسی اعلیٰ اقدار پر استوار کیا کہ وہ معاشرہ آئندہ نسلوں کیلئے نمونہ راہ بن گیا۔ آج بھی اگر ہم اپنے معاشرہ کو پاکیزہ اور پرامن بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں انہی خطوط پر عمل کرنا پڑے گا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدنی معاشرہ تعمیر کیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جس شخص کو طریقہ اختیار کرنا ہو وہ گذرے ہوئے لوگوں کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ زندہ کے بارے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] ملاحظہ کیجئے رحیق المختوم ص258،259:

ساتھی تھے۔اس امت میں سب سے افضل،سب سے نیک دل،سب سے گہرے علم کے مالک،اور سب سے زیادہ بے تکلف۔اللہ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت اوراپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کیا،لہذا ان کا فضل پہچانو اوران کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اورجس قدر ممکن ہوان کے اخلاق اور سیرت سے تمسّک کرو، کیونکہ وہ لوگ ہدایت کے صراطِ مستقیم پر تھے۔‘‘[1]

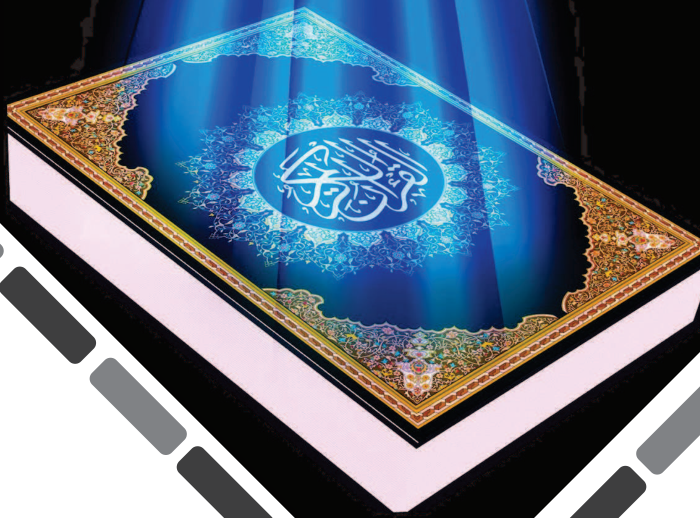
مسلم قوم کیلئے ان کی ثقافت وتہذیب الغرض ہرحوالے سے ان کا ماضی بہت اہم ہے۔ماہرین عمرانیات قوموں کے ماضی کوان کی یاداشت سے تشبیہ دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں جوقوم اپنا ماضی بھول جائے وہ اپنی یاداشت کھوبیٹھتی ہے۔پھرایسی قوم پرایک وقت آتاہے،جب وہ خودقصہ ماضی بن جاتی ہے۔اس لئے ماضی سے رہنمائی لینا بہت ضروی ہے۔پیارے پیغمبر ﷺ نے مدینہ میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو تاریخ کا سب سے زیادہ باکمال اورشرف سے بھرپور معاشرہ تھا۔اور اُس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوارحل نکالا کہ انسانیت نے ایک طویل عرصے تک زمانے کی چکی میں پِس کراوراتھاہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارکرتھک جانے کے بعد پہلی بارچین کا سانس لیا۔

اس نئے معاشرے کے عناصر ایسی بلند وبالا تعلیمات کے ذریعے مکمل ہوئے جس نے پوری پامردی کے ساتھ زمانے کے ہرجھٹکے کا مقابلہ کرکے اس کا رُخ پھیر دیا اورتاریخ کا دھارا بدل دیا۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

---

[1] مشکوۃ۔1/32



بارات اور جہیز کا تصوّر
مفاسد اور حل

حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف
دارالسلام، لاہور





بارات کا تصور، مفاسد اور حل

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان، برادری اور دوست احباب کا ایک جم غفیر اور انبوہ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔

تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت و عہد صحابہ وتابعین یعنی دور خیر القرون میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا، صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے، شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا تھا نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آجاتا، اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں اس کے بے شمار مفاسد ہیں، ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں۔

1. سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا، اسراف (فضول خرچی) ہے، پہلے خود لڑکے کے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے، قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔

پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے، پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار (بہنیں اور بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آکر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں (مایوں، مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

پھر نکاح والے دن بقیہ خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں

کے گھر جاتے ہیں جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑی مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے،جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کے لئے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی نخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہوجائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

2 جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کرلیں، اس کا جواز ہے، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اس طرح سب گناہ میں شریک ہوجاتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے، یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز واقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے، تو اس جرم کی شناعت وقباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

"كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا المُجَاهِرِينَ" [1]

''میری امت کے سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔''

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

- بینڈ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں حتی کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ویل دینار کھا ہوا ہے۔
- آتش بازی جو ''گھر پھونک، تماشہ دیکھ'' کی مصداق ہے، ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔

[1] صحيح البخاری ، كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه

۞ ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔

۞ بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جارہا ہے حتی کہ بعض باراتیوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی اس میں شریک ہوجاتی ہیں۔

۞ پیسے لٹانا، پہلے تو ریزگاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی، اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کیے جاتے ہیں۔

۞ ہیں جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتا ہے، یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔

۞ یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں (ہال یا گھر میں) پہنچتی ہے تو نوجوان لڑکیاں اور یکسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں، یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد عورت سے نہیں کی جاسکتی۔

۞ بارات کے ساتھ کرائے کے مووی میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والے ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

۞ بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ، نہایت بھڑکیلے، زرق برق، حتی کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلہ حسن یا آرائش وزیبائش اور بے پردگی و بے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔

۞ اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور

عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ إنا لله وانا إليه راجعون

۞ آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑکیں مار کر باراتیوں سے (ویلیں) وصول کرتے ہیں۔

۞ اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے۔مخنث (ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز وادا اور ناچ گا کر باراتیوں کا دل لبھاتے ہیں اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔

۞ کھانے کے موقعے پر بھی اکثر وبیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں، جیسے مویشیوں کو چارہ کھرلی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ'' یاکلون کما تاکل الانعام'' کے مصداق ہوتے ہیں یا جیسے بھوکے گدھ ہوتے ہیں یا جیسے ایسی وحشی اور گنوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا یا جن کا کوئی تعلق تہذیب وشائستگی سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر وہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں، وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا، بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہوجاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کردیتے ہیں، بداخلاقی اور تہذیب وشائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق وکردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب وشائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلق عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابۂ کرام وتابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلم اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ سارے مظاہر جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی ، ایک تو سراسر اسراف وتبذیر میں داخل ہے جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخوان الشیاطین (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔

✴ دوسرے قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔

✴ تیسرے ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

✴ چوتھے، بداخلاقی اور بدتہذیبی کے مظاہر ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟

تمام مذکورہ خرافات کے بعد آخر میں فوٹو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد وعورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو کھنچواتے ہیں یہ سراسر بے پردہ اور مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے ، دولہا کے ساتھ خاندان کے چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں ،لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کی بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کرکے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کرکے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کردیں اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی ، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی نہ عورتوں کی بے پردگی وبے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈ باجوں، آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔

﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾[سورۃالقمر :17] کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا ؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لومۃ لائم (ملامت گروں کی ملامت سے) سے بے خوف ہو کر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے اس لیے کہ بارات میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے۔

1 عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہوگیا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں، جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں (بچیوں اور بیوی سمیت) تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں، ایک نکاح والے دن اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے، دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔

محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے، علاوہ ازیں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ، سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے، میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان کا بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔

جو صاحب حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا، مذکورہ اخراجات کے علاوہ، زیورات کے نئے طلائی سیٹ کا مطالبہ ہوتا ہے، گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں میں نے وہ پہنے تھے، اب وہی سیٹ اس شادی میں میں نے نہیں پہننا ہے اور آج کل کے زن مرید قسم کے شوہر یہ مطالبہ بھی پورے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور ہر چیز سیٹ کروا کر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تا کہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں، پھر ان تکلفات وتصنعات میں پردے اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم

ہوگیا ہے، پردہ کریں گی تو آرائش وزیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا یہ کرشمہ 'مصنوعی حسن' بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدوخال نمایاں ہو جائیں گے۔

یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دیگر تمام عورتوں کے لباس، زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے، شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کمتر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کے نوک زباں پر آجاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں، یعنی یہ سادگی، جو اللہ کو پسند ہے، شیطان صفت ان عورتوں کو بری لگتی ہے۔

۞ یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے، اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

۞ مووی فلم میں، جو آج کل شادیوں کا (بارات میں بھی اور ولیمے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، ان بے پردہ فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کر کے ان کے حسن و جمال اور بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی و نیم عریانی کو عام کر کے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے حالانکہ عورتوں کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش وزیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش وزیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو ان کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بالخصوص شادیوں میں تو اس کی بے پردگی، اس کا نیم عریاں لباس، میک اپ، غازہ ولپ سٹک، اس کی ایک ایک حرکت و ادا ایک غارت گر دین و ایمان اور رہزن تمکین و ہوش، کسی الھڑ حسینہ، دل ربا چنچل بازاری عورت سے کم نہیں ہوتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے حتی کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

"أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا مِنْ رِيحِهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ" [1]

''جو عورت خوشبو لگا کر (باہر نکلتی ہے اور) لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے۔''

احادیث میں ایک دفعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انہوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی سونگھی، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ لِامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهَذَا الْمَسْجِدِ، حَتَّى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ" [2]

''اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے۔''

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کو مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہو کر جانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کا جذبہ کتنا ہے؟

❁ نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس کے علاوہ دولہا دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں، اس موقعے پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ

---

[1] سنن النسائی، کتاب الزينة، باب ما يكره للنساء من الطيب، سنن أبي داؤد، کتاب الترجل، باب فی طيب المرأة للخروج

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب ماجاء فی المرأة تتطيب للخروج

دولہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دیندار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتا ہے حالانکہ دولہا بھی سوائے پھوپھی، خالہ یا اپنی ماں، بہنوں اور ساس کے تمام عورتوں کے لیے غیر محرم ہے، دولہا کے ساتھ اس کے دوست بھی اس موقع پر موجود ہوتے ہیں جو دلہن سمیت تمام خواتین کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کا کام جاری رکھتے ہیں۔

۞ دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں حتی کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں، یا اللہ! دیکھ لے اس سب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔اعاذنا اللہ منہ

کیا روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اس لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر وریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گل دستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیا کرنا۔

تاکہ تم اللہ کو، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکہ دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو، سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے۔

﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾[البقرة:9]

ترجمہ: ''یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔''

۞ شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں کو اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے یہ عورتیں مردوں کے سامنے سے بلا جھجھک نہیں گزرتی ہیں؟ اور کیا مرد رنگ ونور کے اس سیلاب سے ، یا حسن و جمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا بکھرتے اور دھنکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی و بے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات، بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور ''بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن'' کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے، بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ کیا اس جواب سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقعے پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کستے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو

کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟

پس چہ باید کرد؟

بہرحال یہ صورت حال نہایت المناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ، یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں بلکہ قوم کی حیثیت مجموعی کی ہے۔ رسم ورواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار وروایات سے یکسر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے

بجائے شان وشوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جارہا ہے، اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جارہی ہیں، مثلاً

1 امیرانہ شان وشوکت کا اظہار۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس کی نمائش، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش، تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ۔

یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

2 پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کرلیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب البلوغت بچیاں ہوتی ہیں وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔

3 علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار وروایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

4 بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں، شادی ہال کا اور انواع واقسام کے کھانوں کا۔ جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

5 لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی۔ شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ گلی، چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار، سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ خوشی کے موقعے پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا، یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔

یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جارہے ہیں اور ان سے

بچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہوجائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہوجاتا ہے اور یہ ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کرگئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انھی کے ذمے داری ہے۔ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن وتشنیع کی پروانہ کریں اور بغیر لومۃ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو اصحاب حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کریں بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے، وہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کرسکتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جاسکتی ہے، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی ''تنظیم اسلامی'' نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ ایک دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے، صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں، اس کی حیثیت کسی صحرا میں پکار یا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔

ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار و روایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے لیکن بے عملی، ایمانی و دینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔

بنابریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ خرافات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے، اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں، ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ، مہمان ہیں اور اکرام ضیف یعنی مہمان کی عزت وتکریم اور حسب طاقت وضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے، البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے جیسے مثال کے طور پر بارات کسی دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس بھی اسی شہر میں جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح کے بعد خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے دوبارہ عازم سفر ہو جانا، ناممکن ہے، ایسا نہ ہو سکتا ہے اور نہ کیا ہی جا سکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں کی ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی

طرف سے کھانے پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں، شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ بھاری بھرکم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا وہ ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم واندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنا دیا ہے جس کو اسلام نے آ کر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا بوجھ اور دیگر رسم ورواج کے اغلال وسلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے، اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے۔

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾[النحل :58]

ترجمہ: ’’جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔‘‘

یہی کیفیت ہمارے پاک وہند کے مسلمان معاشروں کی ہوگئی ہے، اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم ورواج ہیں جو شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں، جن میں بارات، جہیز، بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں، نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یا

ہم ہوئے ، تم ہوئے کہ میر ہوئے
ایک ہی زلف کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھرکم بارات کا کروفر

کے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔

مروّجہ جہیز کی شرعی حیثیت

شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسم محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟

ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دو رخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں اس کا جواز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیشِ نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حسبِ ذیل ہیں:

1. شان وشوکت یا امارت کا اظہار
2. نمود ونمائش، شہرت اور تفاخر کا اظہار
3. اسراف وتبذیر کی حد تک اس کا اہتمام
4. وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ
5. محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر
6. عدم استطاعت کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا
7. تعاون، ہدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر

اوّل الذکر چھ کی چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ اور اس ناجائز صورت میں اکثر وبیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے، اسے کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس میں

- شان وشوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے، نمود ونمائش کا جذبہ بھی۔
- اسراف وتبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔

۞ جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی، وہ قرض لے کر، حتیٰ کہ قرض حسنہ نہ ملے تو سود پر قرض لے کر یہ رسم پوری کرتا ہے۔

۞ بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ بالخصوص اصحابِ حیثیت اس نیّت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کردیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحب جائداد باپ کی وفات کی بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا، اب یہ ساری جائداد صرف بیٹوں کی ہے۔ اس طرح یہ رسم ہندوؤں کی نقل ہے۔ ہندو مذہب میں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے، اس لیے وہ شادی کے موقعے پر لڑکی کو 'دان' دے دیتے ہیں۔ یہی دان کا تصور (وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیز کے نام سے اختیار کرلیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اگر جہیز میں مذکورہ تصورات کارفرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے، کیونکہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصوارت کے تحت جہیز دیتے ہیں اور اس رسم کو بھی پورا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے جس کا ذکر ساتویں شکل میں کیا گیا ہے اور وہ ہے تعاون، صلہ رحمی اور ہدیے (تحفے، عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقعے پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس طرح ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا جائے تو اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دگنے اَجر کا باعث بتلایا گیا ہے۔

اس اعتبار سے اپنی بچی کو، اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے یا بطورِ تحفہ کچھ دینا، بالکل جائز، بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ

۞ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔

۞ اس کے لیے قرض لے کر زیر بار نہ ہوں۔
۞ نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔
۞ ضروریاتِ زندگی کی اس فراہمی میں شادی کے موقعے پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ شادی کے بعد دیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور لڑکے والے اُن کو مہیا کرنے سے واقعی قاصر ہیں، تو اُن کو وہ اشیا مہیا کرنے میں حسبِ استطاعت ان سے تعاون کیا جائے لیکن حسب ذیل شرائط کے ساتھ
۞ اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔
۞ بیک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کر دیا جائے۔
۞ اگر بچی کو گھریلو اشیائے ضرورت کی ضرورت نہ ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں اور وہ بچی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو داماد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا مستقبل بہتر ہو سکے۔ مثلاً، اس کے پاس سرمائے کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے، اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار بہتر کر سکے، یا اُس کو پلاٹ لے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے، اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ، یا گھر کی تعمیر، یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی (بیٹی اور داماد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے جو صرف انہی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیز تعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم، نمود و نمائش، بلا ضرورت زیر بار ہونے کی کارفرمائی نہیں بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عند اللہ نہایت پسندیدہ ہے۔

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی، تعاون اور خیر خواہی ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیز نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروّجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کرنہیں آئی، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی کو بھی۔قبل از نبوت اور بعد از نبوت۔جہیزنہیں دیا۔صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے اُن کو تین چار چیزیں بطورِ جہیز دی تھیں۔لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے،اس کا کوئی تعلق مروّجہ رسم جہیز سے نہیں ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

عربی زبان میں تجہیز(جہیز بنانے) کا مفہوم

جہیز،عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ جہاز (سامان) ہے۔قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾[سورۃیوسف:59]

’’جب(یوسف کے کارندوں نے) برادرانِ یوسف کا (واپسی کا) سامان (سفر) تیار کردیا۔‘‘

جَهَّزَ (باب تفعیل) کے معنی ہیں: اس نے سامان تیار کیا۔ ہر موقعے کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے، اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسے جہاز العروس (دلہن کو تیار کرنا)، جہاز المیت (میت کا سامان تیار کرنا) ، جہاز السفر (سفر کا سامان)، جہاز الغازی (غازی کو سامان اسلحہ وغیرہ دینا)۔

احادیث میں یہ لفظ دو موقعوں کے لیے استعمال ہوا ہے: ایک غازی کے لیے اس کو میدانِ کارزار میں کام آنے والی اشیا(خود، زرہ، اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے یعنی اُس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملتا ہے۔ ایک سیدہ صفیہ، دوسرا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور تیسرا سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا۔

1. جنگِ خیبر میں واپسی پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا تھا، اس حدیث میں آتا ہے:

جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنْ اللَّيْلِ [1]

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الصلاة ، باب ما يذكر في الفخذ

’’سیدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا اور اُن کو شب باشی کی لیے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔‘‘

2 نجاشی (شاہ حبشہ) کی طرف سے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو، ان کا نکاح بذریعہ وکالت نبی ﷺ کے ساتھ کر کے، نبی ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی جناب شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔اس حدیث میں آتا ہے:

"ثم جهزها من عنده وبعث بها إلىٰ رسول الله ﷺ...وجهازها كل من عند النجاشي"[1]

’’پھر نجاشی نے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس سے تیار کیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا......اور اُن کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی۔‘‘

ان دونوں احادیث میں تجہیز دلہن سازی، یعنی دلہن کو عروسی لباس اور آرائش وزیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے۔اُثاث البیت (گھریلو سامان) دینے کے معنیٰ میں نہیں ہے جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے، حالانکہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔مسند احمد میں مزید جہاز کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامانِ آرائش وزیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے "جهازها كل من عندالنجاشي" کہا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

3 رہا تیسرا واقعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینے کا، جس سے جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس واقعے پر غور وخوض کرنے اور اس سے متعلقہ روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی اُثاث البیت (گھریلو سامانِ ضرورت) سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دلہن کو پہلی مرتبہ دولہا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ

[1] مسند احمد:6/427

نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیزیں دی تھیں، ان کا تعلق رات کو سونے کیلیے کام آنے والی چیزوں سے تھا، جیسے چادر، تکیہ، پانی کی مشک۔ جیسے سنن نسائی میں ہے:

"جَهَّزَ رَسُولُ الله ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَقِرْبَةٍ وَوِسَادَةٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ"[1]

''رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے لیے) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا، ایک چادر، مشک اور تکیہ کے ساتھ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔''

اس روایت میں جز اور جہاز کے معنی وہی ہیں جو اس سے پہلے سیدہ صفیہ اور سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہما والی دونوں حدیثوں میں اس لفظ کے گزرے ہیں یعنی دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت، جس میں آتا ہے:

"جهز تها أم سليم فاهد تها إليه من الليل"

''اُن کو سیدہ امّ سلیم نے تیار کر کے (دلہن بنا کر) شب باشی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔''

اس روایت کو امام نسائی باب البناء فی السفر میں لائے ہیں۔ بناء کا لفظ شبِ زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ کی اس تبویب اور اس کے تحت "**جھّز تھا**" والی روایت درج کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ "**جھّز**" کے معنی دلہن سازی کے ہیں، نہ کہ سامانِ جہیز کے۔

ہماری بیان کردہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ فاطمہ سے متعلقہ روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے۔

"قَدْ كَانَ رَسُولُ الله ﷺ جَهَّزَهُمَا بِهَا وَوِسَادَةٍ مَحْشُوَّةٍ إِذْخِرًا وَقِرْبَةٍ"

''اس چادر کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک تکیہ، اِذخر گھاس کا بھرا ہوا، اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی۔''

---

[1] سنن نسائی، کتاب النکاح، باب جهاز الرجل ابنته

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو باب ضجاع آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی ''آل محمد (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے) کا بستر۔''

امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں، نہ کہ مروّجہ سامانِ جہیز کے۔

احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیثِ جہاد من جهز غازيا ...الحدیث کے) تجہیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے، اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروّجہ جہیز مراد لینا یکسر بے جواز اور خلافِ واقعہ ہے۔ بنا بریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مروّجہ جہیز کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز و نعمت میں پال کر اور اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے جب کہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ [سورة الرحمن: 60]

نہ کہ محسن کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کا۔ یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دوبھر کر دینے کا حتیٰ کہ اس کو خودکشی تک کر دینے پر مجبور کر دینا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام (عورت کا محافظ، نگران اور بالا دست)

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [سورة النساء: 34]

بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے، مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے

سببِ فضیلت ﴿وَّبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ﴾ یعنی معاشی و مالی کفالت کی ذمے داری، کے بھی خلاف ہے اور اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی منافی۔

بہر حال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے، اس کی شناعت وقباحت واضح ہو جاتی ہے۔

شادی بیاہ کی فضولیات اور رسومات پر ایک اخباری فیچر

بارات اور جہیز کے علاوہ شادی کے رسوم ورواج میں جن فضولیات کا اہتمام ہوتا ہے، ان کی تفصیل کافی لمبی ہے اور نہایت ہوش ربا بھی۔ چند سال قبل روزنامہ ''جنگ'' کے ایک فیچر نگار نے ان تفصیلات پر مبنی ایک مفصل فیچر لکھا تھا جو اخبار مذکور کے سنڈے میگزین (۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا تھا، جو بقول ایک شاعر کے

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

کا مصداق ہے۔

یہ فیچر راقم کی کتاب ''مسنون نکاح'' مطبوعہ دارالسلام میں درج ہے۔ قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

شادی بیاہوں میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

مذکورہ رسومات کے ارتکاب، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تأمل نہیں کرتے۔ ایسے مداہنت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جا سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الإِيْمَانِ"[1]

[1] صحیح مسلم، الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان

ترجمہ:''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

وضاحت: مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم، نگران، سربراہ) بنایا ہے، اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہِ راست پر رکھے اور اس سے اُن کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خداداد مقام پر فائز مرد کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے اور یہ عذر بارگاہِ الٰہی میں ناقابل شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہانڈی میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت کی شامت آجاتی ہے۔ اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چُوں بھی نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی ایسا یتیم ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہے، سلوک کرلیں، مردوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کہ منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں دھکیل رہا ہے۔ أعاذنا اللہ منہ

سیدنا ابن عمر سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلى أَہْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِها وَوَلَدِهِ، وَہِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رِعِيَّتِه "[1]

ترجمہ:''خبردار! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت

[1] صحیح مسلم ، کتاب الامارة ، باب فضیلة الامیر العادل

(ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حاکم وقت، لوگوں پر حکمران، ذمے دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (ملک کے عوام) کی بابت باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

وضاحت: عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے: نگران اور ذمے دار، کس چیز کا؟ جو اس کے ماتحت ہے۔ وہ ان کی اصلاح کرنے، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے اور ان کے دین و دنیا کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمے دار ہے۔

مَسْئُوْلٌ کا مطلب ہے، اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، باز پرس ہوگی، کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کی؟ ان کی دینی و دنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور ان کی تعلیم وتربیت کا صحیح اہتمام کیا؟

اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلافِ شرع رسومات وخرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اگر ادا کیا ہے تو وہ کیا ہے؟... ہر گھر کا سربراہ مرد اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمَ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَه "[1]

''لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین شخص ہیں۔ ایک حرم میں بے دینی

[1] صحیح البخاری،کتاب الدیات ، باب من طلب دم امری بغیر حق

پھیلانے والا۔ دوسرا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا، تیسرا، ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں، تا کہ وہ اس کا خون بہائے۔‘‘

وضاحت: ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور زمانۂ جاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم و جدید جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔

اس انداز سے شادیاں کرنا، یا ان میں ذوق وشوق سے شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے وہ اس حدیث کی دوسری شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوا و ہوس میں مبتلا نفس اور شیطان اس کا پتہ نہیں چلنے دیتا، لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم ہو چکی ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آجائے گا، جس کا ہیولیٰ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہوگا اور وہ ہے، اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص، اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو مقام ہوگا، اس کا اندازہ رسوماتِ جاہلیہ کے دل دادہ ہر مرد اور عورت کو کر لینا چاہیے۔

جناب جریر سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَام سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُها وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِها بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ فِي الْاَسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُها وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِها مِنْ بَعْدِه مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْء"[1]

’’جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کو خود اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور اُن کا بھی اجر ملے گا جو اُس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کچھ کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر (اس کے اپنے عمل کا بھی) بوجھ ہوگا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر

[1] صحيح مسلم ، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة

اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔''

وضاحت: اس حدیث میں ''اچھا طریقہ'' نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، کیونکہ یہ تو بدعت ہوگی جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے، جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم ورواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور اُنہوں نے بھی اس کو اختیار کرلیا، یا کسی جگہ کوئی سنّت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنّت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنت متروکہ کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔

اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف وتبذیر پر مبنی بھاری بھرکم اخراجات، سنتِ سیئۃ (برا طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروّجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی، یا اس خاندان میں مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اُس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے مجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وعلیٰ ہذا القیاس، اسی طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرتا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنیوالے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھرکم اخراجات سے اجتناب جیسی

خوبیاں سنتِ حسنہ (اچھا طریقہ) ہے۔ جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے سے شادی کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں کا اجر... ان کے اجروں میں کٹوتی کے بغیر۔ ملے گا۔

یہ دو راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر و ثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے اوپر لادلینے کا۔

﴿فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا...﴾ [سورة الكهف:29]

"اب جس کا جی چاہے، بھلائیوں والا راستہ اپنا لے اور جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنیوالوں کیلیے جہنم کی آگ ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ الله ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا"[1]

"جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔"

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل سے نوازا ہو تو اظہارِ نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباس شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں:

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباس فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان و شوکت کا چرچا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقرا و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا

[1] سنن ابن ماجه: كتاب اللباس باب من لبس لباس الشهرة۔ سنن ابی داؤد: كتاب اللباس ،باب فی اللبس الشهرة

اور پرہیز گار سمجھیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمود ونمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور اُن کے طور اطوار اختیار کیے جائیں۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیا باختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔

اور ایک پانچویں صورت یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریاں ہو۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔

شادی بیاہوں میں ہماری عورتوں کا لباس بالعموم، ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر، باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:54]

''کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صِنْفَانِ مِنْ أَہْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِها النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَها وَإِنَّ رِيحَها لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا " [1]

ترجمہ: ''جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں، جنہیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہوگا) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے، گائے کی دموں جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ (دوسری قسم) وہ عورتیں، جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی بڑی بڑی دور) سے سونگھی جاسکنے والی ہوگی۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات ....،

وضاحت: یہ حدیث نبی ﷺ کے معجزات اور اعلامِ نبوت میں سے ہے۔ آپ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں، جو اپنے وسائل، طاقت و اقتدار اور جاہ و منصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم و کرم کے بجائے ظلم و ستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ

جہنمیوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسبِ ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی:

① لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں:

1. لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابل ستر حصے ننگے ہوں گے، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہئیں۔
2. ایسا تنگ اور چست لباس پہنا جائے کہ جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔
3. یا ایسا باریک لباس پہنیں کہ جس سے سارا جسم جھلکتا نظر آئے اور اُن کی جلد کی رنگت اور اُن کا حسن نمایاں ہو۔

یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں، جن سے مردوں کو دعوتِ نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو جو پردے کی اہمیت کو سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

② مُمِیلَات کے ایک معنی کیے گئے ہیں، دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے والیاں، یا اپنے کندھوں کو ناز و اَدا سے مٹکا مٹکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز و اَدا سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا جیسے

فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی حیا باختہ عورتوں کا کردار ہے، اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقعے پر انہی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انہی کا نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تا کہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں اُن کے حسن و جمال، ان کے لباس اور زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔

③ مَائِلَات کے معنی ہیں ناز و ادا سے ایسی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔

④ بختی اونٹ کی مانند اُن کے سر ہوں گے، کا مطلب، سر پر جوڑا کر کے اُن کو سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی چند سال قبل عورتوں میں عام تھا، اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتیٰ کہ بعض برقع پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلغی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندیدہ ہے۔

لَعَنَ عبدالله(ابن مسعود رضی الله عنه) الْوَاشِمَاتِ وَالْمُستوشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ الله فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ فَجَاءَتْ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ: وَمَا لِي لاأَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ الله ﷺ فِي كِتَابِ الله فَقَالَتْ: والله لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْته مَا تَقُولُ قَالَ: والله لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [1]

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی، جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اُکھڑوانے والیوں پر، حسن کی خاطر، (دانتوں کے اندر) شگاف کرنے والیوں پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ اُمّ یعقوب (نامی عورت) نے کہا: اے (عبداللہ!) تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ

[1] صحیح البخاری ،کتاب اللباس، باب المتنمصات و مسلم ،کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم فعل۔۔۔۔،

کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے، اس میں تو میں نے یہ چیز (مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت) نہیں پائی۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو اسے (صحیح سمجھ کر) پڑھتی تو یقینا تو اس میں یہ بات پاتی کہ اللہ کے رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو (اپنا لو) اور جس سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ۔''

تشریح

وَاشِمَات، وَاشِمَة کی جمع ہے، وشم کرنے والی عورت۔ **مُسْتَوْشِمَات**، جمع ہے **مُسْتَوْشِمَة** کی، وشم کروانے والی عورت۔ وشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اسی قسم کی کسی چیز سے باریک سا سوراخ کرنا حتی کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طور پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندور بھرتی یا بندیا لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اسی قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔

مُتَنَمِّصَات، مُتَنَمِّصَة کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس کے معنی ہیں، بال اُکھڑوانے والی عورت اور اُکھیڑنے والی عورت کو نَامِصَة کہا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) گویا مُتَنَمِّصَات وہ عورتیں ہیں جن کے چہروں یا اَبروؤں سے بال اُکھیڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نَامِصَة ہیں۔ یہ بھی اس زمانے کا ایک فیشن تھا کہ پلکوؤں (ابروؤں) اور چہرے کے اِکّے دُکّے بالوں کو اُکھیڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے۔ وہ ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر مختلف قسم کے چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھر لیتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔ تاہم کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں اُگ آئیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے، اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس بدنمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس

کی اجازت نہیں ہے۔‘‘

مُتَفَلِّجَات، مُتفلّجة کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فَلَج کرتی یا کرواتی ہے۔ فَلَج کے معنی ہیں: ثنائی یا رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانت ملے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کمسن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیونکہ کمسن عورتوں کے دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی تھی جو ان کی کمسنی اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں فلج کر کے اپنی عمر تھوڑی اور اپنے آپ کو حسین باور کراتی تھیں، جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے وہ دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔

مذکورہ سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ دوسرے، ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے حسب ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں:

عورت زیب و زینت اختیار تو کر سکتی ہے (گو اس کا اظہار صرف خاوند و محارم کے سامنے جائز ہے) لیکن اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکہ اور فریب کا عنصر شامل ہو، یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔ شادی بیاہوں کے موقعے پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بیوٹی پارلر کا کاروبار حرام ہے

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انہیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے نئے اسٹائل، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے حلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں، کیونکہ انہیں لعنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان

کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں، اسی طرح بیوٹی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیونکہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

"أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ الله إِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِﷺ: الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ"[1]

''ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی ہے جب کہ وہ چیز اُس نے مجھے نہ دی ہو، تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز، میری ہے (یا مجھے دی گئی ہے) حالانکہ (وہ اس کی نہ ہو) نہ اس کو دی گئی ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکر وفریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔''

وضاحت: اس حدیث سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے (سوکناپے میں) جھوٹ بول کر یہ تأثر دینا منع ہے کہ اس کا خاوند (دوسری بیوی کے مقابلے میں) اس پر زیادہ مہربان ہے اور اِس کو اُس نے فلاں چیز لا کر دی ہے جب کہ خاوند کا کردار ایسا نامنصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے مقصود جہاں جھوٹی شان وشوکت کے اظہار سے روکنا ہے، وہاں آپس میں فساد اور بگاڑ کا سد باب بھی ہے۔

نبی ﷺ نے اس ممانعت کو جس بلیغ طریقے اور ایک تمثیلی انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے اس ممانعت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے جس نے مکر وفریب کی ساری صورتوں اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

ہماری شادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے پاس

---

[1] صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب المتشبع بما لم ینل۔۔۔،

زیادہ زیورنہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے تانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار (یعنی خلافِ واقعہ اپنی امارت) کا اظہار کرتی ہے۔حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے تانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تأثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن سے لے کر اصل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کاروائی بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

اور اب تو سونے کے بجائے مصنوعی زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سیکڑے ہوتی ہے جبکہ سونے کے اصل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہے۔ دھوکہ دہی کی یہ صورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے، بعد میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو یہ ملمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔

اس حدیثِ رسول کی رو سے ملمع سازی اور فریب کاری کی ایسی ساری صورتیں ناروا قرار پاتی ہیں، مانگے تانگے کا زیور پہن یا پہنا کر جھوٹی شان وشوکت کا اظہار یا آرٹی فشل کے زیورات کا استعمال یہ باور کرا کر کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں۔ یہ سب ناجائز، ممنوع ہیں اور فساد و بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمود ونمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

مکر وفریب کی یہ ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ شادیوں میں دیگر بہت سی خرافات کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے جب کہ ہماری شریعت میں ان رسومات، فضول خرچی، ناروا بوجھ اور نمود ونمائش کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات سے سونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔

سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنْ النِّسَاءِ"[1]

''میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔''

وضاحت: یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہوگا جو میرے بعد رونما ہوگا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت وآسائش اور امن وسکون کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾[الروم: 21]

''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفسوں (جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کردی۔''

علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے، لیکن ایک تو اس نے عورت کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ دوسرے، گھر میں اپنی قوامیت (حاکمیت) عورت کے سپرد کرکے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کرلیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم ورواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف وتبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کرلی ہے اور اپنے مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔

شادی بیاہ میں وہی ہوگا جو شریعت سے بے پروا عورت کہے گی اور کرے گی، مرد کا کام غلامِ بے دام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتی کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا۔ آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کریگا، قرض لے گا، حتیٰ کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اُس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ ڈھولکی وغیرہ کے ذریعے سے اہل محلہ کی نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو مہندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سرعام ناچیں گی۔ وعلی ہذا القیاس دیگر رسموں کا معاملہ ہے۔

ظاہر بات ہے کہ مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے

اور آخرت کی ذلت ورسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہوسکتا ہے؟ "خسر الدنیا و الآخرۃ" کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا ہے۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے!

عورت کا یہ فتنہ انہی لوگوں کے لیے ہے یا ان کے حق میں فتنہ ہے جنہوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہوکر اپنی باگ ڈور (زمامِ کار) عورت کے ہاتھ میں دے دی۔لیکن جو لوگ اپنی قوامیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابندِ شریعت بنا کر رکھتے ہیں،عورت اُن کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ،معاون اور ہر اچھے کام میں ان کا دست و بازو اور سراپا خیر و رحمت ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔فرمایا:

"الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ" [1]

''دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"سُئِلَ رَسُولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ قَالَ: الَّذِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ" [2]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اُسے دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے،تو اسے بجا لائے اور وہ (عورت) اپنے نفس اور خاوند کے

[1] صحیح مسلم ، کتاب الرضاع ، باب خیر متاع الدنیاالمراۃ الصالحۃ

[2] سنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب أی النساء خیر

مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اُس کے خاوند کو ناپسند ہو۔''
قرآنِ مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے " قَانِتَات '' کا لفظ استعمال ہوا ہے:
﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ [النساء : 34]
نیک عورتیں قانتات ہیں۔
'قانتات' کا مطلب ہے: فرماں بردار، اللہ کی بھی اور خاوند کی بھی!
اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں، اور اُن کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور خود بھی دین سے دور ہونے کی وجہ سے اِن عورتوں کو روکنے ٹوکنے اور ان کو راہِ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں، اور وہ دینی اقدار و روایات کی بالا دستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔
الغرض شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشر سامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی اقدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور ہو۔ وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پردے کی پابند، شریعت کی پاس دار اور سادگی کا پیکر ہیں:
﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ﴾ [سورة المطففين :26]
ترجمہ: سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے۔

شادی کے موقعے پر دف بجانے کی شرعی حیثیت

شادی کے مروجہ رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانے بھی ہیں، جس کی کئی صورتیں رائج ہیں۔

مثلاً، شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی اور قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولکیاں بجاتی اور گانے گاتی ہیں جس سے اہل محلہ کی نیندیں خراب ہوتی ہیں۔

دوسرے نمبر پر برات کے ساتھ بینڈ باجہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلمی گانوں کی دھنوں پر ساز و آواز کا جادو جگایا جاتا ہے اور اب منگنی کے موقعے پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔

تیسرے نمبر پر بہت سے لوگ میوزیکل شو کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں، جس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں کو محظوظ کر کے ان کے ایمان واخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔

چوتھے نمبر پر شادی ہال نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اوّل سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گونجتا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ولیمے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہے۔

ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات وحرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید یعنی خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کو دف بجانے اور قومی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔

جیسے سیدہ ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آ کر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی سے خطاب ہے)۔تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طور پر) دف بجا کر شہداے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا:

"وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ" ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔

نبی ﷺ نے سن کر فرمایا:

" دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ " [1] اس کو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (چھوٹے، بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا

[1] صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب ضرب الدف فی النكاح والوليمة

مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی ﷺ کی بابت عقیدۂ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ کی رسالت کا اظہار تھا کہ رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔ بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحیٔ الٰہی کا اثبات تھا، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے لوگ بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وَلَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ اِلَّا الله"[1] ''کل کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔''

بہرحال اس واقعے سے خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر اظہارِ مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

عہد نبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے اس کے خاوند (ایک انصاری مرد) کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: تمہارے پاس لھو نہیں ہے؟ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ ؟ انصار کو لھو پسند ہے، فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ [2]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں، ایک دوسری روایت میں مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ کی جگہ الفاظ ہیں:

"فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَها جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي"

کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی۔

اسی طرح فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ کی جگہ دوسری روایت میں ہے:

"قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزْلٌ" [3] ''انصاریوں میں شعر و شاعری کا چرچا ہے۔''

اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ لَھْو کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ واقعہ

[1] طبرانی ، بحوالہ ''آداب الزفاف'' للألبانی ، ص:95

[2] صحیح البخاری،کتاب النکاح،باب انصار یعجبهم اللهو

[3] فتح الباری ، کتاب النکاح،تحت حدیث مذکور 282/9

مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا دف بجانا اور قومی گانا گا کر اظہارِ مسرت کرنا ہے۔

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ"[1]

حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔

ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابیٔ رسول جناب قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں سے کہا: تم دونوں اصحابِ رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکا) میں سے ہو، تمہاری موجودگی میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا:

شادی کے موقعے پر ہمیں "لَهْو" (چھوٹی بچیوں کے قومی گیت وغیرہ گا کر اظہار مسرت کرنے) کی رخصت دی گئی ہے، تمہارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔[2]

مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے، ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں خاندانی شرف ونجابت کا اور آباء واجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو، لیکن ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے، اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

خاص موقعوں پر دف بجایا جا سکتا اور قومی گیت گایا جا سکتا ہے، جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے، تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے:

"اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ"[3] ''نکاح کا اعلان کرو۔''

---

[1] سنن النسائی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح بالصوت .....،

[2] سنن النسائی، کتاب النکاح، باب اللهو والغناء عند العرس،

[3] صحیح ابن حبان، حدیث:1285 ـ آداب الزفاف، ص:97

یعنی علانیہ نکاح کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سد باب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح بصورت لو میرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جا رہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علما ان کو سند جواز دے رہے ہیں حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔

یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کر سکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔

یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوتِ دے کر جمع نہ کیا جائے۔

اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض وواجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعے میں ہے:

قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ

''ہمیں شادی کے موقعے پر لَہو کی رخصت دی گئی ہے۔''

اور یہ مسلمہ اُصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود وضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات ومنہیات تک پہنچا دے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔

موجودہ حالات میں اظہارِ مسرت کا مذکورہ جائز طریقہ، ناجائز اور حرام ہے

اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ و رسول کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات ومنہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا سر عام ناچنا گانا، ویڈیو اور مووی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب وروایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔

یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے

سے بھی احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنا بریں اسلام کے مسلمہ اصول سدًّ اللذ ریعة کے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کر کے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کر دے۔

کیا غیر شرعی شادیوں کا بائیکاٹ صحیح نہیں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ جن شادیوں میں غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں، تو ان کو خاموشی سے برداشت کر لینا چاہیے اور ان رسومات کی وجہ سے بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں، بہن بھائی، عزیز واقارب ناراض ہوجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ ٹھیک ہے کہ صلہ رحمی (رشتے داریوں کو قائم رکھنے) کی تاکید ہے اور قطع رحمی (رشتے توڑ دینے) پر بڑی سخت وعید ہے، لیکن اس حکم کا تعلق دنیوی معاملات سے ہے یعنی دنیوی معاملات میں کتنی بھی تلخی، کشیدگی، ناراضی ہوجائے اسے طول نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کی وجہ سے بول چال اور تعلق منقطع کرنے کی اجازت ہے اور اگر جذبات میں زیادہ شدت ہو تو تین دن تک تعلق منقطع کرنے کی رخصت ہے، اس کے بعد صلح کر لینی اور بات چیت شروع کر دینی چاہیے۔ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے تعلق منقطع کیے رکھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، دینی احکام وشعائر اور دینی اقدار وروایات کے احترام اور ان پر عمل کرنے کا معاملہ ہے یہ دنیوی معاملات سے یکسر الگ ہے، دین، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محترم اور ہر تعلق سے زیادہ بالا ہے۔ اس کے احترام اور بالادستی پر ہر چیز کو قربان کیا جاسکتا ہے بلکہ کیا جانا ضروری ہے، یہی ایمانی غیرت اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں ساری شیطانی حرکتوں اور جاہلی رسومات کے باوجود ان کا بائیکاٹ کرنا صحیح نہیں ہے ان میں شریک ہی رہنا چاہیے، ان کے اندر نہ دین کی حمیت وغیرت ہے اور نہ دین اسلام کا صحیح شعور، وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بے خبر ہیں اور صحابہ کرام کی دینی غیرت سے بھی لاعلم۔ ذرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ دیکھیے!

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انہوں نے ایک تصویروں والا گدّا خریدا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تشریف لائے اور گھر میں اندر داخل ہونے لگےتو دروازے سے ہی اس گدّے پر نظر پڑ گئی تو آپ دروازے ہی پر کھڑے ہوگئے، اندر داخل نہیں ہوئے، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتی ہوں اور آپ سے بھی معافی کی خواست گار ہوں، مجھ سے کیا غلطی صادر ہوگئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ گدّا کیا ہے؟

میں نے کہا: یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تا کہ آپ اس پر بیٹھا کریں اور اس کو بطور تکیہ استعمال کرلیا کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا ،تم نے جو یہ تصویریں بنائی تھیں، ان میں جان ڈال کران کو زندہ کرو'' مزید فرمایا:

"إِنَّ البَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لاَ تَدْخُلُهُ المَلاَئِكَةُ" [1]

''جس گھر میں تصویریں ہوں، اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

جب اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ، جو مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے یہ ہے کہ جہاں آپ کو تصویریں نظر آئیں، وہاں آپ نے داخل ہونا پسند نہیں فرمایا تو جن اجتماعات میں بینڈ باجے بج رہے ہوں، مردوزن کا مخلوط اجتماع ہو، عورتوں نے شرم وحیا کے سارے حجابات اتار پھینک دیئے ہوں، ان کی مووِیاں بن رہی ہوں۔ ایسے شیطانی اجتماعات میں شریک ہونا اور شریک رہنا ایک مسلمان مرد اور عورت کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

رہا مسئلہ ایسی خرافات کا ارتکاب کرنے والوں کے بائیکاٹ کا تو اس کا اثبات اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے اس واقعے سے بھی یقیناً ہوجاتا ہے لیکن ہم دو صحابیوں کی ایمانی غیرت کے بھی دو واقعے اس موقع پر بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ مزید وضاحت ہوجائے کہ صحابۂ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کتنا سخت رویہ اختیار فرمایا اور رشتوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی۔

---

[1] صحیح البخاری ، کتاب البیوع ، باب التجارۃ فیما یکرہ۔۔۔،

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے سے مت روکو! تو ان کے بیٹے بلال نے کہا: ہم تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے تا کہ فساد پیدا نہ ہو، یہ سن کر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت غضب ناک ہوئے اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ کبھی کسی کو اتنا برا بھلا نہ کہا، اور فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنا رہا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے۔ [1]

یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے، جس میں یہ اضافہ بھی ہے۔

"فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللَّهِ حَتَّى مَاتَ" [2]

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے ساری عمر کلام نہیں کیا حتی کہ فوت ہو گئے۔''

اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا ایک قریبی عزیز (بھتیجا) انگلی سے کنکری پھینک رہا تھا، عبد اللہ بن مغفل نے اسے اس سے روکا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود وہ باز نہیں آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکری مار رہا ہے؟

"لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا" [3]

''میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔''

اللہ کی ناراضی یا لوگوں کی ناراضی کس سے بچنا ضروری ہے؟

دو حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیں جو نہایت فیصلہ کن ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان کی حرارت اور اللہ کا خوف ہو؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أَرْضَى اللَّهَ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ النَّاسَ، وَمَنْ أَسْخَطَ اللَّهَ بِرِضَى النَّاسِ

[1] صحیح مسلم ، کتاب الصلاۃ ، حدیث:442

[2] مشکوۃ ، کتاب الصلوۃ باب الجماعۃ وفضلھا، ح1084 ، وقال الالبانی رحمہ اللہ : وسندہ صحیح

[3] صحیح مسلم، کتاب الصید باب یستعان۔۔۔،

وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ" [1]

''جس نے اللہ کو راضی کر لیا، چاہے لوگ ناراض ہو گئے ہوں اللہ اس کو لوگوں سے کافی ہو جائے گا اور جس نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کر لیا، اللہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دے گا۔''

کمال ایمان کے لئے بھی بائیکاٹ کر کے نفرت کا اظہار ضروری ہے

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ " [2]

''جس نے (کسی سے) اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے نفرت رکھی، اللہ ہی کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے انکار کیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''

وضاحت: کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی اور تقوی کی وجہ سے، کسی عالم دین سے اس کی حق گئی اور حق پرستی کی وجہ سے، کسی صداقت شعار آدمی سے اس کی صداقت اور راست بازی کی وجہ سے محبت رکھنا اللہ کے لیے محبت ہے کیونکہ ان خوبیوں کو اپنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کے اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کے حکموں کو پامال کرتا ہے، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے نفرت اور ناراضی کا اظہار کرنا، اللہ کے لیے نفرت کا اظہار ہے جو اللہ کو پسند ہے، اسی طرح کسی ضرورت مند صاحب ایمان کو اللہ کی رضا کے لیے دینا اللہ کے لیے دینا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کسی بدکردار کو دینے سے انکار کر دینا، اللہ کے لیے انکار ہے، یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنا کمال ایمان ہے اور اس کے برعکس رویہ ایمان کے منافی ہے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ زیر بحث قسم کی شادیوں میں شریک ہونا اور آخر وقت تک شریک رہنا، ایک مسلمان کے شایان شان اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ان کا بائیکاٹ کرنا شیوۂ مسلمانی اور عنداللہ پسندیدہ ہے؟

---

[1] الصحيحة للألبانى 392/5 ، رقم الحديث : 2311

[2] أخرجه الطبرانى فى الكبير 208/8 ۔ سنن ابى داؤد كتاب السنة ، باب الدليل على زيادة الايمان ..

ہر شخص آخرت کی جواب دہی کا احساس اور فکر کرتے ہوئے، اگر آخرت پر اس کا یقین ہے، جواب سوچ لے اور اس کے مطابق فیصلہ کر لے۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو! جان جہاں اختیار ہے

آئینہ دیکھ کر برا نہ منائیے! اصلاح کیجئے!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ"[1] ''مومن، مومن کا آئینہ ہے۔''

آئینے کا کام کیا ہے؟ وہ انسان کے چہرے اور رنگ روپ کو بالکل اس طرح دکھاتا ہے، جس طرح وہ ہوتا ہے، اس میں نہ آئینے کا کوئی نقص ہے اور نہ آئینہ دکھلانے والے کی غلطی، اس لیے بیان کردہ رسومات اور اس میں ہمارے عمل اور رویے کی تفصیلات، ایک آئینہ ہے جو ایک مومن بھائی نے دوسرے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دکھلایا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابریں آئینہ ان کو دکھلایا تو برا مان گئے۔ والا طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے اپنے رویوں کا جائزہ لے کر ان میں اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کریں۔ وبید اللہ التوفیق

قرآن کریم میں اللہ کا حکم

اب تک جو گفتگو ہوئی، احادیث رسول اور آثار صحابہ کی روشنی میں تھی اب ذرا قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾[النساء: 140]

---

[1] سنن ابی داؤد ،کتاب الأدب ، باب فی النصیحۃو الحیاطۃ

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو گے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

یعنی جہاں اللہ کے احکام کا انکار یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو تو اہل ایمان کو وہاں بیٹھنے (جانے یا اگر بے خبری میں چلے گئے ہیں تو بیٹھے رہنے) سے منع کیا جارہا ہے اور تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم منع کرنے کے باوجود ایسی مجلسوں میں جاؤ گے یا وہاں بیٹھے رہو گے تو تم بھی گناہ اور نافرمانی میں ان کے برابر ہو گے۔

جیسے ایک حدیث میں آتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں یا اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً انکار یا مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل اُمراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسا کیا جاتا ہے کیونکہ کھلم کھلا، علانیہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب بھی دراصل اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا ہی ہے۔ علاوہ ازیں ارتکاب کرنے والے اور خاموش تماشائی بن کر شرکت کرنے والے، دونوں جرم میں برابر کے گناہ گار ہیں، اسی لیے اللہ نے آیت میں یہ فرما کر (إِنَّكُمْ إِذاً مِّثْلُهُمْ) ''اس وقت تم بھی ان جیسے ہی ہو گے'' شرکت کرنے والوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم تو رشتے داری کی وجہ سے مجبور ہیں؟ ''ان جیسے ہی ہو گے'' کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

اور یہ جو اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ''اس نے یہ کتاب میں نازل کیا ہے'' یہ اس آیت کا حوالہ ہے جو اللہ نے اس سے قبل نازل فرمائی اور اس میں بھی یہی حکم فرمایا جو اس میں فرمایا ہے اور وہ آیت ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ

[1] مسند أحمد ، 339/392/1

غَیْرِهٖ﴾[سورة الأنعام : 68]

ترجمہ:''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

آیت میں خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے، اور اسی طرح آیت میں اگرچہ ذکر اہل زیغ واہل ضلال اوران کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت کا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے جس میں ہر وہ مجلس شامل ہوگی جس میں اللہ رسول کے احکام کا زبان وبیان کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے انکار کیا یا مذاق اڑایا جارہا ہو، عملی انکار یا مذاق میں شادی بیاہ کی وہ ساری تقریبات (مہندی، منگنی، بارات، ولیمہ وغیرہ) آجاتی ہیں جن میں غیر شرعی حرکات کا دھڑلے سے ارتکاب کیا جاتا ہے۔اعاذنا اللہ منھا

خیر امت ہونے کے لیے بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا ضروری ہے

دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[سورة آل عمران :110]

''تم بہترین امت ہو جولوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت میں ''امت مسلمہ'' کو ''خیر امت'' (بہترین امت) قرار دیا گیا ہے اوراس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے، گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''بہترین امت'' ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے (جیسے وہ اس وقت دنیا میں ہے) اس کے بعد قرآن کریم میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونھی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، اہل کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے۔

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾[سورة المائدة :79]

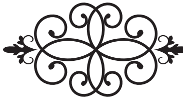
ترجمہ:'' آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقینا وہ بہت برا تھا۔''

اور زیرِ تفسیر آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے، قرآن مجید میں اس سے قبل ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾[سورة آل عمران : 10]

ترجمہ:'' تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔''

''منکر'' (برائی) سے جس طرح شرک و بدعات، فسق و فجور اور دیگر نافرمانی والے کام مراد ہیں، اسی طرح وہ ساری رسومات و خرافات بھی داخل ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں اور زیرِ بحث شادی کی رسومات اسی قبیل (قسم) سے ہیں۔ دوسرے، آیت میں (مِنكُم) کے 'مِن' کو تبعیضیہ قرار دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر ایک گروہ (بعض لوگ) امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ ادا کرلے گا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا یعنی یہ فریضہ فرض کفایہ ہے، لیکن آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں، یہ الفاظ مقتضی ہیں کہ "مِنْ'' کو" تبیین'' کے لئے مانا جائے کیونکہ کامیابی تو ہر مسلمان کا مقصد ہے اور ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے یہ فریضہ ''فرض عین'' ہے یعنی ہر ہر فرد اپنے اپنے دائرے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فرض ادا کرے۔ جیسے ''بلغوا عنی ولو آیة'' کے تحت ہر شخص تبلیغ کا ذمے دار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب







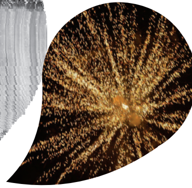


شادی بیاہ

کے

مسنون اور غیر مسنون طریقے





- ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے
- انگریزی زبان میں شادی کارڈ
- رات کو شادیوں کا انعقاد
- سلامی یا نیوتہ
- عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں



حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف
دارالسلام، لاہور

ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے

شادی کی تقریبات میں ولیمہ ایک ایسا عمل ہے جو مسنون ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی اپنی شادیوں کا ولیمہ کیا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور نئے موڑ پر مدد فرمائی اور اسے ایک ایسا رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرما دیا جو اس کے لیے تفریحِ طبع اور تسکینِ خاطر کا باعث بھی ہوگا اور زندگی کے نشیب وفراز میں اس کا ہم دم، ہمدرد اور مددگار بھی۔

اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اِطعامِ طعام (کھلانے پلانے) کا اہتمام کیا جائے۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے اس کے ملنے پر حکم ہے کہ جانور قربان کرو اور خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اولاد میں لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم ہے یعنی بقدر مسرت اطعامِ طعام۔ لڑکی بھی اللہ کی نعمت ہے اس کی ولادت پر زمانۂ جاہلیت کی طرح غم واندوہ کا اظہار نہیں کرنا بلکہ اظہار مسرت ہی کرنا ہے گو لڑکے کے مقابلے میں کم ہی سہی اس لیے ایک جانور قربان کردو۔

نکاح بھی نوجوان جوڑے کے لیے بلکہ دونوں خاندانوں کے لیے بھی خوشی کا ایک موقع ہے، اللہ نے دونوں خاندانوں کو ایک نہایت اہم فیصلے کی ادائیگی سے نواز دیا اور نوجوان جوڑے کے لیے بھی خوشی کا موقع ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا جیون ساتھی میسر آ گیا جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوگا اور شاہراہ زندگی میں ایک دوسرے کا ہمسفر بھی لیکن اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اور حد سے تجاوز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے اس کے نزدیک اظہارِ مسرت میں بھی اعتداء (حد سے تجاوز) اور اسراف (فضول خرچی) ناپسندیدہ ہے۔

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ [الاسراء: 27]

''یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

علاوہ ازیں تفاخر اور شان وشوکت کا بے جا اظہار بھی اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔ اس اعتبار سے ولیمہ جب سنت ہے، دنیاوی رسم نہیں تو اسے کرنا بھی اسی طرح چاہیے جس میں اسلامی ہدایات سے

انحراف نہ ہو جب کہ ہمارے ہاں اس کے برعکس ولیمہ بھی اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ بھی شادی بیاہ کی دیگر رسموں کی طرح بہت سی خرابیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے مثلاً:

1. ولیمے میں بارات سے بھی زیادہ ہجوم اکٹھا کیا جاتا ہے۔
2. حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ انواع واقسام کے کھانوں کا اہتمام کرلیا جاتا ہے۔
3. اپنی امارت اور شان وشوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔
4. غرباء کی شرکت کو ناپسندیدہ اور اپنے مقام ومرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔
5. جس کے پاس وسائل نہ ہوں یا بہت کم ہوں وہ بھی قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر ولیمہ کرتا ہے۔
6. ولیمے میں بھی بے پردگی کا طوفان آیا ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ مووی فلم کے ذریعے سے مردوں کے علاوہ تمام خواتین کی حرکات کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں اس کو ذوق وشوق سے دیکھا جاتا ہے۔

ولیمے کے بارے میں اسلامی ہدایات

حالانکہ اسلامی ہدایات کی رو سے مذکورہ سب باتیں غلط ہیں اس لیے دعوتِ ولیمہ میں بھی اصلاح کی اور اپنے رویوں میں تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیں اس کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں ان سے حسب ذیل چیزوں کا اثبات ہوتا ہے۔

1. اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے ، سادہ اور مختصر ولیمہ ہو، سارے خاندان اور دوست احباب کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عہد نبوی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے لیکن دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں کسی بڑے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حتی کہ صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی قربت کا تعلق رکھتے تھے خود اپنی شادی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کو مدعو نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسے سیدنا عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لباس پر زردی

دیکھی تو ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر ایک خاتون سے شادی کر لی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" [1]

''ولیمہ کرو (اگر زیادہ استطاعت نہ ہو تو) ایک بکری ہی کا کر دو۔''

خیبر سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تو راستے ہی میں مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی اور صبح کو آپ نے ولیمہ کیا جس میں کھجور، پنیر اور گھی کا ملیدہ بنا کر صحابہ کی تواضع کی گئی، نہ گوشت تھا اور نہ روٹی یہ چونکہ سفر کا واقعہ ہے، مجاہد صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی جو خیبر میں آباد یہودیوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ کے ساتھ گئی تھی تو آپ نے اس میں ان سب کو شریک فرمایا۔ [2]

یہ ولیمہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے تعاون سے کیا تھا چونکہ آپ سمیت سب سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر فتح کر کے مدینہ واپس آ رہے تھے، راستے میں آپ نے یہ نکاح فرمایا تھا اور شب باشی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے فرمایا:

"مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ" ''جس کے پاس جو چیز بھی ہے وہ لے آئے''۔

آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی (اور کوئی پنیر) لے آیا اور بعض سَتُّو، ان سب کو ملا کر ملیدہ بنا لیا گیا یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمے کا کھانا تھا۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے گراں ولیمہ وہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، اس میں آپ نے گوشت روٹی کا اہتمام فرمایا تھا۔ [4]

---

[1] صحيح البخاری:كتاب النكاح باب كيف يرى للمتزوج، حديث : 5153،5155

[2] صحيح البخاری: كتاب النكاح، باب البناء فی السفر ، حديث : 5159

[3] صحيح البخاری: كتاب الصلاة، باب ما يذكر فی الفخذ

[2] صحيح مسلم : كتاب النكاح ، باب زواج زينب بنت جحش

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں نہ زیادہ ہجوم جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پر تکلف انواع واقسام کے کھانوں اور ڈشوں کی۔

تھوڑے سے افراد کو بلایا جائے اور گھر ہی میں ان کی خاطر تواضع کر دی جائے اس طرح شادی ہال وغیرہ بک کروانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

اپنی امارت اور شان وشوکت کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے دنیاوی وسائل سے نوازا ہے تو اسے ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی معاشرے میں ضرورت ہے، اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور اللہ کے دین کے داعیوں اور محافظوں پر خرچ کیا جائے، جہاد اور مجاہدین پر خرچ کیا جائے، وعلی ہذا القیاس۔ ولیمے وغیرہ کی دعوتوں میں اسراف وتبذیر کا مظاہرہ کر کے کم وسائل والے افراد کے اندر احساس محرومی پیدا نہ کیا جائے۔

2 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر سے واپسی پر راستے میں جو ولیمہ کیا تھا، وہ مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ہوا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اصحاب ثروت لوگوں کو بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر تعاون کرنا چاہیے، ان کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا عنداللہ ناپسندیدہ روش ہے۔

3 ولیمہ گوشت کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ بالا ولیمے میں ہوا۔

4 ولیمے میں محض رشتے داریوں اور دوستانہ تعلقات کی بنیاد ہی پر نہ بلایا جائے بلکہ نیک لوگوں کو بھی شریک کیا جائے، اسی طرح غرباء ومساکین کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، جس ولیمے میں محض اغنیاء ہی شریک ہوں، اسے نبی نے "شر الطعام" (بدترین کھانا) قرار دیا ہے، صحیح بخاری میں موقوفاً سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے۔

"شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيمَةِ، يُدْعَى لَهَا الأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الفُقَرَاء" [1]

---

[1] صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب من ترك الدعوةفقد عصى الله

''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔''

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قول مرفوع کے حکم میں ہے (فتح الباری) اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ، فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ" [1]

''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں ان (غرباء) کو تو روک دیا جائے جو اس میں آتے ہیں اور ان کو بلایا جاتا ہے جو اس میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

ایک اور حدیث ہے جس میں نیکوں ہی کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے فرمایا:

"لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ" [2]

ترجمہ: ''دوست اور ساتھی مومن ہی کو بناؤ اور تمہارا کھانا بھی سوائے متقی کے اور کوئی نہ کھائے۔''

5 اوپر حدیث گزری ہے کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا، چاہے وہ ولیمے کی ہو یا عام دعوت، ضروری ہے۔ حتی کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ نفلی روزہ توڑ لے اور دعوت میں شریک ہو جائے، بالخصوص جب دعوت کرنے والا اصرار کرے اگر اصرار نہ کرے تو روزے دار کی مرضی ہے کہ روزہ توڑے یا نہ توڑے، روزہ نہ توڑے تو دعوت کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کر دے۔ [3]

6 اگر نفلی روزہ توڑ کر دعوت کھائی جائے تو اس نفلی روزے کی قضا ضروری نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک

---

[1] صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة

[2] سنن ابو داؤد: کتاب الادب، باب من یؤمر ان یجالس

[3] صحیح مسلم: حدیث: 1431

دعوت میں تشریف فرما تھے، صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، جب کھانا شروع ہوا تو ایک شخص الگ ہوکر ایک طرف بیٹھ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ نفلی روزے سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَفْطِرْ وَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ إِنْ شِئْتَ "[1]

ترجمہ: ''تم دعوت کھالو، اگر چاہو تو بعد میں اس کی جگہ روزہ رکھ لینا۔''

حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہا اللہ نے اس کو حسن کہا ہے۔[2]

معصیت والی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں

دعوت قبول کرنے کی اتنی تاکید کے باوجود شرعی دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس دعوت میں یا دعوت والے گھر میں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہو یا وہاں معصیت والی چیز ہو تو اس دعوت میں اس شخص کا شریک ہونا تو جائز ہے جو اصحابِ دعوت کے ہاں اتنے اثر ورسوخ کا حامل ہو کہ وہ معصیت کاری رکوا سکتا ہو، تو اس کو شریک ہوکر اس کو رکوانے کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے اور جو شخص ایسی پوزیشن کا حامل نہ ہو اگر اس کے علم میں پہلے سے یہ بات ہو کہ وہاں فلاں فلاں معصیت کا ارتکاب ضرور ہوگا جیسے آج کل میوزک، ویڈیو، بے پردگی جیسی معصیتیں عام ہوگئی ہیں تو اس کا اس دعوت میں جانے کے بجائے اس کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے اس کے علم میں نہیں تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں ان شیطانی کاموں کا اہتمام ہے تو اس میں شرکت نہ کرے اور واپس آجائے۔ اگر ان معصیت کاریوں کے باوجود وہ شریک ہوگا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ بالخصوص اصحابِ علم وفضل کی اس قسم کے اجتماعات میں شرکت بہت بڑا جرم ہے ان کی شرکت ان معصیت کاریوں کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تصویر والا پردہ دیکھ کر بھی دعوت کھائے بغیر واپس آجاتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے ایک روز کھانا تیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی، آپ تشریف لائے تو گھر میں تصاویر دیکھ کر واپس چلے گئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ

---

[1] السنن الکبریٰ للبیھقی: باب الشیخ الکبیر لایطیق الصوم ...

[2] ارواء الغلیل: 7/11-12، حدیث : 1952

کوکس چیز نے واپس ہونے پر مجبور کردیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' گھر میں ایک تصویروں والا پردہ ہے اور جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''①

رسول اللہ ﷺ نے تو ایک مرتبہ خود اپنے گھر یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو آپ نے اندر داخل ہونا پسند نہیں فرمایا، جس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی۔②

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل بھی یہی تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جب شام تشریف لے گئے تو شام کے ایک نہایت معزز عیسائی نے آپ کی اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان کی دعوت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ الصُّوَرِ الَّتِي فِيهَا "③

ترجمہ:''تمہارے گرجوں میں تصویریں ہوتی ہیں اس لیے ہم وہاں نہیں آسکتے۔''

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کی ایک شخص نے دعوت کی، انہوں نے اس سے پوچھا: گھر میں کوئی تصویر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے تصویر کو توڑنے تک گھر میں داخل ہونے سے انکار کردیا جب تصویر کو توڑ دیا گیا تو پھر آپ داخل ہوئے۔④

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا ندخل وليمة فيها طبل ولا معزاف" ⑤

''ہم اس ولیمے میں شریک نہیں ہوتے جس میں ڈھول تماشے یا گانے بجانے کے کوئی اور

---

① سنن ابن ماجه، مسند ابی یعلی ، بحواله "آداب الزفاف" للالبانی ، ص: 77

② سنن ابن ماجه،مسند ابی یعلی ، بحواله "آداب الزفاف" للالبانی ، ص: 77

③ سنن بیهقی 268/7 بسند صحیح ، بحواله : آداب الزفاف ، ص : 80

④ سنن بیهقی بسند صحیح ، آداب الزفاف ، ص:81

⑤ آداب الزفاف ، للالبانی رحمه الله ، ص: 81

آلات ہوں۔''

دعوت کھلانے والے کے لیے دعا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر صحابہ کرام کے ہاں کچھ کھایا پیا تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی، اس سلسلے میں آپ سے تین دعائیں منقول ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں صاحب خانہ کے لیے فرمائیں۔

1 " اللهُمَّ، بَارِكْ لَهُمْ فِي مَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ"۔ [1]

''اے اللہ! ان کو جو کچھ تو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔''

2 "اللهُمَّ، أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَأَسْقِ مَنْ سَقَانِي۔"[2]

''اے اللہ! جنہوں نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔''

3 "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ". [3]

ترجمہ: ''روزے دار تمہارے پاس روزے کھولتے رہیں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے تمہارے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔''

دولہا کے لیے خصوصی دعا

دولہا کے لیے خاص طور پر ان الفاظ میں دعا دی جائے۔

"بَارَكَ اللَّهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ"[1]

''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔''

---

[1] صحیح مسلم : كتاب الاشربه ،باب استحباب وضع النوىٰ...... ، سنن ابو داؤد ، كتاب الاشربه، باب فى النفخ

[2] صحیح مسلم : كتاب الاشربه،باب اكرام الضيف

[3] سنن ابو داؤد : كتاب الاطعمه ، باب ما جاء فى الدعاء لرب الطعام إذا أكل عنده

ولیمہ کب کیا جائے؟

سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں کے ساتھ نکاح کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلوت فرمائی تو احادیث میں صراحت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دن آپ نے ولیمہ کی دعوت کی۔ اس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ولیمہ نکاح سے پہلے نہیں بلکہ نکاح کے بعد ہونا چاہیے۔ البتہ شب باشی کے بعد دوسرے روز ہی ضروری نہیں بلکہ دو تین دن کے وقفے کے بعد بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں ولیمے سے قبل خلوت صحیحہ بھی ضروری ہے یا نہیں یا اس کے بغیر بھی ولیمہ جائز ہے؟ بعض لوگ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم بستری سے پہلے ولیمہ جائز نہیں ہے، لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بعض دفعہ پہلی رات کو جب خلوت میں میاں بیوی کی ملاقات ہوتی ہے تو عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں بوس و کنار سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا نیز کسی اور وجہ سے بھی بعض دفعہ ہم بستری نہیں ہو پاتی۔ اس لیے ولیمے کی صحت کے لیے ہم بستری کو لازم خیال کرنا صحیح نہیں ہے، مخصوص قسم کے حالات میں اس کے بغیر بھی ولیمہ صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم

شادی کی چند ناجائز رسومات

انگریزی زبان میں شادی کارڈ

شادی بیاہ کی رسومات یا از خود پیدا کردہ ضروریات میں سے ایک رسم یا ایک ضرورت ''شادی کارڈ'' بھی ہے جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی (اور مہندی وغیرہ) میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت ایک پوسٹ کارڈ یا زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی اب یہ شادی کارڈ بھی شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ ہجوم جمع کرنے ہی کا جذبہ ہے اگر نکاح کی تقریب اور ولیمے کی دعوت مختصر ہو، خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں ہے، اس لیے شادی کارڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ اس لیے اصل ضرورت شادی بیاہ کی تقریبات کا حجم (سائز) مختصر کرنے کی ہے، اگر لوگ اس کو اختیار کر لیں تو بہت سی قباحتوں کے ساتھ شادی کارڈ سے بھی بچنا ممکن ہے بصورت دیگر کم از کم اس میں فضول خرچی سے تو ضرور اجتناب کیا جائے یعنی شادی کارڈ مختصر اور سادہ چھپوائے جائیں، انہیں زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے اس طرح کے گراں قیمت شادی کارڈ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

ایک اور بے ہودگی شادی کارڈ میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قومی زبان اردو کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں، یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے حالانکہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض وعداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا اور اپنی گھریلو قسم کی معاشرتی تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں تو یہ اپنے دشمنوں سے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے، محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے

پامال نہیں کر رہے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ انگریزی زبان بین الاقوامی اور سائنس وٹیکنالوجی کی زبان ہے، اس لیے اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں، ٹھیک ہے اس وقت بدقسمتی اور ہم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یا دیگر دنیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے اور اس سے محبت رکھنا اور چیز ہے۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے، **"الضرورات تبیح المحظورات"** (ضرورتیں ناجائز کاموں کو بھی جائز کر دیتی ہیں) فقہی اصول ہے۔ اس لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے، سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کو ناجائز نہیں کہتا لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا، اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا اور اپنی قومی زبان پر اسے ترجیح دینا اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ قومی غیرت کے بھی خلاف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے، جو پاکستانی ایسا کرتا ہے، وہ قومی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا والہانہ اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قومی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الٰہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ اعاذنا اللہ منہ

یہ مسئلہ شرعی لحاظ سے۔ ''عقیدہ الولاء والبراء'' کے تحت۔ جتنا اہم ہے، افسوس ہے کہ علماء کے طبقے میں بھی اس کا احساس نہیں ہے، اس لیے وہ بھی انگریزی کارڈوں پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ **فإنا لله وإنا إليه راجعون**

رات کو شادیوں کا انعقاد

ایک اور نہایت قبیح رواج، جو دیگر رسومات کی طرح بہت عام ہو گیا ہے، شادی کی تقریب رات کو کرنا ہے اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قمقمے اور چراغاں جو بہار دیتا ہے، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔ اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پٹاخوں کے نہایت خوف ناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل

محلہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔ دن کے شور وشغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام وراحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جا چکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلہ کے آرام وسکون کو برباد نہ کرلیں، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہوسکتی یعنی ہمیں دوسروں کے سکون وآرام کو برباد کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے، ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے بارات واپس آتی ہے تو آتشیں پٹاخوں کے دھماکے سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کردی جاتی ہیں۔

سالہا سال سے اخلاقی پستی کے یہ مظاہر ہم دیکھتے آرہے ہیں، البتہ اب ایک دو سالوں سے (2011-2012) حکومت پنجاب نے شادی ہالوں کے لیے رات کے ۱۰ بجے تک بند کرنے کی پابندی عائد کررکھی ہے جس کے نتیجے میں اصلاح کے کچھ آثار نظر آرہے ہیں اور باراتوں اور ولیموں سے لوگ ۱۱ بجے تک فارغ ہوجاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے جو صورت حال تھی وہ ہمارے اخلاقی زوال کی نوحہ کناں تھی۔

علاوہ ازیں رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا تھا وہ بھی ہماری اس قوم کی بےفکری، بےشعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا تھا۔ کارڈوں پر ۸ یا ۹ بجے کا وقت لکھا ہوتا تھا لیکن نکاح یا ولیمے کی تقریب کا آغاز رات کے ۱۲ بجے یا ایک بجے سے پہلے نہ ہوتا۔ ذرا سوچئے! یہ رواج یا عادت یا رسم اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوف ناک بے اعتنائی؟ ذرا تصور کیجیے! ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ضیاع وقت کا جو دعوت نامے کے مطابق وقت پر تشریف لے آتے ہیں لیکن انہیں ان لوگوں کے انتظار میں جو تین یا چار گھنٹے تاخیر سے آتے ہیں، ۳ یا ۴ گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جاتا ہے۔

حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کا ضیاع اور "الانتظار اشد من الموت" کے کرب وقلق کی صورت میں، وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی، ان سب پر مستزاد یہ کہ رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بھی ناممکن سا

ہے، گویا نماز فجر بھی جاتی۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو جو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری وغیرہ نہیں ہوتی۔ نیز رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بہرحال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے راتوں کی ان تقریبات کا انعقاد غیر صحیح ہے، کم از کم دین دار حضرات کو اس قبیح رواج و رسم سے سختی سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ کو رات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا ناپسند تھا۔[1]

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو شادی کی تقریبات کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ رات سے مراد عشاء کے بعد ہے، ورنہ عشاء سے پہلے اس کا جواز ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

رات کے وقت شادی کا صحیح طریقہ

چراغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے، اگر نکاح، خاطر تواضع اور رخصتی کی ساری کارروائی، وقت کی پابندی کرتے ہوئے، مغرب کے فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے تو پھر چوں کہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوں گی اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔

لیکن ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے جب دونوں خاندانوں کے دلوں میں ایک تو نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل کی اہمیت ہو، اتباع سنت کا سچا جذبہ ہو۔ دوسرے وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور مقررہ وقت کے اندر ساری کارروائی کرنے کا عزم راسخ ہو۔ مہمانوں کے وقت پر نہ آنے کی پروانہ کی جائے بلکہ جو لوگ وقت پر آجائیں چاہے وہ بالکل تھوڑے ہی ہوں، ان کی موجودگی میں نکاح یا ولیمے کا آغاز کر دیا جائے اور تاخیر سے آنے والوں کی مہمان نوازی سے معذرت کر لی جائے۔

جب تک لومۃ لائم کے خوف کے بغیر اس جرأت و ہمت کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا، وقت کے ضیاع کو روکنا بھی ممکن نہیں ہے اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی بھی نہایت مشکل ہے۔

---

[1] صحیح البخاری : کتاب المواقیت، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء

حکومت پنجاب کا ایک اصلاحی اقدام مگر؟

اب اگر چہ کچھ عرصے سے پنجاب حکومت کی طرف سے شادی ہالوں کے لیے رات کے دس بجے تک کا وقت مقرر کردیا گیا ہے جس پر بہت حد تک عمل ہورہا ہے اس سے بہت سی قباحتوں کا تدارک اور وقت کا ضیاع بھی کم ہوا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک تو اس کو پورے ملک میں نافذ کیا جائے اس وقت یہ پابندی صرف پنجاب میں ہے۔ دوسرے اس قانون کو قانون سازی کے ذریعے سے مستقل کیا جائے فی الحال یہ پابندی عارضی ہے، اس میں مہینہ وار توسیع کی جارہی ہے کیونکہ ہماری قوم میں بگاڑ جس طرح عام ہوگیا ہے اور خدا خوفی کا فقدان اور دین سے بے اعتنائی فزوں تر ہے اس سے یہ شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کا یہ مفید اقدام پتہ نہیں کب ختم ہوجائے اور قوم پھر اسی بے اعتدالی کا شکار ہوجائے جس میں وہ نہ صرف یہ کہ سالہا سال سے مبتلا چلی آرہی ہے بلکہ وہ اس کی رگ وپے میں سرایت کرگئی ہے جیسے اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں نواز شریف کے جاری کردہ شادی آرڈیننس کا کچھ عرصے بعد حشر ہوا کہ وہ نہایت مفید ہوتے ہوئے عوام وخواص نے اسے اپنانے سے گریز کیا، غریبوں نے اگر چہ اس پر سکھ کا سانس لیا تھا اور اسے سراہا تھا، لیکن قومی مزاج کے عمومی بگاڑ بالخصوص دین سے دور نو دولتیوں کے طرز عمل کی وجہ سے، وہ تنقید کا نشانہ بنارہا بالآخر اسے ختم کرنا پڑا۔

نواز شریف کا جاری کردہ وہ مذکورہ آرڈیننس کیا تھا؟ اس کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے اس کا جواز تھا اس امید پر کہ شاید دوبارہ اللہ تعالیٰ کسی حکمران کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور ون ڈش (قانون) کے بجائے اس کو نافذ کردے، کیونکہ ون ڈش کا قانون بھی اگر چہ اسراف (فضول خرچی) سے بچانے ہی کے لیے نافذ کیا گیا ہے لیکن عملاً اس سے اسراف کی کوئی خاص حوصلہ شکنی نہیں ہوئی ہے۔ اصحاب حیثیت اس پر خوش دلی سے عمل نہیں کرتے اور ون ڈش کے قانون کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی ڈشوں کا اہتمام عام ہے۔ اس لیے اصل ضرورت اسی آرڈیننس کے نفاذ کی ہے جس کے نفاذ سے واقعی اسراف کا سدباب ہوا تھا اور کم وسائل کے حامل افراد نے اطمینان وسکون محسوس کیا تھا۔

مذکورہ آرڈیننس کی دفعات کا خلاصہ

دفعہ:۴(۱)

کسی شخص کو اپنی یا کسی اور کی شادی کی تقریب میں، جو ہوٹلوں، ریسٹورنٹوں، شادی ہال یا کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہو رہی ہو، شرکت کرنے والوں کے لیے صرف مشروبات کے علاوہ کھانا پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دفعہ:۵

وہ شخص جو ہوٹل، ریسٹورنٹ، شادی ہال، کمیونٹی سنٹر کا مالک یا مینیجر ہو، انہیں شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانا، طعام وغیرہ پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی مہمانوں کی تواضع مشروبات سے کی جائے گی۔

دفعہ:٦

جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ قابل سزا مجرم ہوگا انہیں ایک ماہ کی قید محض یا جرمانے کی سزا دی جائے گی جو کہ ایک لاکھ سے کم اور پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگا اس آرڈیننس کے تحت یہ جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہوں گے۔

ضروری وضاحت

اس آرڈیننس کو سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا۔ شرعی عدالت نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق علمائے کرام اور اپنے فقہی مشیران سے اس کی بابت رائے طلب کی، لیکن قبل اس کے کہ شرعی عدالت علماء کی آراء کی روشنی میں اس پر بحث کرتی اور شرعی فیصلہ کرتی سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور یہ کالعدم ہو گیا۔ راقم نے اس آرڈی ننس کی حمایت میں شرعی عدالت میں پیش کرنے کے لیے ایک بیان مرتب کیا تھا، عدالتی فیصلے کی وجہ سے اسے پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آیا۔

نکاح کی الگ مستقل تقریب، اگر ناگزیر ہوتو....

ایک اور سلسلہ عام ہوتا جارہا ہے کہ کسی وجہ سے اگرلڑکے یا لڑکی والے کچھ عرصہ کے لیے رخصتی لینا یا کرنا پسند نہیں کرتے تو رشتہ مضبوط کرنے یا باہر لے جانے کے لیے کاغذات کی تیاری کی غرض سے ، بھاری بھرکم بارات سے پہلے، ایک مختصر تقریب میں صرف نکاح کی کارروائی پوری کرلی جاتی ہے۔

مذکورہ وجوہ سے اگر واقعی ایسا کرنا ضروری ہوتو ایسا کیا جاسکتا ہے لیکن شرعاً اس کا جواز اسی صورت میں ہوگا جب اس میں فضول خرچی کا پہلو نہ ہو اور ایسا کب ہوگا؟ تب جب کہ اس تقریب میں گھر کے صرف چند ضروری افراد ہی لڑکی والوں کے گھر آئیں اور ایک کمرے میں بیٹھ کر نکاح کرلیا جائے اور بلا تکلف ماحضر تناول کر کے چلے جائیں، اس میں نہ ہجوم ہو کہ اس کے لیے لڑکے والے بھی ٹرانسپورٹ کا خصوصی انتظام کریں اور لڑکی والے بھی۔ بارات سے پہلے .... باراتیوں (لڑکے والوں) کے لیے پر تکلف کھانوں اور ہالوں کا انتظام کریں۔ یہ ایسا سادہ طریقہ ہے کہ دونوں خاندانوں پر کوئی خاص مالی بوجھ نہیں پڑتا اور دونوں فضول خرچی سے محفوظ رہتے ہیں جو کہ شرعاً پسندیدہ امر ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے لیے بھی باقاعدہ ہال اور پر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں کے افراد کافی معقول تعداد میں شریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک سادہ سی گھریلو تقریب بھی ایک پر ہجوم تقریب بن جاتی ہے۔ یہ طریقہ چونکہ غیر ضروری ہے اس لیے یہ شرعاً فضول خرچی کے دائرے میں آئے گا جن کے مرتکبین کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کا بھائی کہا ہے۔

بنابریں صرف نکاح کے لیے بارات سے پہلے نکاح کی الگ تقریب سے اجتناب کیا جائے اور اگر ناگزیر ہوتو گھر میں اس کا اہتمام ہو اور صرف گھر کے چند ضروری افراد کی موجودگی ہی کو کافی سمجھا جائے۔

سلامی یا نیوتہ

بارات کی روانگی سے قبل دولہا میاں تیار ہو کر گھر میں بیٹھ جاتے ہیں اور بارات میں شریک ہونے والے اہل خاندان دولہا کو سلامی دیتے ہیں، اسے نیوتہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقد رقم ہوتی ہے جو سلامی کے نام پر دی جاتی ہے اور اسے باقاعدہ لکھ کر رکھا جاتا ہے۔ زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو ایک شخص اس رقم کو دینے والے کے نام کے ساتھ لکھتا جاتا ہے۔ جو دوست احباب اس موقع پر نہیں ہوتے تو وہ ولیمے کی دعوت

میں دولہا یا اس کے والد کو دے دیتے ہیں۔

یہ رواج بھی اتنا عام ہے کہ شریک ہونے والے خاندان کا ہر بڑا فرد اور احباب میں سے ہر شخص اس سلامی یا نیوتے کے بغیر شرکت میں سبکی محسوس کرتا ہے اور اسے خواہی نخواہی کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہی پڑتا ہے، علاوہ ازیں نہ دینے پر گو زبان سے اظہار نہ ہو دل میں خفگی ضرور محسوس کی جاتی ہے۔

یہ ہدیہ، تحفہ یا تعاون نہیں ہوتا بلکہ اس کو قرض سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی جتنی رقم دی جاتی ہے، دینے والے کے ہاں جب شادی کی تقریب ہوتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اب لینے والا میری دی ہوئی رقم مع اضافہ لوٹائے اور رواج بھی یہی ہے کہ واپسی کے وقت اضافہ کر کے ہی دی جاتی ہے۔

اس رسم کا جب کبھی آغاز ہوا ہوگا، اس وقت یقینا جذبہ تعاون کے تحت ہی ہوا ہوگا، لیکن اب یہ تعاون کے بجائے متعدد قباحتوں کا باعث ہے۔ مثلاً

تعاون کی ضرورت ہے یا نہیں، اب صرف رسم کے طور پر اس کو کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی خاندانوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس تعاون کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

واپسی پر زیادہ دینا اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے، اس طرح یہ ایک قرض کی صورت بن جاتی ہے اور قرض پر زیادہ لینا ہی سود ہے۔ اس اعتبار سے یہ باہم تبادلہ سودی طریقہ ہے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم ہے لیکن شادی (بارات یا ولیمہ) کی دعوت ایک خالص دعوت نہیں رہتی کیونکہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جب کہ دعوت بے لوث ہوتی ہے اور اسے ہی قبول کرنے کی تاکید ہے، اس اعتبار سے یہ بارات یا ولیمے کی دعوت بھی، اسلامی دعوت نہیں ہے بلکہ یہ خودغرضی کا یا باری اتارنے یا وصول کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو شادی بیاہ کی زیر بحث رسومات ہی کا ایک حصہ ہے۔

بنابریں ضروری ہے کہ دین کا صحیح شعور رکھنے والے سلامی یا نیوتے کی اس رسم کا بھی خاتمہ کریں، اس کا بھی کوئی شرعی جواز نہیں ہے البتہ کوئی رشتہ دار غریب ہے اور اسے تعاون کی ضرورت ہے تو اس کے ساتھ ضرور تعاون کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

1. آپ اگر صاحب حیثیت ہیں تو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تعاون کر دیں نیز سادگی کے ساتھ شادی کرنے کی تلقین کریں۔

2 قرض حسنہ کے طور پر حسب ضرورت تعاون کر دیا جائے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے، والدین کے ہاں تو اس کو بھرپور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگر کا ٹکڑا تھی ، اولاد نافرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

لیکن ایک نئے گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداءً اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں اور ماحول بھی نامانوس۔اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت وذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا اس کے برعکس غیریت کا تأثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوشگوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے بقیہ ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگواری میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجیرن بنالیتی ہے اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے۔

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

1 والدین کی ذمے داری

اس میں اوّلین ذمے داری عورت کے والدین کی ہے، وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں۔

1 دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام، احکام شرعیہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین۔

2 خانگی امور کی تربیت، اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔

3 ساس سُسر کے احترام کی تلقین، نندوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک، خاوند کی اطاعت وخدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔

4 بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناخوش گواریاں برداشت کی جائیں، صبر وتحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روزمرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوگی۔

ہاں اگر واقعی سسرال والوں کا رویہ نئی دلہن کے ساتھ اچھا نہیں ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے، عدل وانصاف کے بجائے ظلم وستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے تو پھر اس انہونی صورت حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کا حل نکال سکیں تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور نہ سسرال میں رہنے کا کوئی قرینہ وسلیقہ۔

5 بعض مائیں پیشگی ہی اپنی بچی کو اس طرح کی پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمانے کی کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کو نئے گھر میں حکمت ودانش، پیار محبت اور تواضع وانکساری کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقعے کو وہ ضائع کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا سرکشی کی سی صورت پیدا کر دیتی ہے اور یوں بنا بنایا کھیل سب بگڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے ٹالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر وحکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انھی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ

عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ "(حم السجده: 34)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دور کرو (ایسا کروگےتو) پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوجائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا"[1]

''اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت (رحم) نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا۔''

(2) مرد کے لیے حکمت ودانش کی ضرورت

دوسرے نمبر پر خاوند کا کردار ہے جب نئی نویلی دلہن ایسے گھر میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھابیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہوجاتا ہے۔اس طرح کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس،نندوں وغیرہ) کے ساتھ ٹکراؤ کا خطرہ ہر وقت، سر پر لٹکی تلوار کی طرح رہتا ہے، کسی وقت ساس بہو کے درمیان تکرار ہوجاتی ہے تو کبھی نندوں کے ساتھ نوک جھونک یا بھابیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت ونوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ناز ونعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور ان کے دلوں کا ٹکڑا رہی ہے، اس نئے گھر میں اس کو ماں باپ کی محبت وشفقت کا بدل بلکہ نعم البدل ملنا چاہیے۔(شریعت کا حکم بھی یہی ہے)۔

اس مرد (خاوند) کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی کرکے) پوری کی ہے۔بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ اس کی طرف سے ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب

[1] جامع الترمذی، کتاب البروالصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان

واحترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

گھر میں باپ ہے، جس نے دکھ دیکھا نہ سکھ، ہر حالت میں شب و روز محنت کر کے دولہا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک ، اس نے وسائل مہیا کیے، آخر میں شادی کا بندوبست کیا، کیا اب دولہا میاں کو یہ زیب دے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب واحترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

دولہا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں ، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

چکی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے ان پاٹوں کی زد میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت و دانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعت اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں حسب مراتب مخلص ہوگا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ رُو رہے گا اور اس پل صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

3 ساس کا کردار

تیسرے نمبر پر دولہا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا روایتی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوتیں عام ہیں۔

ساس حسب ذیل تجاویز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

1. مذکورہ آیت وحدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے ٹالے، نفرت کے بجائے محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت ونرمی کو معمول بنائے۔
2. بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کر دلہن کو گھر میں لا کر رکھا ہے اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کرلے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔
3. بہو کی خوبیوں کو سراہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہوسکتی ہیں ،

اسے سمجھا کر دور کرنے کی مخلصانہ اور ہمدردانہ کوششیں کی جائیں، بار بار سمجھانے میں بھی گرانی محسوس نہ کرے، اس کی ناسمجھی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔

4. بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اُسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح بار بار کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا جاتا ہے بہو کی غلطیوں کی بھی یہی حیثیت دی جائے۔

5. اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی اس کوتاہی کو بتدریج دور کیا جائے۔ طعن وتشنیع کے بجائے اس کو نو آموز سمجھ کر خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔

6. بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں، شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

4 بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کا حسن تدبیر ہے اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن وسکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

1. چھوٹوں (نندوں وغیرہ) پر شفقت اور بڑوں (ساس، سسر وغیرہ) کے ادب واحترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔

2. امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو،

مہمانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز واقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سسر کی خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمے داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں ہے۔ خدمت سے گریز کرکے کوئی عورت نہ عزت حاصل کرسکتی ہے اور نہ گھر والوں کے لیے آرام وراحت کا باعث ہوسکتی ہے۔ عورت سلیقہ مند بھی تب ہی کہلائی اور سمجھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن وخوبی سے انجام دے گی ورنہ وہ پھوہڑ عورت کہلائی اور سمجھی جائے گی اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز ومحترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھوہڑ عورت۔

3 عورت نئے گھر میں آکر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے گھر کو بھول جانے کا مطلب ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے وہ تو ایک لازوال فطری تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلایا یا دل سے نکالا جاسکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور قائم رکھنا ہے، پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔

لیکن اس جذبے کو رُوبہ عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔

اول

یہ کہ اس گھر کے عسر ویسر کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتی کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں اگر ساس بہو، یا بھاوج نندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی اہمیت ہے کہ ماں باپ کے علم میں لانا ضروری ہو، بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آباد کاری کے منافی ہے۔

دوم

یہ کہ عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے آپ کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے، ماں باپ کے گھر میں وہ جو کام کرتی تھی وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تأمل یا گریز نہ کرے بشرطیکہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں حاصل تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعائیں کرے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری رکھے، اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے۔

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾[الإنشراح:5-6]

''بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرماتا اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔

سوم

یہ کہ اگر اس کو خاوند ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے۔ اب اس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کر لے اور صبر و شکر سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[البقرة: 216]

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو (کیونکہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

ایک نہایت دلچسپ حکایت:

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین وجمیل تھی لیکن خاوند اسے اتنا ہی بدشکل اور بدصورت ملا کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوبصورت ہے اور تیرا خاوند اتنا بدصورت؟ تیرا گزارا اس کے ساتھ کس طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین وجمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بدصورت خاوند ملا تو میں نے اس پر صبر کیا اور صابر وشاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے ہمیں امید ہے کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، گزر ہی جائے گی لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے اتنی ہی حکمت وموعظت سے لبریز ہے، کاش عورتیں احساس محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرز جان بنالیں۔

چہارم

اگر مشترکہ گھر میں جیٹھ اور دیور اور ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب واحترام والے اس سبق کو یاد رکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اکٹھے رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریاں ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں، بعض دفعہ عورتوں میں باہم کسی بات پر تکرار ہوسکتی ہے۔ بھائیوں کے درمیان اختلافات ہوسکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا اور نادانی اور ناسمجھی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپنے میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بھولے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو ناسمجھ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے یہی رویہ سارے بھائیوں کے

چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنانا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس کی باہمی معصومانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کو اپنانے میں بڑوں کے ادب واحترام اور خوش اخلاقی وخوش زبانی کا بھی بڑا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں سے بھی کبھی غفلت نہ برتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت وکردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بنائے، یہ اللہ اور رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت ودانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔

"وَفَّقَ اللّٰهُ جَمِيعَ المُسلِمِينَ وَالمُسلِمَاتِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرضَى"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مرد وخواتین کو ہر اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا کا سبب ہو۔

پنجم

اگر خاوند کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاوند کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادے۔

ہاں اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے (کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کرسکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسب ضرورت اور حسب استطاعت خدمت کرسکتا ہے، تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے ایسی صورت حال میں والدین کو بھی بیٹے کو برضا ورغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دینی چاہیے۔

ششم

بڑوں کے ادب واحترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سسر (دولہا کے ماں باپ) سرفہرست ہیں۔ سسرال میں آنے کے بعد عورت (دلہن) کے لیے یہ بھی اس کے لیے ماں باپ کے

درجے میں ہیں اب اس گھر میں جس طرح یہ دولہا کے ماں باپ ہیں دلہن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دلہن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار اسے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے اَمی، اَبّو نہ کہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام (پروٹوکول) دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روانہ رکھے، ساس اس کو امورِ خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عملاً کوئی کوتاہی نہ کرے، ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہو ان ہدایات کی نہ پرواہی کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ ہی تبدیل کرتی ہے حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روزمرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان ہدایات کی پابندی اور سنجیدگی سے ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھر والوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھر والوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہے جو کسی سمجھدار بہو سے متوقع نہیں ہے، علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے، ساس، جو بمنزلہ ماں ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی، اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتاً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہمیت دے، آخر اب دلہن نے اسی گھر میں رہنا ہے تو پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر رکھنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ ساس کا قرار واقعی احترام کر کے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے، یہی عزت و وقار کا باعث اور امن وسکون کی خوشگوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے اور اس کی رضا مندی، احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔

میاں بیوی کی رنجش میں میکے والوں کا کردار

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا تمہارے عم زاد کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، فَغَاضَبَنِي، فَخَرَجَ، فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي "[1]

''میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہوگئی تھی تو وہ گھر سے غصے میں چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص سے کہا ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں؟

اس نے آکر بتلایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَاب" [2]

''ابوتراب اٹھو! ابوتراب اٹھو!۔''

اس وقت سے ان کی یہ کنیت مشہور ہوگئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ کو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔

ابوتراب کے معنی ہیں مٹی والے۔ چونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ فرشِ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ابوتراب سے خطاب فرمایا۔

اس واقعے میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہوجائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہوجائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آؤ، یا بچی از

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الصلوة، باب نوم الرجال فی المسجد

[2] صحیح البخاری: الصلاة، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث: 441

خود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ہمارے یہاں ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جسارت کرتی ہیں کہ از خود اپنے میکے آجاتی ہیں۔ ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت نادانشی پر مبنی ہے اور اس قسم کا فیصلہ جلد بازی کا مظاہرہ ہے، نہ یہ بے دانشی صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے، محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے، اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے اگر وہ خود آجائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے۔ سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو اُجاڑنا۔

شریعت اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے، طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ [الطلاق:1]

ترجمہ: ’’(طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے)۔‘‘



سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق وائس چانسلر، بہاولپور یونیورسٹی

اسلام اور آدابِ معاشرت

دین محض نماز روزے کا نام نہیں۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو زیادہ تسبیح پھیرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، وہ زیادہ دیندار ہے۔ بعض لوگ اللہ کے حقوق کے علاوہ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، جنہیں یہ فہم حاصل ہو کہ آدابِ معاشرت (Manners) کو دین میں ایک مقام حاصل ہے۔ آدھا دین تو تہذیب وشائستگی سے عبارت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"علمنی ربی فاحسن تعلیمی و ادبنی ربی فاحسن تادیبی"[1]

ترجمہ: ''میرے رب نے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم عطا کیا، میرے رب نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی۔''

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے علاوہ تہذیب وشائستگی کا ذکر جدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب وشائستگی کو اسلام میں ایک مستقل مقام حاصل ہے۔

عزیزو! یہ بات یاد رکھیے کہ محض کتابیں رٹنے سے آپ کرمِ کتابی تو بن سکتے ہیں لیکن آپ کی

[1] القوائد العلیلة فی مسلسلات ابن عقیلة،

شخصیت ادھوری اور آپ کا دین بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ بقولِ مولانا آزاد رحمہ اللہ ''ادھوری سچائیاں ہمیشہ خطرناک ہوتی ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا، جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے، ایک گواہ کے بارے میں تو انہیں علم تھا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے، لیکن دوسرے گواہ کی ثقاہت کا انہیں معلوم نہیں تھا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا: تم میں سے کوئی شخص گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص قابلِ اعتماد ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ثقہ آدمی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ قابلِ اعتماد ہے'' پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"هل جاورته ام صحبت معه فى السفر الذى يسفر عن الحقيقة ام عقدت معه عقداً"

''کیا تو اس کے پڑوس میں رہا ہے؟ یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ جو انسان کی قلعی کھول دیتا ہے یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کیا ہے؟'' اس نے کہا ''ان میں سے تو کوئی بات نہیں''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لعلک رايته خارجاً من المسجد بعد الصلوٰة فانت لاتعرفه"

''شاید تم نے اسے نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے دیکھا ہے۔ تم تو اسے نہیں جانتے ہو''

کتاب اللہ اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آدابِ معاشرت کی تمام تفصیلات شرح و بسط سے موجود ہیں۔ آیئے ہم اس کا ایک مختصر جائزہ لیں۔

مسکرانا نیکی ہے

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''تبسمک فی وجه اخيک صدقة''[1]

''اپنے بھائی سے ملتے ہوئے مسکرانا بھی نیکی ہے۔''

اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ اسے ایک غیر فطری اور غیر طبعی بات قرار دیتا ہے کہ اس زندہ اور حسین کائنات میں جہاں چہچہاتے ہوئے پرندے، لہلہاتے ہوئے پودے، سرسبز و شاداب وادیاں اور اُبلتے ہوئے چشمے ہیں، ہم ایک روکھا، پھیکا اور بجھا ہوا چہرہ لے کر پھریں۔ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

[1] ترمذی: كتاب البر والصلة، باب ماجاء فى صنائع المعروف

''مارأیت اکثر تبسما من رسول اللہ ﷺ''[1]
''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مسکراتا ہوا چہرہ نہیں دیکھا۔''

شکریہ ادا کرنا

یہ جو ہم لوگ بات بات پر شکریہ ادا کرنے کے عادی ہیں، تو یہ خالص اسلامی بات ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ''[2]
یعنی جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔

اسلام نے آدابِ معاشرت کے جو خطوط متعین کیے ہیں، ان کا مقصد دوسروں کو راحت پہنچانا ہے۔اور معاشرے میں خوشگواری پیدا کرنا ہے۔اسی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''اَفْشُوا السَّلَامُ'' سلام پھیلاؤ[3]
ایک دوسرے کو سلام کرنے میں بخل نہ کرو۔قرآن مجید میں ہے
﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾
''جب تمہیں سلام کیا جائے، تو تم اس سے زیادہ گرم جوشی تپاک سے جواب دو یا کم ازکم اتنا توضرور لوٹا دو''۔(النساء86)

میں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم انہیں سلام کرے تو فیلٹ کے ساتھ گردن کو ذرا سا جھٹکا دیتے ہیں اور ہونٹوں کو جنبش دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کا یہ عمل غیر اسلامی ہے اور ہرگز لائقِ تحسین نہیں۔یہ سب (Complexes) کی باتیں ہیں۔میں نے ایک بار امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی کتاب مفردات میں سلام کا معنیٰ دیکھا اس میں لکھا ہے:

---

[1] ترمذی:کتاب المناقب، باب فی بشاشۃ النبی ﷺ

[2] ترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن الیک

[3] مسلم: کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ، ترمذی: کتاب الأطعمۃ، باب ماجاء فی فضل اطعام ...

''السلام التعری من الآفات الظاهرة والباطنة''
یعنی ''ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہنا۔''

پس جب ہم کسی کو السلام علیکم کہتے ہیں، تو اسکا معنیٰ ہوتا ہے کہ جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر عافیت میں رہو۔ میں جذبات سے ہٹ کر خالص لغوی اور معنوی اعتبار سے کہتا ہوں کہ دنیا کی کسی قوم کے آداب بجالانے کا طریقہ مسلمانوں کے سلام کا لگّا نہیں کھاتا۔ جو السلام علیکم کے مفہوم میں وسعت اور جامعیت ہے وہ (Good Morning) یا (Good Evening) میں کہاں؟

مصافحہ

اسلام نے محبت کے اظہار کے لئے سلام کے علاوہ مصافحہ رکھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا''[1]

''اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہوئے اخوتِ دینی کی بنا پر مصافحہ کریں تو وہ جدا ہونے سے پہلے بخش دیے جاتے ہیں۔''

معانقہ

جب کوئی شخص مدّت کے بعد ملے یا لمبے سفر سے لوٹے، تو اس کے ساتھ اظہارِ محبت کے لئے معانقہ یعنی آپس میں گلے ملنا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور آپ ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے اس وقت کرتا اتارا ہوا تھا، آپ اسی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگالیا اور انہیں چوما۔ اسی طرح سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے اور آپ سے ملے تو حدیث میں آتا ہے:

''فالتزمهٗ و قبّل بین عینیه''[2]

---

[1] ابوداود: کتاب الأدب، باب فی المصافحة، ترمذی: کتاب الاستئذان باب ماجاء فی المصافحة
[2] ابو داود: کتاب الأدب، باب فی قبلة ما بین العینین، (شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے چمٹ گئے اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا''

اسلام میں پرائیویسی کا تصور

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی کے کمرے میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○﴾[النور27]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔''

انسان کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کی نگاہ اس پر پڑے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صرف اجازت لینے ہی کی تلقین نہیں کی بلکہ اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کے ہاں جاؤ، تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوا کرو۔ دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازے پر کھڑے ہونے کے آداب بھی صحت متعین فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے مستقل باب باندھا:

''بابٌ كيف يقوم عند الباب'' یعنی انسان دروازے پر کس طرح کھڑا ہو؟

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک میں سے اندر جھانکا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کنگھے سے اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انما جعل الإستئذان من اجل البصر'' [1]

''اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لئے دیا ہے کہ اندر نگاہ نہ پڑے''

یعنی جب تم اندر دیکھ رہے ہو تو اس سے میری پرائیویسی میں تم نے خلل ڈال دیا ہے، اب

[1] بخاری: كتاب الاستئذان باب الاستئذان من اجل البصر

اجازت مانگنے کا کیا حاصل؟ پرائیویسی کا جو مفہوم آپ ﷺ نے متعین کیا تھا، اس دور کی متمدّن قومیں اس میں رَتی بھر اضافہ نہیں کرسکیں۔ ابوداؤد میں ہے:

"كان رسول الله ﷺ اذا اتى باب قومٍ لم يستقبل الباب من تلقاءِ وجهه ولكن من الأيمن او الأيسر"[1]

''جب رسول اللہ ﷺ کسی کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے۔''

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾[النور28]

ترجمہ:''اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے''

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی جنجال میں پھنسا ہوتا ہے یا بہت مضمحل ہوتا ہے یا اس پر کوئی ایسی افتاد پڑی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے سامنے آنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ جھوٹے بہانے کے بجائے معذرت کرنی چاہئے اور یہ حکم دیا کہ آنے والے کو بھی معذرت قبول کرنی چاہئے۔ اس آیت پر عمل کرنے والے لوگ عنقا ہوئے۔ آج کل کسی بڑے سے بڑے متشرع آدمی کو کہیے کہ دوسرے وقت ملنے آیئے، تو دیکھیے کیسے بھنّا تا ہے۔ قرآن مجید نے ہمیں تلقین کی کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی کے ہاں جانا مناسب نہیں حتیٰ کہ بچوں اور غلاموں کو بھی، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اجازت لینی چاہئے۔

﴿ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ﴾[النور58]

ترجمہ:''لازم ہے کہ وہ (دن میں) تین وقتوں میں اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین

---

[1] ابوداؤد: كتاب الأدب، باب كم مرة سلم الرجل في الاستئذان

اوقات تمہارے لئے پردہ کے وقت ہیں۔"

مکان کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینا

آپ کسی سے ملنے جایئے، تو اسے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے آوازیں دینا اسلامی نقطہ نگاہ سے ناشائستگی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [الحجرات 4]

ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہم احادیث اور مستند تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ ناخنوں سے آہستگی کے ساتھ کھٹکھٹاتے تھے۔[1]

آدابِ مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آدابِ مجلس کا بھی تعین اور توضیح فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مجلس میں جاؤ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرو، محدثین نے مستقل باب باندھا:

"باب : يجلس الرجل حيث انتهىٰ"

"آدمی کو وہیں بیٹھ جانا چاہئے جس جگہ مجلس ختم ہوتی ہو۔"

یہ جو آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ محفل سے کوئی عارضی طور پر اٹھ جائے، تو واپس آ کر وہی اس جگہ بیٹھنے کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ بات آج کل کی تہذیب کی پیداوار ہے۔

یہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اذا قام الرجل من مجلسه ثم رجع هو احق به"[2]

"جب کوئی آدمی مجلس سے اٹھ جائے، پھر لوٹے تو وہی اُس کا زیادہ حقدار ہے۔"

---

[1] مناهل الصفا للسيوطى:998، الشفاء للقاضى عياض:90/2

[2] ابوداؤد:كتاب الأدب، باب اذا قام الرجل من مجلس ثم رجع

اسلام نے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرنے کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔سورۂ مجادلہ میں ہے:

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[المجادلة:10]

ترجمہ:''بلاشبہ سرگوشی کرنا شیطان کا کام ہے تاکہ ان لوگوں کو غمزدہ بنادے جو ایمان لائے ہیں، حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اور ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔''

جب دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں تو دوسروں کو خیال آتا ہے کہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں، کم از کم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ ہمیں اس راز میں شریک کریں، چونکہ اہل مجلس کو اس سے خفت ہوتی ہے، اس لئے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔

آج کل کی مہذب اور متمدن قوموں کے افراد گفتگو دھیمی آواز میں کرتے ہیں اور چیخ چیخ کر بات کرنے کو ناشائستگی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ دھیمی آواز میں بات چیت کرنا نئی تہذیب کی پیداوار ہے۔قرآن مجید نے اندازِ گفتگو کا سلیقہ بھی ہمیں سکھایا ہے:

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾[لقمان19]

اور اپنی آواز پست کرو۔ بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھنے کے آداب بھی قرآن مجید نے سکھائے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْـهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَــهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ [الحجرات:2]

ترجمہ:''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی اس کے سامنے اس طرح اونچی آواز سے بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾[الحجرات:3]

ترجمہ:''جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے

دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔"

یہ سمجھنا صریحاً خام کاری ہے کہ قرآن مجید نے مجلس نبوی ﷺ میں جن آداب کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، ان کا تعلق صرف مجلسِ نبوی ﷺ ہی سے تھا۔ کیا مجلسِ نبوی ﷺ کے اُٹھ جانے کے بعد یہ آیتیں معطل ہوگئی ہیں اور ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی۔۔۔؟

بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہمیں مجلسِ نبوی ﷺ ہی سے سیکھنا ہیں اور بزرگوں کو اہلِ محفل سے برتاؤ کا ڈھنگ بھی بارگاہِ رسالت ﷺ ہی سے سیکھنا چاہیے۔ ہم شمائلِ ترمذی میں پڑھتے ہیں:

"آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصے سے نوازتے ہیں یعنی ہر ایک کی طرف جدا جدا التفات فرماتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہر ایک ہمنشیں یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کو کوئی عزیز نہیں۔ آپ ﷺ کشادہ رُو اور نرم خو تھے۔ سخت مزاج اور درشت گو نہ تھے، چلّا کر نہیں بولتے تھے، نہ کسی کے عیب نکالتے تھے، کسی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات آپ ﷺ کو ناگوار ہوتی، تو اس سے تغافل فرماتے یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے اور صراحتاً اس سے مایوسی بھی نہ فرماتے بلکہ خاموش ہوجاتے۔"

بے جا مداخلت نہ کیجئے

آپ ﷺ کا یہ ارشاد آدابِ معاشرت کا ایک زریں اصول ہے:

"من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه" [1]

آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر متعلق بات میں دخل نہ دے۔

دوسروں کے معاملات میں بے جا دخل دینے کی بیماری عورتوں میں نسبتاً زیادہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی اور گھریلو معاملات کرید کرید کر پوچھنے میں انہیں لذت آتی ہے۔ چھپی ہوئی باتوں کی ٹوہ لگاتی

[1] ترمذی: کتاب الزهد 2419، ابن ماجه كتاب الفتن، باب كف اللسان فی الفتنة

ہیں۔بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھوٹتے ہی پوچھتے ہیں کہ تمہاری آمدنی کتنی ہے؟ بعض لوگ فریقین کی خواہش اور اور آمادگی کے بغیر خود بخود ہی ثالث بن بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے جا دخل اندازی میں داخل ہیں اور اسلام انہیں مذموم قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ:

﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾[البقرہ:83]

لوگوں سے بھلی اور خوشگوار بات کہو،

اور مومنوں کا یہ وصف بھی بیان کرتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝﴾[المومنون:3]

اور جو بیہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔

بات ٹھہر ٹھہر کر کیجئے!

میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ جدید رجحان تو یہ ہے کہ بات کرتے وقت ہر لفظ بلکہ ہر حرف کا تلفظ صاف، واضح (Clearly) اور جدا جدا (Distinctly) کیا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ رجحان کیوں کر ہوا؟ اس کی تلقین تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ:

"کان کلام رسول اللہ ﷺ کلاما فصلا یفهمه کل من سمعه" [1]

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کرتے تو ہر لفظ جدا جدا بولتے۔تمام لوگ جو اسے سنتے وہ سمجھ جاتے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پہلو میں بیٹھ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنا شروع کی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

---

[1] ابوداؤد :کتاب الأدب، باب الهدی فی الکلام

کھانے پینے کے آداب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر آپ اکٹھے بیٹھ کر کھائیں، تو کسی شخص کو نہ چاہیئے کہ وہ دو دو چھوہارے اکٹھے کھائے جب تک اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے''

مجھے جلسوں اور کانفرنسوں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ چند علماء اس تہذیب اور شائستگی سے یکسر تہی دامن ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سکھائی تھی، بڑے بڑے مولویوں کو دیکھا ہے کہ دسترخوان پر بیٹھے ہوں اور ملازم ڈونگے میں سالن لائے تو تمام سالن اپنی قاب میں نہایت چابکدستی سے اُلٹ دیتے ہیں، دن دہاڑے سب ساتھیوں کے سامنے، علی الرغم اور سمجھتے ہیں کہ دین سے آداب کا کوئی تعلق نہیں ہے اور دین محض تسبیح آرائی ہی کا نام ہے، وہ نہیں سمجھتے کہ ان آداب کو نظر انداز کرنا صریحاً بے دینی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کل مما یلیک''[1] یعنی ''کھانے میں سے وہ کھاؤ جو تمہارے قریب ہے۔''

بعض لوگ دوسروں کے سامنے ہاتھ بڑھا کر جھپٹ لیتے ہیں۔ یہ نفس پر حرص وطمع کے غلبے کی دلیل ہے۔ بعض جاہل صوفیوں کو دیکھا کہ دسترخوان پر چند لقمے کھا کر پیچھے ہٹ بیٹھتے ہیں اور انہیں یہ زعم ہوتا ہے کہ یہ پارسائی کا تقاضا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب دسترخوان بچھا دیا جائے تو کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ دسترخوان اٹھانے سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہو اور نہ کسی کو اپنا ہاتھ کھینچنا چاہیئے اگر چہ وہ سیر ہو گیا ہو۔''

اور اس کی علت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتائی کہ

''فان الرجل یخجل جلیسه''[2]

یعنی ''اس بات سے اس کے ہمنشین کو خجالت ہوگی۔''

---

[1] بخاری: کتاب الأطعمة، باب الأكل مما يليه، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب

[2] ابن ماجه: كتاب الأطعمة، باب النهى ان يقام عن الطعام حتىٰ يرفع وان يكف يده...

اسے خیال ہوگا کہ شاید میں بسیار خوری کا ارتکاب کر رہا ہوں، وہ بھی اپنا ہاتھ سکیڑ لے گا اور ہوسکتا ہے کہ اسے کھانے کی حاجت ابھی باقی ہو۔اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ لقمے جو سیر ہونے کے بعد ساتھیوں کے پاس خاطر سے کھاتے ہیں، ان میں سے ہر ہر لقمے پر بھی اجر وثواب مرتب ہوتا ہے۔

بعض مہمان دھرنا مار کر بیٹھے رہتے ہیں اور اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ صاحبِ خانہ ملول ہونے لگتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے غیر اسلامی حرکت قرار دیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الضیافة ثلاثة ایام"[1] ''مہمان نوازی کا حق تین روز ہے۔''

"ولا یحل له ان یثوی عنده حتیٰ یحرجه" [2]

''اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنا قیام کرے کہ وہ تنگ آجائے''۔

آپ نے غور کیا کہ محفل میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا اسلام نے اس لئے مذموم قرار دیا کہ اس سے مسلمان بھائیوں کو رنجش ہوتی ہے اور کھانے سے ہاتھ کھینچنے کو اس لئے ناجائز قرار دیا کہ اس سے ساتھیوں کو خجالت ہوتی ہے اور لمبے قیام کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ صاحبِ خانہ کا دل تنگ نہ آجائے۔ان آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام نے آدابِ معاشرت کے خطوط اسی اصول کی روشنی میں متعین کیے ہیں کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسرے شخص کے لئے اذیت، رنجش، خفت، گرانی، انقباض، تکدّر، خجالت، تشویر، توحّش یا کسی اور ناگواری کا باعث نہ ہو۔

یہ متعدد ہم معنیٰ الفاظ تو ہیں مگر ان میں سے ہر لفظ جدا مفہوم ادا کرنے کیلئے تحریر کئے گئے ہیں، آپ نے دیکھا کہ تہذیب وشائستگی کی کیسی لطافتیں اور باریکیاں اسلام نے ہمیں سمجھائی ہیں۔

؎ ہزار نکتۂ باریک تر زِ مُوا ایں جاست

یہی معنیٰ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" [3]

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، مسلم ، کتاب الحدود، باب الضیافة و نحوها

[2] بخاری: کتاب الأطعمة، باب اکرام الضیف و خدمته ایاه ...

[3] بخاری:کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون۔ مسلم: کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام

''صحیح معنوں میں مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔''

اگر آپ ان ناگواریوں سے کسی ناگواری کا باعث ہوتے ہیں تو مسلمان آپ سے محفوظ وسلامت نہیں ہیں۔سنن نسائی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شبِ برأت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر سے اٹھے، تو اس خیال سے کہ میری نیند میں خلل نہ پڑے، آہستہ سے اٹھے، نعل مبارک آہستہ پہنا کہ اس کی آواز نہ ہو، کواڑ آہستہ سے کھولا، باہر آہستہ سے تشریف لے گئے اور کواڑ آہستہ سے بند کیا۔[1]

سونے والے کی کس قدر رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سکھائی کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے، جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو، دیکھئے یہ تہذیب وثقافت کی کیسی تابناک روایات ہیں جو ہمارے حصے میں آئی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً سیدنا انس سے مرفوعاً اور جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عیادت کے لئے جایئے تو بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیے، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر جایئے۔''

آپ غور کیجئے کہ اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس بات کی کہ کوئی کسی کی گرانی کا سبب نہ بنے، مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کی اس لئے ممانعت فرمادی کہ جب تک مریض کے پاس بیٹھے رہیں گے، اسے آپ کی طرف متوجہ رہنا پڑے گا اور آپ سے بات چیت کرنی پڑے گی۔ زیادہ گفتگو سے بیمار مضمحل ہوتا ہے۔بعض عیادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مریض کروٹ بدلنے اور پاؤں پھیلانے میں حجاب محسوس کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے:

''من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا'' [2]

''جو (کچا) لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یعنی مجلس میں نہ بیٹھے۔''

دیکھئے اس خیال سے کہ پیاز کی بو سے اہل مجلس کی طبیعت مکدّر ہوگی، پیاز کھانے والے شخص کو مجلس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ میں نے جو آیات اور احادیث آپ کو پیش کی ہیں ان کی روشنی میں فقہائے کرام نے بہت تفصیلات مرتب کی ہیں ان میں سے بعض عرض کیے دیتا ہوں:

---

[1] نسائی: 3415، 3416

[2] بخاری: کتاب الاذان، باب ماجاء فی الثوم.... مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ

1 اگر کسی کے ہاں آپ مہمان ٹھہریں اور آپ کھانا کھا چکے ہوں تو دستر خوان بچھ جانے پر یہ اطلاع دینا کہ کھانا کھا چکا ہوں، مذموم ہے۔ میزبان انتظام کی زحمت اٹھاتا ہے اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام اور طعام دونوں اکارت گئے۔

2 اگر کوئی صاحب بیمار ہوں اور پرہیزی کھانا کھاتے ہوں، تو دستر خوان بچھ جانے کے بعد ناک چڑھانا اور نخرے بگھارنا اور یہ کہنا کہ میں تو پرہیزانہ کھاتا ہوں، میزبان کے لئے خجالت کا باعث ہوتا ہے، آپ کسی کے مہمان ٹھہریں، تو جاتے ہی صاحبِ خانہ کو بتا دیجئے کہ آپ پرہیزانہ کھاتے ہیں۔

3 بعض لوگ کسی کے ہاں ٹھہرتے ہیں تو دھڑلے سے اوروں کو بھی دستر خوان کی طرف بلاتے ہیں۔ مہمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اوروں کو دعوت دیتا پھرے، اسے کیا خبر کہ گھر میں کھانا کتنا ہے؟ پھر اسے اس بات کا استحقاق بھی تو نہیں، یہ غیر متعلق بات میں دخل دینا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا تلخ تجربہ ہے۔

میری ایک عزیزہ سفر پر جا رہی تھیں، بہت سے قرابت دار انہیں خیر باد کہنے کے لئے میرے ہاں آئے ہوئے تھے، میں نے عزیزہ سے کہا کہ تم کھانا کھالو، گاڑی کا وقت ہوا چاہتا ہے، ایک بڑی بوڑھی خاتون نے اعلان کر دیا کہ ہم کھانا کھانے لگے ہیں، جو شریک ہونا چاہتا ہے ساتھ کے کمرے میں آ جائے، کمرہ کھچا کھچ بھر گیا، سارے گھر کا کھانا دستر خوان پر لا پڑا، عزیزہ کے لئے جو زادِ سفر تیار تھا، وہ بھی لایا گیا، سب کے حصے میں دو دو لقمے آئے۔ سب شرمندہ ہوئے۔

4 بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی کے ہاں مدعو ہو تو کہتے ہیں کہ ہمارے بھی ان سے مراسم ہیں۔ چلیے ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ ان سے مل کر دستر خوان بچھنے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے، یہ عادت بھی مذموم ہے اور صاحبِ خانہ کے لئے باعث تشویش ہے۔ اگر صاحب خانہ بٹھالے تو ان کے لئے یکا یک کھانا مہیا کرنے کی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی تو سالنوں میں پانی انڈیلنا پڑتا ہے۔

اگر صاحب خانہ رخصت کر دے، تو اسے شرمندگی اور خجالت ہوتی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے دوسروں کے لئے اذیت کا باعث ہونا یا خجالت کا باعث ہونا یکساں مذموم اور ممنوع ہے۔

سلام، مصافحہ اور معانقہ سے متعلق پہلے گفتگو گذر چکی ہے یاد رکھئے کہ سلام، مصافحہ اور معانقہ اور ان تمام آداب کا مقصد دوسروں کا جی خوش کرنا اور انہیں راحت پہنچانا ہے۔ جب علت ساقط ہوجائے تو معلول بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ اگر مصافحہ اور معانقہ سے کسی وقت دوسرے کو اذیت ہوتو شائستگی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ایسے وقت میں مصافحہ اور معانقہ سے اجتناب کیجئے مثلاً:

- اگر کسی آدمی کا ہاتھ زخمی ہے یا کوئی عذر لاحق ہے تو اسے مصافحہ کی زحمت نہ دیجئے۔
- اسی طرح اگر کوئی جلدی میں کہیں جارہا ہو، اور تیز تیز قدم اٹھارہا ہو تو اس سے آپ کو اندازہ لگانا چاہئے کہ یہ صاحب جلدی میں ہیں ایسی صورت میں اسے مصافحہ کے لئے ٹھہرانا اذیت کا باعث بن سکتا ہے لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے نا قابلِ تحسین ہے۔
- کسی مجلس میں زیادہ افراد ہوں اور کسی مسئلے پر غور کررہے ہوں، آپ دیر سے آئے ہیں تو تہذیب کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ محض سلام پر اکتفا کیجئے۔ ہر ایک سے جدا جدا مصافحہ کرنا، سلسلہ گفتگو کو کاٹنا، اور اس میں خلل ڈالنا اہل مجلس کے لئے گرانی اور تکدّر کا باعث ہوتا ہے اور آپ کو اذیت جدا ہوگی۔
- اسی طرح بعض لوگوں کو ہر وقت ہر جگہ معانقہ کی عادت ہوتی ہے۔ بیمار، ضعیف، ناتواں اور نازک مزاج لوگوں کو اس سے اذیت ہوتی ہے۔ معانقہ اسی وقت تک درست ہے جب تک وہ راحت اور آرام کا باعث ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا

"المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی آذاهم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علیٰ آذاهم " [1]

ترجمہ: "وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر اور تحمل سے کام لیتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا اور ان کی ایذاء پر صبر و تحمل سے کام نہیں لیتا ہے۔"

---

[1] سنن ترمذی: ابواب صفة القیامة والرقائق والورع۔ سنن ابن ماجه: کتاب الفتن، باب صبر علی البلاء

انسان کے عقائد اور عبادات میں خلل پڑے، تو اس میں انسان کا ذاتی نقصان ہے اور آدابِ معاشرت میں کوتاہی ہو تو دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اپنے آپ کو ضرر پہنچانے سے زیادہ سنگین ہے۔ آخر کچھ بات تو ہے کہ سورۂ فرقان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے اوصاف بیان کیے، حسنِ معاشرت کا ذکر ان کی تہجد گزاری اور شب زندہ داری کے ذکر سے مقدم رکھا:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝﴾[الفرقان:63-64]

ترجمہ: اور رحمن کے (حقیقی) بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو بس سلام کہہ کر (کنارہ کش رہتے ہیں) اور جو اپنے پروردگار کا حضور سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

اسلام نے جو آدابِ معاشرت ہمیں سکھائے ہیں۔ میں نے ان کا اجمالی سا خاکہ آپ کے سامنے رکھا ہے۔ دوستو میرا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کائنات کے سب سے مہذب اور متمدن انسان تھے۔ وہ تہذیب و ثقافت جو انہوں نے ہمیں بخشی ہے، اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ ہر مقام اور ہر زمانے میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ زمانے کی لنبان گو کتنی آگے بڑھ جائے، دنیا کی مہذب اور متمدن قومیں اس سے بہتر تہذیب و ثقافت کو جنم دینے سے عاجز رہیں گی۔

عزیزو! انگریز یہاں سے رخصت ہوا اور تمہارے جسموں پر اس کی حکمرانی شاید باقی نہ رہی ہو، لیکن تمہارے ذہنوں پر وہ اب بھی چھایا ہوا ہے اور تمہارے دلوں پر وہ ابھی تک براجمان ہے۔ یہ کیسا احساس کمتری ہے، یہ کیسی رُلا دینے والی بدبختی ہے، یہ کیسا ہنگامہ زبونیٔ ہمت ہے کہ تمہارے اپنے گھر میں ثقافت اور تہذیب کے یہ لعل و جواہر ہیں اور تم غیروں کے خذف ریزوں پر للچائی ہوئی نظر ڈالتے ہو؟

اجازت لینے سے متعلق شرعی آداب اور حکمتیں

جمشید سلطان اعوان
فاضل مدینہ یونیورسٹی

ہمارے معاشرے میں جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی کا توازن بگڑ چکا ہے وہاں گھروں سے متعلق بھی بہت سی فرسودہ و پیچیدہ رسومات ہیں جن کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو بہت سی شرعی مخالفتوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بدگمانی، بے یقینی، جھوٹ، فریب، بدتہذیبی پروان چڑھ رہی ہے۔ اگر کوئی ملاقات کیلئے آتا ہے تو وہ آنے سے پہلے اپنی آمد سے آگاہ نہیں کرتا، اور اگر دروازے پر پہنچ جائے تو ثقافت کچھ ایسی ہو چلی ہے کہ دھڑلے سے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں، نہ کلام نہ سلام! کچھ معلوم نہیں گھر میں خواتین کس حالت وہیئت میں اس لمحے موجود ہوں۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے وہ انسان کی نجی زندگی کو مکمل تحفظ دیتا ہے وہ انسان کے فطری تقاضوں سے واقف ہے اس لئے اس نے ایسے ضابطے اور اعلیٰ معاشرتی اقدار وضع کر دی ہیں کہ اگر ہم انہیں اپنی زندگی میں لاگو کر لیں تو ہمیں سکون، راحت ومسرت میسر آ جائے۔ اسلام میں گھروں میں رہنے، ان میں داخل ہونے، اور ان میں انجام پانے والے تمام معاملات کی رہنمائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ہمارے ہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں داخلے کی خبر صرف وہی دے جو اجنبی ہو، لیکن اسلامی تعلیمات یہ کہتی ہیں کہ چاہے کوئی

اجنبی ہے یا گھر کا فرد وہ گھر میں بسنے والوں کی نجی زندگی کا مکمل لحاظ کرے۔ ہاں اجنبی شخص کیلئے کچھ زیادہ سخت تعلیمات ہیں اور گھر میں بسنے والوں کیلئے کچھ نہ کچھ نرمی رکھی گئی ہے لیکن آداب سب کو سکھلائے گئے ہیں جن کا مقصد محض یہ ہے کہ تلخیوں، پیچیدگیوں، اور رسوائیوں سے بچتے ہوئے ظاہری وباطنی طور پر پاکدامن معاشرہ تشکیل پائے۔ زیر نظر مضمون میں گھروں اور دیگر نجی مقامات میں داخل ہونے سے قبل اور بعد میں جو شرعی آداب ہیں انہیں بیان کیا گیا ہے امید ہے قارئین اس سے بھرپور مستفید ہوں گے اور ان آداب کو اپنی زندگیوں میں لاگو کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

(ادارہ)

تمہید

اللہ تعالی کے اشرف المخلوقات پر بے شمار انعامات واحسان ہیں جن میں سے ایک اللہ تعالی نے انسان کو گھر جیسی نعمت کا شرف بخشا جس سے اس کا قلبی وروحانی سکون واطمئنان وابستہ ہے انسان گھر میں اپنی جان ومال اور اپنی عزت وحرمات اور احساسات کو محفوظ سمجھتا ہے یہ گھر انسانوں کے لئے اسی وقت محفوظ، پرسکون وقابل اطمئنان ہو سکتے ہیں جب اس میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو۔ جو کوئی بھی ان میں داخل ہو اس کا گھر والوں کو علم بھی ہو اور وہ وقت بھی ایسا ہو جو ان کے لئے باعث تشویش نہ ہو اور ان کی حالت زار بھی خود گھر والوں کی نظر میں مناسب ہو نہ کہ معیوب ومکروہ۔ یہ تمام خصلتیں انسان کی فطرت میں نہ صرف شامل ہیں بلکہ اللہ تعالی نے اپنی شریعت میں اس کا مکمل باظابطہ حکم دیا ہے۔ عام طور پر انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو ان آداب کی تعلیم دے کر اس کی اہمیت وافادیت کو رہتی دنیا تک دوام وقیام بخش دیا ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرے کا محاسبہ کریں تو ہمیں اس میں ایسی عادات وتکلفات کا ادراک ہوگا جسے ہم اپناتے تو ہیں لیکن وہ ہمارے لئے سر درد سے کم نہیں، ان ہی کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں عموما اور خاندانوں میں خصوصا پریشانیاں وناچاکیاں جنم لیتی ہیں اسلام نے ہمیں جن عادات کی تہذیب کی ہے اس میں گھر سے متعلق آداب بھی شامل ہیں۔ جس سے عوام الناس ناواقف ہیں اور طرح طرح کی تکلفات ونظریات کی وجہ سے ہم اپنے من گھڑت ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسلام نے انسانوں کی ثقافت وتمدن کے لئے بے شمار احکامات وارشادات فرمائی ہیں جنہیں اپنانے سے ہمارے قلب وذہن

کا بوجھ بھی ہلکا ہوجاتا ہے اور معاشرہ کئی قسم کے تکلفات سے بھی آزاد ہوجاتا ہے۔ ذرا غور کریں ہم اپنے گھروں میں ہوں یا کسی بھی مقام پر اگر کوئی بغیر اجازت یا بغیر وقت لئے آجائے تو اکثر ہماری طبع پر اس کا یہ فعل نہایت گراں گذرتا ہے، ایسے میں اگر ہمیں کسی کو منع کرنا ہو تو ہم یا تو جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں یا پھر کوئی ایسا بہانہ تراشتے ہیں جس سے آنے والے کو بھی دھچکا لگتا ہے اور کہنے والا بھی عجیب کشمکش میں واقع ہوجاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کے بارے میں برے تصورات اور بدگمانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

اس کے برعکس اگر سچ کہہ دیا جائے کہ ہم کسی عذر کی بناء پر نہیں مل سکتے تو آنے والے سے قطع تعلقی نہ گذیر ہوجاتی ہے کیونکہ آنے والے کو یہ تو احساس ہوتا ہے کہ مجھے اجازت نہ دے کر میری توہین کردی گئی، مگر اس کو یہ احساس ہی نہیں کہ گھر والے کے ساتھ کیا مسائل واعذار ہیں، کیونکہ آنے والے کو معلوم ہی نہیں کہ شریعت نے اسے کیا تعلیم دی ہے اور اسے ناراض ہونے کا کتنا اختیار دیا ہے۔

زیر نظر سطور میں گھریلو آداب سے متعلق اہم ہدایات قارئین کے سامنے رکھی جائیں گی اللہ تعالیٰ اسے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے''انه ولی علی ذلک و القادر علیه''(آمین)

گھر میں داخلے سے پہلے تو اجازت لینا اور گھر والوں کی آمد سے باخبر کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد کریم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○﴾ [النور: 29-27]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔ پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اس میں داخل نہ ہونا۔ اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا

ہے۔البتہ بے آباد گھروں میں داخل ہونے سے تم پر کوئی گناہ نہیں جہاں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو۔اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اہل ایمان کو گھر میں داخل ہوتے وقت عالی اخلاق و آداب اپنانے کا حکم دیا ہے جس میں اس گھر کی حرمت اور گھر والے کی عزت وعفت کا تحفظ بھی ہے اور گھر والوں کی طرف سے آنے والے کے لئے احترام و اکرام کے پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے اور اس طریقہ کے اختیار کرنے میں خیر کثیر کی نوید بھی سنائی ہے۔

شریعت میں اجازت کے حوالے سے لفظ ''استئذان'' استعمال کیا گیا ہے ذیل میں اس لفظ کی وضاحت پیش ہے۔

''استئذان'' کیا ہے؟

"استئذان" لفظ "اذن" سے نکلا ہے جس کے لغت عرب میں مختلف معنی ہیں جن میں ''جاننا اور معلوم کرانا''[1] ''اس کو معاملہ سمجھا دیا یا معلوم کرا دیا'' کے معنی میں مستعمل ہے۔

ابن عربی کہتے ہیں استئذان کو استئناس (مانوسیت) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ معنی میں استعلام (معلوم کرنے) کی طرح ہے۔[2]

قرآن کریم میں لفظ اذن اپنے محل وموقع کے اعتبار سے معنی ومفہوم دیتا کہیں اس کا معنی ''اجازت لینا'' اور کہیں ''حکم'' کے معنی میں آتا ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ استئذان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"الاستئذان: طلب الإذن بالدخول، لمحل لا يملكه المستأذن "[3]

ترجمہ ''کسی ایسی جگہ داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا جہاں انسان بغیر اجازت داخل ہونے کا مجاز نہ ہو''

---

[1] المعجم الوسيط ج١ص11

[2] احكام القرآن لابن العربی ، ج3، ص.1396

[3] فتح الباري لابن حجر5/ 3

استئذان کی اقسام

بنیادی طور پر ہم استئذان کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) باہر سے آنے والے اجنبی فرد کا اجازت لینا

یہ وہ قسم ہے جس کو استئذان عام کہا جاتا ہے جو کہ باہر سے آنے والے اجنبی لوگوں کا ایک دوسرے سے اجازت طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہاں اجازت لینا واجب ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ﴾[النور:27]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔

اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"إذا استأذن أحدكم ثلاثاً، فلم يؤذن له فليرجع"[1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت لے اور سے اجازت نہ ملے تو اسے چاہئے کہ لوٹ جائے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کی رو سے اگر اذن نہ ملنے کی صورت میں لوٹ جانے کا حکم اس لئے ہے کہ (گھر میں داخلے کے لئے) اجازت لینا واجب ہے۔

(2) گھر میں موجود فرد کا کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا

یہ وہ قسم خاص ہے جو کہ گھر کے اندر لی جاتی ہے اس کا بھی حکم چند صورتوں میں واجب کا ہے۔ جس کی دلیل قرآن کریم کی آیت:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ﴾....[النور: 58]

---

[1] بخاري :كتاب الإستئذان,باب الإستئذان والتسليم ثلاثا

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور ان لڑکوں پر جو ابھی حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، لازم ہے کہ وہ (دن میں) تین اوقات میں اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوا کریں۔

آیت کریمہ میں ''لِيَسْتَأْذِنكُمُ'' میں ''لام'' استعمال ہوا ہے جو کہ ''لام الامر'' ہے اور فعل امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

اجازت لینے کی حکمت وعلت

اجازت طلب کرنا ایک ایسا بلند ادب ہے جو گھروں کی رازداری (پرائیویسی) کی حفاظت کرتا ہے اور ایسے معاملات کی بھی جو کہ عظمت وعفت کے لئے ہیں جنہیں اہل خانہ باپردہ رکھنا چاہتے ہیں استئذان انہی اشیاء ومعلومات کی حرمت کو برقرار رکھتا ہے ان میں انسانی جسم سرفہرست ہے اس کے علاوہ بہت سی اشیاء ایسی بھی ہیں جنہیں انسان چھپانا چاہتا ہے جن میں کھانا پینا، کپڑے وغیرہ اور گھریلو اشیاء بھی شامل ہیں جن پر اچانک نظر پڑے تو ناگواری محسوس ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں انسانی ذہن اور نفسیات سے تعلق رکھتی ہیں جن کا اثر انسانی معاشرے اور خاندانی زندگی پر پڑسکتا ہے، ہم میں سے کتنے ہیں جن کو یہ پسند نہیں کہ کوئی انہیں کمزوری کی حالت میں روتے ہوئے، یا غصہ کی حالت میں دیکھ لے، کتنے لوگوں کو پسند نہیں کہ کوئی انہیں نامناسب لباس میں دیکھے۔اس طرح آدب استئذان شکوک وشبہات بدزبانیوں اور تہمت واوہام کو روکنے کا مؤثر ذریعہ ہے جو کہ میاں بیوی یا گھر کے دوسرے افراد کی زندگی میں تفریق وبربادی کا باعث بن جاتے ہیں۔ جو کہ بچوں کی تربیت پر اثر انداز ہوجاتے ہیں اور کبھی ان کی یتیمی کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کا ایک ہی محور ہے اور وہ ہے انسان کی نظر۔

اسلام نے معاشرے پر پڑنے والے انہی دوررس نتائج کا مکمل احاطہ کیا اور اس میں رہنے والوں کی عقلی اور اخلاقی اقدار کو مضبوط ایمانی قوت مہیا کی کہ اگر استئذ ان کی حکمت سمجھ سے بالا ہو تو صرف اتنا مان لینا کہ یہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کا حکم ہے انہیں حکمت کی تلاش سے مستغنی کردیتا ہے اور اس میں خیر ہی ہے، اسے جھٹلانا معاشرے کے لئے فساد وبربادی ہے۔

''استئذان'' کی علت کا پس منظر یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اللہ تعالی کے احکامات

قرآن کریم کی صورت میں نازل ہورھے تھے جوکہ قیامت تک کے لئے ہدایت ورشد کا راستہ قرار پائے، ایسے میں ایک دفعہ ایک انصار قبیلہ کی خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا پیارے پیغمبر مصطفیٰ ﷺ کے پاس آئیں اور سوال کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنے گھر میں موجود ہوتی ہوں اور میں اس حالت میں ہوتی ہوں کے مجھے یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ مجھے کوئی دیکھے نا والد اور نا ہی کوئی بچہ مگر ایسے میں کبھی میرے گھر کا کوئی فرد آجاتا ہے کبھی والد آجاتے ہیں اور میں اسی حالت میں ہوتی ہوں تو میں کیا کروں؟ [1] اس سے پہلے کے رسول اللہ ﷺ کچھ فرماتے کہ اللہ تعالی نے قرآنی آیت کی صورت میں اس سوال کا جواب عنایت فرمادیا اور اس امر کی اہمیت وافادیت کو عظیم قرار دیا، جبریل امین نے یہ آیات آپ ﷺ کو پہنچائی جس میں سوال کا جواب اور مسئلہ کا حل دونوں موجود تھے چنانچہ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝﴾ [النور: 27، 28]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یادرکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔

مندرجہ بالا آیات میں اگر ہم غور وتدبر کریں تو اس میں اجازت لینے کے لئے عام حکم دیا گیا ہے جس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔ اور وہ تقاضہ کرتی ہیں کسی مقام یا گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہونا چاہئے چاہے اس گھر میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو اور بلکہ اجازت لے کر داخل ہونا چاہئے البتہ وہ مقامات جوکہ ذاتی ہوں یا عوامی مقامات ہوں جیسے ہوٹل تجارتی محلات وغیرہ ان میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا لازمی نہیں بلکہ مستحب عمل ہے۔

جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں ذکر کیا کہ استئذ ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک گھر کے اندر سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم کا تعلق گھر کے باھر سے ہے جوکہ گھر والوں سے طلب کی جاتی ہے یا

---

[1] اسباب النزول للواحدی ج 3ص213

عزیز و اقارب کی طرف سے یا پھر زائرین کی طرف سے، چنانچہ جب بھی کوئی گھر میں داخل ہونا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت کوئی ایسا عمل اختیار کرے جس سے اندر موجود افراد کو آنے والے کی آمد کا علم ہو جائے اور وہ حسب ضرورت اس کے لئے تیار رہیں۔

اجازت لینے کے آداب

1 سب سے پہلے سلام کریں

استئذان میں شریعت نے جن آداب کو ملحوظ خاطر رکھا ان میں اعلیٰ دعائیہ کلمات ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' شامل ہیں اور یہ دو مختلف آیات ومقامات پر ذکر ہوئے۔

ایک فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ [النور: 27]

اور دوسرا فرمان جو کہ اس بھی عام ہے چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾

ترجمہ: البتہ جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ [النور: 61]

''السلام علیکم'' کہنے سے انسان کی نیکیوں میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے اور اس میں طرفین کے لئے دعا بھی ہے لہٰذا استئذان کے لئے تحیۃ الاسلام ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا جائے جو کہ افضل و مسنون عمل ہے۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ جنہوں نے دس سال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی:

''اے بچے! جب بھی اپنے گھر میں داخل ہو تو پہلے سلام کرو اور یہ تمہارے لئے اور گھر والوں

کے لئے باعث برکت ہے"۔ [1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" إذا دخَل الرجل بيته، استُحِبَّ له أن يتَنحنَح ثم يسلِّم "

"اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتو اسے چاہئے کہ وہ پہلے کھنکھنائے اور پھر سلام کہے"۔

اور مذکورہ آیت میں ﴿فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ﴾ سے مراد اپنے گھر والوں کو سلام کہو اور اس آیت کے الفاظ میں اگر تدبر کریں تو اللہ تعالی نے یہاں "أَنفُسِكُمْ" کا لفظ استعمال کیا جس میں اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کے گھر میں داخل ہوگا تو اجازت لینے کے لئے سلام کہے گا تو جواباً اسے بھی سلامتی کی دعا نصیب ہوگی اور ساتھ ساتھ وہ کئی قسم کی مکروہات سے بھی محفوظ ہوجائے گا مثلاً جواب یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں وہ کسی ایسی چیز پر نظر ڈالنے سے باز رہے گا جو کہ گھر والوں کے لئے باعث تکلیف ہو یا ان کے ستر وعیوب سے آگاہی یا ایسا معاملہ جو کہ دونوں کے لئے اذیت اور تفرق کا باعث بنتا ہو۔ تو جس طرح شرعی طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو کئی مکروہات سے سلامت رکھا اور اسی طرح اس نے دوسرے کے گھر کی عفت وعصمت کا بھی احترام قائم رکھا۔

2 عزیز واقارب سے بھی اجازت طلب کی جائے

شریعت اسلام نے معاشرے کو جو آداب سکھلائے وہ تمام افراد کے لئے یکساں موزوں ہیں لھذا عزیز واقارب میں سے اگر کوئی کسی کے گھر میں داخل ہو تو وہ بھی اجازت حاصل کریں چاہے وہ بہن کا گھر ہو، بھائی کا، پھوپھی کا گھر ہو یا خالہ کا، اس کی کئی حکمتیں ہیں ایک تو آپس کے باہمی تعلقات نیک تمناؤں پر استوار ہوں اور میزبان آنے والے کا استقبال اچھے انداز میں اور باہمی رضامندی سے کرسکیں اور کسی قسم کی عار محسوس نہ کریں اور ایمان اور نیکی سے منور معاشرہ پروان چڑھے جو کہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہو جس میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے بھلائی، خیر اور طہارت و عفت رکھی ہے جو معاشرہ میں ایمان وسلامتی کی حرارت کو زندہ رکھتی ہے۔

---

[1] جامع الترمذي:كتاب الإستئذان والآداب , باب ما جاء في التسليم

قرون مفضلہ میں معلم انسانیت اور ہادی ومربی اکبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عظیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اپنی امت کی اسی منہج پر تربیت کی مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت لوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ہاں۔ جب بھی گھر میں داخل ہوتو اپنی والدہ سے اجازت لو۔ اس نے جواباً کہا: میں گھر میں اپنی والدہ کے ساتھ رہتا ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا تم اذن لے کر داخل ہوا کرو، اس نے جواب دیا کہ میں ہی اپنی والدہ کی ہمیشہ خدمت کرتا ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: تم ضرور اجازت لیا کرو کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم اپنی والدہ کو مکروہ حالت میں دیکھو؟ تو اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً کہا نہیں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اب ضرور اجازت لیا کروں گا۔ [1]

عطاء فرماتے ہیں میں نے ابن عباس سے پوچھا:

"أأستأذن على أختي، فقال: نعم؛ فأعدتُ، فقلتُ: أختان في حجري، وأنا أموّنهما، وأنفق عليهما، أستأذن عليهما، قال: نعم، أتحبّ أن تراهما عريانتين" [2]

ترجمہ: ''کیا میں اپنی بہن سے بھی اجازت لے کر داخل ہوا کروں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے دہرایا کہ: میں اپنی دو بہنوں کے ساتھ رہتا ہوں اور ان کی سرپرستی اور ان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہوں تب بھی اجازت لوں؟ تو جواب ملا کہ: ہاں کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم انہیں نامناسب حالت میں دیکھ لو؟؟؟''

معلوم ہو کہ جب بھی گھر میں یا کمرہ میں داخل ہوں تو ضرور بضرور اجازت لینی چاہئے اور اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک اجازت نہ مل جائے یہی دین حنیف ہے اسی میں حفظ النفوس اور حفظ عزت وعفت ہے یہی عالی اخلاق کا مظہر جس پر عائلی زندگی بھلائی تقویٰ اور محبت ومودت پر قائم رہ سکتی ہے۔

3 اجازت کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

استئذان کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کسی جگہ جانا ہو تو سب سے پہلے آنے والے کو چاہئے

[1] موطا امام مالک، باب استئذان

[2] امام البانی نے اسے صحیح کہا ہے دیکھئے سلسلہ الصحیحۃ رقم:3636

کہ وہ لطف وآرام سے دروازے کو کھٹکھٹائے جس سے گھر والوں پر کسی قسم کا ازعاج وتشویش نہ ہو۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے دروازے کو ہم اپنے ناخن سے بجاتے اور پھر تین بار اجازت لیتے تھے''۔[1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذا محمول منهم على المبالغه في الأدب وهو حسن لمن قرب محله من بابه ، أما من بعد عن الباب بحيث لايبلغه صوت القرع بالظفر فيستحب أن يقرع بما فوق ذلك بحسبه" أهـ[2]

ترجمہ: یہ عمل ان کے عالی ادب واخلاق کا مظہر ہے جو کہ قریب دروازہ کے لئے بہتر ہے لیکن جہاں دروازہ گھر سے دور ہو وہاں حسب ضرورت زور سے دروازہ بجایا جاسکتا ہے۔

لہٰذا دروازہ بجانے کے بعد تھوڑا انتظار کیا جائے اور اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ گھر والوں نے اگر نہیں سنا تو دوبارہ بجانا چاہیئے اور اسی طرح مزید انتظار کر کے تیسری مرتبہ بجایا جائے۔

4 اجازت یا جواب نہ ملنے پر کیا کیا جائے؟

اگر اجازت لینے اور دروازہ بجانے یا کھٹکھٹانے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے تو گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ لوٹ جانا چاہیئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا‌ هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ﴾ [النور: 28]

ترجمہ: پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دے اس میں داخل نہ ہونا۔ اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

---

[1] شعب الإيمان للبيهقي، فصل في قرع الباب عند الإستئذان

[2] فتح الباري لابن حجر: 11/ 36

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ بالفرض آنے والے کو واپس جانے کا کہا جائے تو واپس لوٹ جانا چاہیئے اس میں کسی قسم کا کوئی حرج واثم نہیں ہے مثلاً اگر گھر والے اندر موجود ہوں اور خود ہی یہ کہیں کہ آپ واپس لوٹ جائیں تو بغیر کسی غم وغصہ کے واپس لوٹ جانا چاہیئے یہی نفوس کے لئے اطیب واز کیٰ ہے اور اس بات پر اپنے دل کو اطمئنان دلانا چاہیئے کہ ہر کسی کو اعذار واسرار لاحق ہوسکتے ہیں اور یہ بات جان لینی چاہیئے کہ یہ گھر والوں کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھا اور اس کی مذمت نہیں فرمائی اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ﴾ [النور: 28]

ترجمہ: اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ [" هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ "] سے مراد کہ اس (لوٹ جانے میں) تمہارے لئے بہتری ہے کہیں تنگ دلی سے اجازت ملے، بہتر ہے کہ خوشی سے تمہیں اجازت دی جائے''۔[1]

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں صراحتاً حق کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی کوئی اذیت کا پہلو باقی رہے اس طرح ملنے والے کو بھی اطمینان رہے گا اگر حق تسلیم کرنے کا رواج عام ہوجائے تو تمام شکوک شبھات اور دلوں کی قدورتیں دور ہوجائیں''[2]

پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"إِذَا استأذَنَ أحدُكم ثلاثًا فلم يُؤذَن له، فليَرجِع"[3]

ترجمہ: ''جب تم میں سے کوئی اجازت طلب کرے اور سے اجازت نہ ملے تو تمہیں واپس لوٹ جانا چاہیئے''۔

اور جب یقین سے معلوم ہو کہ گھر میں کوئی موجود ہے، مگر جواب نہیں مل رہا تو جواب نہ ملنے پر بھی واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ اس بارے میں صحیح بخاری میں حدیث ہے:

---

[1] تفسير القرطبي :12/ 220

[2] التحرير والتنوير:18/ 196

[3] صحيح البخاري: كتاب الاستئذان ، باب التعليم والاستئذان ثلاثاً

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں تھا۔ تو ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرائے ہوئے آئے اور کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے تین بار اجازت مانگی مگر اجازت نہیں ملی تو میں واپس لوٹ گیا پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تمہیں اندر آنے سے کس چیز نے روکا؟ میں نے کہا کہ میں نے اجازت مانگی لیکن آپ نے اجازت نہ دی اس لئے میں واپس لوٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم کو اس پر گواہ پیش کرنا ہوگا اور ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تم میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فرمان کو سنا ہے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بخدا تیری گواہی کے لئے قوم کا کمسن شخص کھڑا ہوگا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں اس وقت سب سے کمسن تھا میں ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی کہ جی ہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ [1]

ایک روایت میں الفاظ ہیں یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أَخَفِيَ هَذَا عَلَيَّ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالأَسْوَاقِ (يَعْنِي الخُرُوجَ إِلَى تِجَارَة) أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ [2]

ترجمہ: مجھ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بازار میں خرید وفروخت کی وجہ سے پوشیدہ رہی۔

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حدیث سے واضح ہوا کہ استئذ ان میں تین حالات ہو سکتے ہیں:

* اذن [اجازت حاصل ہو جائے]۔
* معذرت کی جائے [منع کر دیا جائے]
* کوئی جواب نہ ملے (خاموشی ہو)

آیت کریمہ اور حدیث شریف کی رو سے پہلی صورت میں داخل ہونا جائز ہے اور دوسری دونوں صورتوں میں واپس لوٹ جانا چاہئے۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري :كتاب الاستئذان باب التسليم والاستئذان ثلاثاً

[2] صحيح البخاري:كتاب الاستئذان باب التسليم والاستئذان ثلاثاً

[3] التحرير والتنوير:18/ 196

5 اجازت کتنی بار لینی چاہئے؟

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملتا ہے کہ استئذ ان تین بار مشروع ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار سعد بن عبادۃ کے گھر تشریف لے گئے اور کہا: (السلام علیکم) اندر سے جواب نہیں ملا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: (السلام علیکم) اندر سے پھر جواب نہ ملا تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا جواب نہ ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس چل دئے، جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اب سلام نہیں پایا تو آپ سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹ گئے ہیں تو سعد بن عبادہ نے ان کا پیچھا کیا اوران کو جا کر پالیا اور سلام کا جواب دیا اور بتایا کہ ہم چاہ رہے تھے کہ آپ کے سلام کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرلیں جب کہ ہم سن رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ تشریف لے آئے۔ ایک روایت میں قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہلکی آواز میں جواب دیا تو میں نے سوال کیا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہیں دیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ خاموش ہوجاؤ تاکہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کرتے رہیں۔[1]

امام ابن شھاب فرماتے ہیں تین بار سلام کرنا اسی حدیث سے اخذ کیا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"الاستئذان ثلاث، فان أذن لك وإلا فارجع"[2]

''استئذان تین بار ہوتا ہے اگر تمہارے لئے اجازت دی جائے تو داخل ہوجاؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ''

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الاستئذان ثلاث لا أحب أن يزيد أحد عليها إلا من علم أنه لم يسمع فلا أرى بأساً أن يزيد إذا استيقن أنه لم يسمع"[3]

ترجمہ: تین دفع سے زیادہ اجازت طلب کرنا درست عمل نہیں اور میں اسے پسند نہیں کرتا اگر اذن

---

[1] سنن أَبِي دَاوُدَ: 4/ 344

[2] صحيح مسلم :3/ 1694

[3] تفسير القرطبي :12/ 214

طلب کرنے والے کو یہ یقین ہو جائے کہ گھر والے نے سنا ہی نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ مزید طلب کر لے۔

6 اجازت لینے کے لئے تعارف کی اہمیت

آداب استئذان میں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ آنے والے کو اپنا مناسب تعارف کرانا لازم ہے یعنی جس سے اجازت لی جارہی ہے کم ازکم اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اجازت طلب کرنے والا کون ہے؟ کچھ لوگ جواب میں کہتے ہیں [میں ہوں!] یہ طریقہ نامناسب ہے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بہت ناگوار گذرا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کراہت کا اظہار کیا اور صحابہ کرام نے بھی محسوس کیا اور اسے ذہن نشین کرلیا پھر لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے اپنی صحیح میں ایک حدیث ذکر فرمائی: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

" أتيتُ النبيَّ - صلَّى الله عليه وسلَّم - في دَيْنٍ كان على أبي، فدققت الباب فقال: ((مَن ذا؟))، فقلت: أنا، فقال: ((أنا! أنا!))، كأنَّه كَرِهَهَا"۔ [1]

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ پر دستک دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ ''میں نے کہا: ''میں ہوں'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (میں! میں!) جیسے انہیں ناگوار گذرا ہو۔

مشروع طریقہ یہ ہے کہ جب پوچھا جائے تو جواب میں کہنا چاہیئے کہ میں فلاں ہوں اور اپنا نام بتانا چاہیئے، اگر پھر بھی پہچان نہ ہو تو اپنا مناسب تعارف کرانا چاہیئے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر کراہت اس لئے ظاہر کی کہ ''میں'' سے کوئی تعارف حاصل نہیں ہوسکتا جب کہ مسئلہ اذن میں تعارف ضروری ہے جو کہ نام سے ہوسکتی ہے کیونکہ نام ہی ایسی معرفت ہے جس سے سوال کی کلفت بھی دور ہوجاتی ہے اور جواب بھی حاصل ہوجاتا ہے جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشربہ (پانی پینے کی جگہ)

[1] صحيح البخاري :كتاب الاستئذان، باب اذا قال من ذا فقال أنا

پر تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَيَدْخُلُ عُمَرُ؟

ترجمہ: ''اے اللہ کے رسول آپ پر سلامتی ہو، آپ پر سلامتی ہو کیا عمر حاضر ہوسکتا ہے؟؟

اسی طرح صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا ''السلام علیکم ''میں ابو موسیٰ ہوں، میں اشعری ہوں۔۔۔الحدیث [1]

امام شعبہ رحمہ اللہ کے پاس ایک صاحب تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں ہو؟ امام شعبہ رحمہ اللہ نے جواب دیا میرا کوئی دوست نہیں جس کا نام ''میں'' ہو! پھر آپ باہر تشریف لائے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''میں'' سے کراہت والی حدیث سنائی۔ [2]

⑦ اجازت لیتے وقت کہاں کھڑے ہوں؟

استئذان میں اس بات کا خیال بھی رکھا جائے کے استئذ ان کے وقت گھر کے دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہوا جائے بلکہ دائیں جانب ہونا چاہئے، اگر میسر نہ ہو تو بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت لینی چاہئے یہ تعلیم بھی معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو دی امام بیھقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

[أن سعد بن معاذ رضِي الله عنْه أتى النبي صلَّى الله عليه وسلَّم، فقال له: ((يا سعد، إنما الاستِئذان من النظر، فإذا استأذنت فلا تستقبل الباب] [3]

ترجمہ: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئے اور اس حال میں اجازت طلب کی کہ وہ دروازے کے سامنے کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی اور فرمایا: اے سعد! اجازت لینے کا سبب نظر ہی ہے لہٰذا جب بھی اجازت لو دروازے کے سامنے مت کھڑے ہوا کرو۔

امام سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی اذن طلب کرنے والا دروازے پر کھڑا ہو جائے گا تو اس کی نظر کا گھر کے اندر جانے کا احتمال موجود ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے مظاہر دیکھ لے جو کہ گھر

---

[1] صحيح مسلم :3/ 1696

[2] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي :1/ 163

[3] السنن الكبرى للبيهقي :كتاب الاستئذان من النظر

والے کے لئے تکلیف کا باعث ہوں اور یہی استئذان کی علت ہے کہ نظر نہ پڑنے پائے"۔

اور یہ عظیم تربیتِ اسلام ہے کہ نظر کی حفاظت کی جائے کیونکہ نظر ان وسائل میں سے ہے جس سے ایسے فتنے جنم لیتے ہیں جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اسی خطرہ کے پیش نظر اگر صاحب بیت کسی جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی حرج اور جرمانہ نہیں۔ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ مِنْ غَيْرِ إِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَئُوا عَيْنَهُ" [1]

ترجمہ: جو شخص کسی کے گھر میں جھانک رہا ہو تو گھر والوں کے لئے حلال ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں"۔

سیدنا سھل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے میں جھانک رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں کنگھا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنگھی فرما رہے تھے اس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ فرمایا:"اگر میں یہ جان لیتا کہ تم اس طرح جھانک رہے ہو تو میں یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں مار دیتا اجازت طلب کرنے کا سبب یہی نظر ہے"۔ [2]

ایک اور روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں بغیر اجازت کے جھانک رہا ہو اور تم نے اس کی آنکھ پتھر سے پھوڑ دی تو تم پر کوئی حرج (گناہ) نہیں"۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ مَلَأَ عَيْنَيْهِ مِنْ قَاعَةِ بَيْتٍ فَقَدْ فَسَقَ "[3]

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا "جس شخص نے اپنی آنکھ کسی گھر کی جھانک تانک سے بھر لی پس وہ فاسق ہو گیا"

اور آیت استئذان کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے [وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ] فرما کر تنبیہ کرادی ان

---

[1] صحیح مسلم :كتاب الآداب، باب تحريم النظر فی بيت غيره

[2] صحيح البخاري :كتاب الاستئذان، باب من اطلع فی بيت قوم

[3] تفسير القرطبي :12/ 220

لوگوں کو جولوگ تجسس میں آ کر دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور ایسے اوقات غفلت کا انتخاب کرتے ہیں جن میں انہیں کوئی ایسی منظر کشی کرنی ہو جوان کے لئے حلال نہ ہو اور نہ ہی انہیں زیب دیتا ہو اور وہ کسی گناہ کی ٹوہ میں لگے رہتے ہوں۔

8 الفاظ استئذان

آداب استئذان سے متعلق ایک اور ادب جس کا شریعت نے لحاظ رکھا اور وہ اجازت لینے کے الفاظ ہیں عرب میں جاہلیت کے دور میں بھی اجازت لینے کا رواج تھا مگر وہ حسب نسب اور بادشاہ و رعایہ کے نظریات کی بھینٹ چڑھ گیا چنانچہ جب اسلام نے اپنا نور پھیلانا شروع کیا تو استئذان کے جامع اور مانع آداب امت کو سکھلا دئے۔

استئذان کے طریقے کے لئے قرآن نے جو الفاظ استعمال کئے وہ ہیں:

﴿حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾[النور:27]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔

مفسرین کا اس بات پر اختلاف رہا ہے کہ پہلے سلام کیا جائے یا پھر اجازت طلب کی جائے؟ بعض علماء نے پہلے اجازت طلب کرنا اور پھر سلام کرنا مناسب سمجھا اس کا سبب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ﴾ اور اکثر نے عکس مناسب قرار دیا اور پہلے سلام اور پھر اجازت لینا راجح قرار دیا اور ایک قاعدہ تقدیم و تاخیر کو بنیاد بنایا اور اس کی تقدیر ٹھہرائی:

﴿حَتّٰى تُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا وَتَسْتَأْذِنُوْا﴾

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں یہی ترتیب ہے۔[1]

سیدنا کلدۃ بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا نہ میں نے سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے واپس جانے کا حکم دیا اور کہا کہ سلام کرو اور

---

[1] تفسير البغوي - إحياء التراث 3/ 398

پھر کہو کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟''۔[1]

اور سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت آتی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اجازت طلب کی کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منع فرما دیا تو بعض لوگوں نے اسے سمجھایا کہ پہلے سلام کرو، اس نے سلام کیا، تو انہیں اجازت دی گئی۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اجازت طلب کی، کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم یا خادمہ جس نام کا روضہ تھا کو حکم دیا کہ جاؤ اسے استئذان کا طریقہ سکھاؤ وہ نہیں جانتا کہ استئذان کا طریقہ کیا ہے۔ اس کو کہو کہ سلام کرے پھر کہے کیا میں داخل ہوسکتا ہوں اس شخص نے سن لیا اور ایسے ہی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آنے کی اجازت دی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو سلام سے پہل نہ کرے اسے اجازت نہ دو''۔

صیغہ استئذان کے متعلق روایت ہے: زید بن اسلم نے ایک بار عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استئذان کیا اور ''أألج''(زمانہ جاہلیت میں عرب کا استئذان تھا): ابن عمر نے انہیں اجازت دیتے ہوئے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم عرب کا استئذان استعمال کرتے ہو! جب بھی استئذان کرو تو ''السلام علیکم'' کہا کرو جب تمہیں جواب مل جائے تو پوچھو کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''[2]

امام بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ بعض علماء نے اختیار کیا کہ اگر انسان کی نظر پہلے پڑ جائے تو سلام پہلے کرے ورنہ استئذان پہلے کرے اور پھر سلام کرے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود :كتاب الاستئذان ، كيف الاستئذان

[2] سنن أبي داود: كتاب الاستئذان ، كيف الاستئذان

[3] تفسير البغوي - طبع إحياء التراث 3/ 398

گھر کے اندر اجازت لینے سے متعلق چند اہم گذارشات

اس کے بعد سورۃ النور میں استئذان خاص کے تعلق سے اللہ تعالی نے تین اوقات میں بغیر اجازت کے داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اور وہ اس آیت کریمہ میں ذکر ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○﴾ [النور 58-59]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور ان لڑکوں پر جو ابھی حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، لازم ہے کہ وہ (دن میں) تین بار اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین اوقات تمہارے لئے پردہ کے وقت ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ (دوسرے وقتوں) میں ان کو بلا اجازت آنے جانے سے نہ ان پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی وضاحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مندرجہ بالا آیات استئذان خاص کے احکام سے متعلق نازل ہوئیں اس میں تین اوقات کا ذکر ہے جن میں بغیر اجازت کے داخل ہونا منع قرار دیا ہے:

1. فجر کی نماز سے پہلے جب انسان اپنے بسترے سے اٹھتا ہے اور اپنے رات کے لباس کو تبدیل کر کے دن کا لباس پہننا چاہتا ہے۔
2. ظہر کا وقت جب لوگ قیلولہ کرتے ہیں۔
3. نماز عشاء کے بعد جب لوگ اپنے لباس کو اتارنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور سونے کی

تیاری رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں جن تینوں اوقات کا ذکر ہے یہ اوقات آرام کے ہیں لھذا عوام الناس کو گھروں کے اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے تا کہ ناپسندیدہ منظر کو نہ دیکھ لیں [1] ان اوقات کو اللہ تعالی نے ''عورات'' (ستر) کا نام دیا ہے جو کہ عام ہے اس میں بدن کا پردہ بھی شامل ہے اور گھر کی اشیاء کا بھی پردہ شامل ہے، اس میں خدام خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اور وہ بچے جو جوان نہ ہوئے ہوں مگر عورتوں کی پوشیدہ معلومات سے واقف ہوں اور سن بلوغت کو نہ پہنچے ہوں شامل ہیں البتہ غیر مذکورہ اوقات میں ان کا آنا جانا مجبوری اور ہر وقت اجازت مانگنا بھی مشکل امر اور بضرورت آتے جاتے ہیں اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہاں واضح رہے کہ آیت میں جن خادموں کا بیان ہوا ہے وہ غلام ہیں جو مستقل ایک گھر کے افراد کی حیثیت سے مالک کے ساتھ ہوتے ہیں آج کل کے دور میں جو گھر میں ملازم رکھے جاتے ہیں وہ چاہے کسی حیثیت سے ہی کیوں نہ ہوں، ڈرائیور، باورچی، چوکیدار ان سب کو پردے کا لحاظ کرنا چاہیئے اور کسی وقت بھی نامحرم عورت یا گھر کی مالکن سے ملنا اور بے تکلفی اختیار کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس کمرے میں داخلے کی جہاں مستورات رہتی ہوں یہ تین اوقات اس قسم کے ملازموں کے لئے نہیں ہیں۔

خلاصہ

اسلام میں اجازت کے آداب بہت واسع اور جامع ہیں صرف گھر میں داخل ہونے کے لئے نہیں بلکہ یہ تمام آداب مجالس اور دیگر مقامات کے لئے بھی موزوں و مفید ہیں چنانچہ ان آداب کے ساتھ ساتھ داخل ہوتے وقت مندرجہ ذیل اہم امور جو کہ کتاب وسنت سے ثابت ہیں ان کا کا خیال رکھنا چاہیئے:

1. اجازت لینا ایک عمدہ اخلاق اور عالی ظرف میں سے ہے اس کا اہتمام قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہے۔
2. اجازت لینا مردو خواتین کے لئے یکساں ہے اس میں عزیز و اقارب بھی شامل ہیں۔
3. اجازت لینے کے لئے سلام کہنا اور پھر اجازت لینا مشروع ہے۔
4. اجازت تین دفع سے زیادہ نہیں لینی چاہیئے، اور نہ ملنے پر لوٹ جانا چاہیئے۔

---

[1] احکام القرآن لابن العربی:31397

5 اجازت لیتے وقت اپنا نام بتانا چاہیئے اور دروازے کے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہیئے۔

6 اجازت لینے کے لئے گھر کے مالک اور قائم مقام کی اجازت معتبر ہے۔

7 انسان داخل ہوتے وقت اپنی نگاہ نیچے رکھے کیونکہ استئذ ان کی علت نظر ہی ہے۔

8 داخل ہوتے وقت تحیۃ الاسلام ہی اپنائے دیگر الفاظ جیسے صبح بخیر، ھیلو وغیرہ سے مکمل پرہیز کریں کیونکہ اللہ تعالی نے ''تسلموا '' کے الفاظ استعمال کئے اور نبی کریم ﷺ نے بھی ''السلام علیکم ''ہی سکھلایا ہے۔

9 جہاں گھر والے بیٹھنے کا کہیں وہیں بیٹھنا چاہیئے اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے اور اگر مجلس میں آئیں تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں صحابہ کرام فرماتے ہیں جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو وہیں بیٹھ جاتے جہاں جگہ میسر ہوتی۔

10 کسی کو اٹھا کر نہیں بیٹھنا چاہیئے حدیث میں فرمان ہے ''کوئی آدمی کسی کو اٹھا کر خود نہ بیٹھے''

11 دو آدمیوں کے درمیان بغیر اجازت نہ بیٹھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''کسی آدمی کو جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر ان میں جدائی ڈال دے [1]۔

12 اپنے لئے لوگوں کا احتراماً کھڑا ہونے کے عمل سے احتراز کرنا چاہیئے: پیارے پیغمبر کا فرمان ہے: جو ''شخص اس بات سے خوش ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے'' [2]

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں شرعی آداب اپنانے کی توفیق عطا فرمائے

فإن أصبت فمن الله وإن أخطأت فمني ومن الشيطان وما توفيقي إلا بالله

و صلى الله تعالى على نبينا محمدواله وصحبه أجمعين



[1] سنن أبي داود: كتاب الآداب، باب فى الرجل يجلس بين الرجلين

[2] سنن أبي داود: كتاب الآداب، باب فى قيام الرجل للرجل

بازار

شرعی نصوص کی روشنی میں

ذوالفقار علی طاہر
مدیر ماہنامہ ''دعوتِ اہل حدیث'' کراچی

سیدنا امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لائے ہیں کہ:

''احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا''

یعنی: اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین مقام، مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین مقام، بازار ہیں۔

حدیث مبارک کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بازار جانا حرام ہے بلکہ خرید وفروخت کیلئے جایا جاسکتا ہے۔ ہاں! انسان کا دل بازار ہی سے معلق ہو، بغیر کسی مقصد کے محض بازار کی رونق سے لطف اندوز ہونے کیلئے ہروقت بازار جانے کیلئے مستعد رہتا ہو، ایسا رویہ عند اللہ مبغوض ہے۔

مزید تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں

بازار کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾[الفرقان 7]

یعنی: اورانہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر تیسیر القرآن ج3 صفحہ 303 میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اور کسب معاش یا خرید وفروخت کی خاطر وہ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے، کھانا پینا یا بازاروں میں چلنا پھرنا، بزرگی یا نبوت کے منافی نہیں۔''

اسی طرح حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اسی آیت کی وضاحت کرتے ہوئے تفسیر احسن البیان صفحہ 1043 میں رقمطراز ہیں۔

''یعنی رزق حلال کی فراہمی کیلئے کسب تجارت بھی کرتے تھے، مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں وارد بازار میں داخل ہونے کی دعا بھی بازار کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے اور خرید فروخت کے غرض سے بازار جانے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد يحيي و يميت وهوحی لا يموت بيده الخير وهو على كل شئی قدير''[1]

بازار کی اہمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اس عمل سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ وہ خرید وفروخت کے مقصد کے بغیر محض امورِ دینیہ کی انجام دہی یا امور دینیہ کی جانب عوام کی توجہ مبذول کرانے کیلئے بازار کا رخ کرتے تھے چنانچہ دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

1 سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح کی 'کتاب العيدين فضل العمل فی ايام التشريق'' میں لائے ہیں کہ:

''وكان ابن عمر، وأبو هريرة: «يخرجان إلى السوق في أيام العشر يكبران،

---

[1] جامع الترمذی 291/5 ، حاکم 538۔ امام البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ویکبر الناس بتکبیرھما"[1]

یعنی عبداللہ بن عمر وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما عشرۃ ذی الحج میں بازار کی جانب نکل کر تکبیرات کہتے اور لوگ بھی ان کی آواز سن کر تکبیرات کہنے لگ جاتے۔

اسی طرح مؤطا سیدنا امام مالک بن انس رحمہ اللہ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ

"أن الطفيل بن أبي بن كعب أخبره أنه كان يأتي عبد الله بن عمر , فيغدو معه إلى السوق، قال: فإذا غدونا إلى السوق، لم يمر عبد الله بن عمر على سقاط، ولا صاحب بيعة، ولا مسكين، ولا أحد إلا سلم عليه، قال الطفيل: فجئت عبد الله بن عمر يوما , فاستتبعني إلى السوق، فقلت له: وما تصنع في السوق؟ وأنت لا تقف على البيع، ولا تسأل عن السلع، ولا تسوم بها، ولا تجلس في مجالس السوق؟ قال: وأقول:اجلس بنا هاهنا نتحدث، قال: فقال عبد الله بن عمر:يا أبا بطن، وكان الطفيل ذا بطن، إنما نغدو من أجل السلام، نسلم على من لقينا." [2]

ترجمہ: تابعی طفیل بن ابی بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جاتا، وہ مجھے بازار لیکر جاتے اور وہ جس کے پاس سے بھی گزرتے، اُسے سلام کرتے، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسبِ عادت انہوں نے مجھے بازار چلنے کو کہا، میں نے عرض کی کہ بازار جا کر کیا کرنا ہے؟ آپ نہ کوئی چیز خریدتے ہیں نہ بھاؤ معلوم کرتے ہیں تو بازار جانے کا کیا فائدہ؟ ہم گھر بیٹھ کر ہی گفتگو کر لیتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا: ''ہمارا بازار جانا صرف اس لئے ہے کہ ہمیں بازار میں جو بھی ملے ہم اسے سلام کریں گے۔''

معلوم ہوا خرید وفروخت یا امور دینیہ/ امور خیر کی انجام دہی کیلئے بازار جانا معیوب نہیں ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق

[2] مؤطا امام مالک، باب جامع السلام، ج2، ص961، تحقیق فؤاد عبد الباقی

عہد رسالت کے بازار

اگر کتبِ احادیث کی ورق گردانی کی جائے اور عہد رسالت کے بازار کے متعلق وارد احادیث کا جائزہ لیا جائے تو بازار میں احکام شرعیہ کے نفاذ کے حیرت انگیز واقعات سے واقفیت ہو جاتی ہے اور آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ اس دور میں بھی نفاذ شریعت کا کس قدر اہتمام تھا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ:

''کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبتاع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بانتقالہ من المکان الذی ابتعناہ الی مکان سواہ قبل ان نبیعہ''[1]

یعنی ایک (خاص قسم کی) بیع کو حکمِ نبوی کے مطابق بنانے کیلئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو (بازار) بھیجتے اور وہ لوگوں کو اس چیز کا حکم دیتا رہتا۔

جبکہ صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث بھی موجود ہے، صحابی فرماتے ہیں کہ:

''قدر رأیت الناس فی عھد رسول اللہ ﷺ اذا یبتاعوا طعاما جزافا یضربون''

یعنی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں خلافِ حکم نبوی بیع کرنے پر لوگوں کو سزا دی جاتی تھی۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہا اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفی قولہ ''یضربون'' دلیل علی ان مشروعیۃ تادیب من یتعاطیٰ العقود الفاسدۃ واقامۃ الامام علی الناس من یراعی احوالھم فی ذٰلک [2]

یعنی اس حدیث میں موجود یہ لفظ ''یضربون'' اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی بیع فاسدہ کا ارتکاب کرے اس کے خلاف تادیبی کاروائی ہونی چاہئے اور امام کو چاہئے کہ وہ ایسے اشخاص کی تقرری کرے جو اس حوالے سے عوام الناس کی نگرانی کریں۔

عہد رسالت میں تو بعض اوقات خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار نکل جاتے اور تجار کو خصوصی نصائح فرماتے کہ تم سے دوران تجارت کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں لہٰذا تم صدقہ کیا کرو تا کہ یہ صدقہ تمہاری ان

---

[1] صحیح مسلم

[2] منۃ المنعم ج3 ص14

کوتاہیوں کا کفارہ بن جائے جبکہ سنن اربعہ میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے اور ایک جگہ ایک شخص کے پاس رک گئے ، وہ کوئی چیز ڈھیر کی صورت میں فروخت کر رہا تھا ، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھیر میں اپنا مبارک ہاتھ ڈالا اور باہر کھینچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر تری لگ گئی یعنی وہ شخص اس چیز کو اندر سے گیلا اور باہر سے خشک کر کے فروخت کر رہا تھا، اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر اس شخص کی سخت سرزنش کی۔

عہد رسالت میں بازار کی اس قدر نگرانی، یہی وجہ تھی کہ اس دور میں بازار کا ماحول انتہائی ایماندارانہ بنتا چلا گیا، ایک مثال ملاحظہ ہو:

حبان بن منقذ بن عمرو نامی ایک تاجر کسی غزوہ میں اللہ کے نبی ﷺ کے ہمراہ شریک ہوا، دوران قتال اسے سر میں چوٹ آئی جس سے اس کے دماغ اور زبان پر بڑا اثر پڑا، واپسی پر اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کیفیت بتائی اور تجارت میں خدع کے خدشہ کا اظہار کیا صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک اصول سمجھایا کہ تم جب بھی خرید و فروخت کرو تو یہ جملہ کہہ دیا کرو کہ ''ولا خلابة'' یعنی میرے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہئے (اس لئے کہ میں معذور ہوں)

یعنی یہ لفظ بازار میں اس کیلئے دھوکہ وفریب سے حفاظت کی علامت بن گیا۔

سبحان اللہ! عہد رسالت کے بازار کا ماحول کس قدر صافی و پاکیزہ تھا۔

یہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازار جا کر باقاعدہ خرید وفروخت کے متعلق وارد احادیث پر بازار ہی میں عمل کرتے تھے اور ان احادیث کا تعارف کراتے تھے۔ دو واقعات پیشِ خدمت ہیں۔

صحیح مسلم میں وارد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں کوئی چیز خرید کر کے وہیں پڑے پڑے اس چیز کو آگے فروخت کرنے سے منع اور اس چیز کو اٹھا کر اس کی جگہ منتقل کرنے کا حکم وارد ہے ، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث پر کس طرح عمل پیرا ہوتے ؟ ان کے

شاگرد راوی کہتے ہیں:

''كان يشترى الطعام جزافا فيحمله الى اهله'' [1]

یعنی: وہ چیز خریدتے اور خود اس چیز کو اٹھا کر اپنے اہل کی طرف منتقل کرتے۔

شیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

اما ما كان يفعله ابن عمر من نقل الطعام الى اهله فكان من غاية التزامه و تمسكه بلفظ الحديث [2]

یعنی رہا عبد اللہ بن عمر کا بذاتِ خود طعام (سامان) کو بازار سے اہل کی طرف منتقل کرنا تو یہ ان کی طرف سے الفاظِ حدیث کے ساتھ غایت درجہ کا التزام وتمسک تھا۔

اسی طرح صحیح مسلم ہی میں ایک اور حدیثِ مبارک ہے جس میں بیع کو پختہ کرنے کیلئے خریدار اور فروخت کرنے والے کو ایک دوسرے سے جدا ہو جانے کی شرط کا ذکر ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بازار میں اس حدیث پر کس طرح عمل کرتے؟ ملاحظہ ہو:

'' فكان اذا بايع رجلا فاراد ان لا يقيله قام فمشىٰ هنيئة ثم رجع اليه'' [3]

یعنی: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی سے بیع کر لیتے اور اس بیع کو پختہ کرنے کا ارادہ کرتے اور چاہتے کہ وہ شخص بیع فسخ نہ کرے تو وہاں سے اٹھتے تھوڑا آگے چلے جاتے پھر واپس اس شخص کی طرف لوٹ آتے۔

قارئین کرام! یہ تھی قرونِ اولیٰ کے بازار کی ایک جھلک کہ وہاں کس قدر احکامِ دینیہ نافذ تھے اور اس دور کے لوگ کس ذوق وشوق سے بازار ہی میں ان احکام پر عمل کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہاں نہ دھوکہ، فریب کا ڈر تھا نہ لوٹ مار کا خوف۔ اب آیئے ذرا عصر حاضر کے بازار کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجئے۔

---

[1] مسلم، كتاب البيوع [2] منة المنعم ج3 ص 14 [3] صحيح مسلم : كتاب البيوع

عہد حاضر کے بازار

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے منۃ المنعم ج 1 ص 422 میں عصر حاضر کے بازار کی بڑی درست و بجا منظر کشی کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''لا نها محل الغش والخداع والدس والغرر والربا والايمان الكاذبة و اخلاف الوعد والجفاء والشر والاعراض عن ذكر الله''

یعنی: بیشک بازار ملاوٹ، دھوکے، مغالطے، فریب، سود، جھوٹی قسموں، وعدہ کی خلاف ورزی، سختی وظلم، برائی اور اللہ کے ذکر سے اعراض کی جگہ ہے۔

جی ہاں! عصر حاضر کے بازار میں یہی کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ نافرمانیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے ذرا تفصیل ملاحظہ ہو:

بے پردگی وفحاشی

عصر حاضر کے بازار کا طرۂ امتیاز ہے کہ بے پردہ خواتین بازار کا رخ کرتی ہیں اور وہاں غیر محرم دوکانداروں سے بڑی نرم و لچھے دار گفتگو کرتی ہیں، حالانکہ بے پردہ گھر سے نکلنا اور غیر محرم سے نرم لہجہ میں گفتگو، دونوں شرعاً ممنوع ہیں، ایک حدیث اور ایک آیت ملاحظہ ہو: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا''[1]

یعنی (اہل جہنم کی دو قسموں میں سے دوسری قسم) ان عورتوں کی ہے جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، وہ (اجنبی مردوں کو اپنی طرف) مائل کرنے والی اور خود (ان کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی، ان عورتوں کے سر (کے بال) بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوں گے، وہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پا سکیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو

---

[1] صحیح مسلم: كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات

اتنی اتنی مسافت سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

عصر حاضر کے بازار کی رونق ایسی ہی عورتوں سے بحال ہے۔نعوذبالله من ذلک

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾

یعنی: پس نرم لہجہ میں بات مت کرو پس طمع بٹھالے گا وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے۔

یہاں اللہ تبارک تعالیٰ امہات المؤمنین جو کہ پاک اور پاکیزہ ہیں، کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے نرم لہجہ میں گفتگو نہ کریں جبکہ عصر حاضر کے بازار میں بے پردہ نکلنے والی عورتوں کا شیوہ ہی یہی ہے کہ وہ دوکانداروں سے بڑے ہی نرم وملائم لہجے میں گفتگو کرتی ہیں تا کہ اشیاء کم قیمت میں خرید سکیں۔ ایک عالم دین خواتین کو خطاب کر رہے تھے، خطاب میں فرمانے لگے جس طرح تم بازار میں دوکانداروں سے نرم وملائم لہجہ میں گفتگو کرتی ہو اگر اسی لہجہ میں گھر میں اپنے خاوند سے گفتگو کرلیا کروتو کافی حدتک گھر کا ماحول خوشگوار ہوجائے۔

گانا بجانا، مزمار وموسیقی یا شرکیہ قوالی، نعتیں ونظمیں

عصر حاضر کے بازار کی ایک خرابی یہ بھی ہے، تقریباً ہر دوکان سے فحش و بے ہودہ مکالموں پر مبنی گانوں کی آواز آرہی ہوتی ہے یا شرکیہ اور بدعقیدگی پر مبنی نعتوں ونظموں کی آواز۔ دونوں ہی آوازیں معاشرے کے بگاڑ کا اولین سبب ہیں۔ یہی موسیقی ہے جو دل میں اس طرح نفاق اُگاتی ہے جس طرح پانی فصل اُگاتا ہے، اسی موسیقی کی وجہ سے روز محشر موسیقی سننے والوں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔اور شرکیہ قوالی ونعتیں ونظمیں عقیدہ کے بگاڑ کا باعث ہیں۔

فحاشی کے اڈے اور عاملوں (جادوگروں) کے آستانے

ہمارے ملک میں ایسے بازاروں کا وجود بھی ہے جہاں فحاشی کے اڈے اور جادوگروں کے آستانے موجود ہیں حالانکہ شرعاً یہ ایسے جرائم ہیں جن پر کوڑوں، رجم اور قتل کی سزائیں مقرر ہیں اور احادیث میں ایسی کمائی سے قطعی طور پر منع کیا گیا ہے اور اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"ان رسول الله صلی علیه وسلم نهی عن ثمن الکلب و مهر البغی و حلوان الکاهن"
یعنی: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن (عامل) کی مٹھائی (نذرانہ) سے منع فرمایا۔''

صحیح مسلم میں ایک اور حدیث موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"شر الکسب مهر البغی" ۔ زانیہ کی خرچی بدترین (حرام) کمائی ہے۔

شراب خانے

ہمارے ملک میں بازاروں میں شراب خانے بھی قائم ہیں، جہاں باقاعدہ شراب کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ مسلم نوجوان بھی شراب کے خریدار بن کر اس کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتے ہیں، حالانکہ شرعاً جہاں شراب پینا حرام ہے وہاں شراب کی بیع بھی حرام ہے۔ جب سورۃ مائدۃ کی آیات

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾[90-91]

نازل ہوئیں، جس میں شراب کو نجس، عملِ شیطان۔ دشمنی و بغض کا بیج، ذکر اللہ و نماز سے روکنے والا قرار دیکر اس سے اجتناب کرنے اور رک جانے کا حکم دیا گیا ہے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان الله تعالیٰ حرم الخمر فمن ادرکته هٰذه الآیة و عنده منها شئ فلا یشرب ولایبع"[1]
یعنی: بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے لہذا جسے یہ آیت معلوم ہو جائے اور اس کے پاس شراب میں سے کچھ موجود ہو تو وہ نہ تو پیئے اور نہ ہی فروخت کرے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک اور حدیث ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"ان رجلااهدی لرسول الله صلی الله علیه وسلم راویة خمر فقال له رسول

[1] صحیح مسلم، کتاب البیوع

اللہ ﷺ هل علمت ان الله تعالیٰ قد حرمها، قال لا، فسار انسانا فقال له رسول الله بم ساررته، فقال امرته ببيعها، فقال: ان الذی حرم شربها، حرم بيعها"

یعنی: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مشکیزہ شراب تحفتاً لایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کیا تیرے علم میں نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے، وہ کہنے لگا: جی نہیں میرے علم میں تو نہیں، پھر اس شخص نے ایک آدمی کے کان میں کوئی سرگوشی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر اس نے بتایا کہ میں نے اس کے کان میں، شراب کو فروخت دینے کا کہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ذات جس نے شراب پینا حرام قرار دیا ہے اسی نے شراب فروخت کرنا بھی حرام قرار دیا ہے۔"

کفار کی مذہبی اشیاء کی خرید وفروخت

ہمارے ملک کے بازاروں کے مسلم دوکاندار اپنی دوکان میں فروخت کیلئے یہود ونصاریٰ اور ہندو کے مذہبی تہواروں یا اہل بدعت کے ایام خوشی وغمی میں استعمال ہونے والی ایسی اشیاء بھی رکھتے ہیں جن کی پوجا پاٹ ہوتی ہے یا جن اشیاء کے ذریعے اس غیر شرعی خوشی وغمی کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ ان تمام اشیاء کی خرید وفروخت ممنوع وحرام ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهوبمكه ان الله و رسوله حرم بيع الخمر والميتته والخنزير والاصنام"

یعنی: "انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فتح مکہ والے سال مکہ میں فرما رہے تھے کہ بیشک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام قرار دے دی ہے۔"

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاشتمل الحديث على تحريم ثلاثة اجناس: مشارب تفسد العقول و مطاعم تفسد

الطباع، وتغذی غذا خبیثا و أعیان تفسد الأدیان وتدعو الی الفتنة والشرک[1]

کہ یہ حدیث تین قسموں کی اشیاء کی تحریم پر مشتمل ہے: پینے کی اشیاء جو عقل کو فاسد کر دیتی ہیں اور کھانے کی اشیاء جو طبیعتوں کو فاسد کر دیتی ہیں اور جسم کو غذاءِ خبیث (حرام و ناپاک) فراہم کرتی ہیں اور ایسی چیزیں جو دین کو فاسد کر دیتی ہیں اور فتنہ و شرک کی دعوت دیتی ہیں۔

معلوم ہوا ایسی چیزیں جو دین میں بگاڑ کا باعث بن سکتی ہوں یا فتنہ و شرک کی طرف دعوت دینے کا باعث ہوں اور کفار کے مختلف تہواروں کے تعارف کا سبب بنتی ہوں، فروخت کی غرض سے دوکان پر رکھنا حرام ہے، لیکن اس چیز کا ارتکاب عصر حاضر کے بازار میں خوب ہوتا ہے۔ تجار کی نگاہ سیزن سے بھرپور فائدہ اٹھانے پر ہوتی ہے، مفاسد پر نہیں۔

سودی لین دین

عصر حاضر کے بازار میں خوب ہوتا ہے، یہ لین دین کرنے والے نتائج کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم اس سودی لین دین کی وجہ سے ملعون ٹھہریں گے اور ہماری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی، نہیں، ان کی نظر محض ظاہری سہولت و آسانی پر ہوتی ہے جو اس سودی لین دین سے مل رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے اشخاص پر اس سود کی وجہ سے لعنت کی ہے، صحیح مسلم کی حدیث ملاحظہ ہو:

"لعن رسول الله ﷺ آکل الرباو موکله و کاتبه وشاهدیه وقال هم سواء"

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے، دینے والے، کاتب اور دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ (سب حرام کا ارتکاب کرنے میں) برابر ہیں۔

جھوٹ یا جھوٹی قسموں کے ذریعہ کاروبار

عصر حاضر کے بازار میں یہ رویہ بھی معمول کی چیز ہے فروخت کنندہ ہو یا خریدار، دونوں اس عادتِ بد میں خوب مبتلا ہیں، حالانکہ یہ عادت نفع تو در کنار، خسارہ اور خوب بے برکتی کا باعث بنتی ہے۔

جیسا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[1] منة المنعم ج3 ص 53

فان صدقا وبیّنا بورک لهما فی بیعهما وان کذبا و کتما محقت برکة بیعهما [1]

اگرخریدنے والا اور فروخت کرنے والا دونوں سچ بولیں اور اپنی قیمت اور اشیاء کے عیب کو بیان کردیں تو یہ چیز ان کیلئے باعثِ برکت ہے اور اگر کذب بیانی اور کتمان سے کام لیں گے تو یہ چیز ان کی بیع کی برکت کو مٹادے گی۔

اسی طرح بیع میں قسمیں اٹھانے کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

''الحلف منفعة للسلعة ممحقة للربح'' [2]

یعنی: قسم اٹھانے سے سامان تو فروخت ہوجاتا ہے البتہ نفع (برکت) ختم ہوجاتی ہے۔

اسی حوالہ سے ایک اور حدیث ہے:

''ایاکم و کثرة الحلف فی البیع فیانه ینفق ثم یمحق'' [3]

یعنی: بیع میں زیادہ قسمیں اٹھانے سے بچو اس لئے کہ یہ عادت سامان تو فروخت کرادیتی ہے لیکن برکت کو ختم کردیتی ہے۔

ناپ تول میں کمی

عصرِ حاضر کے بازار میں اس کبیرہ گناہ کا بھی خوب ارتکاب کیا جاتا ہے۔اس حوالہ سے چند نصوص ملاحظہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾[الرحمن :9]

یعنی انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو

ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾﴾[الشعرا181تا 183]

یعنی ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو لوگوں کو ان

[1] صحیح مسلم ۔ کتاب البیوع

[2] صحیح مسلم ۔ کتاب البیوع

[3] صحیح مسلم ۔ کتاب البیوع

کی چیزیں کمی سے نہ دو

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣﴾ [المطففین 1تا3]

یعنی ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔''[1]

قارئین کرام! یہ اور ان جیسی کئی اور بیوع، جن میں دھوکہ ہے، فریب ہے، بے ایمانی ہے، حرام کا ارتکاب ہے۔ عصر حاضر کے بازار میں، ان کا چلن عام ہے اور بازار بھی وہ جہاں بے پردگی ہے، فحاشی و بے ہودگی ہے۔ گانے نغمے اور موسیقی ہے، دین و شریعت کے ساتھ استہزاء کو فروغ دینے والے مقامات ہیں، ایسی اشیاء کی خرید و فروخت ہے جو یہود و نصاریٰ، ہندو اور دیگر کفار کے تہواروں اور ان کے باطل عقائد و نظریات کے تعارف و پہچان اور شہرت کا باعث ہیں۔

اگر ہم اپنی دولت، عزت، شہرت، تجارت، دنیا و آخرت پُرامن اور باحفاظت بنانا چاہتے ہیں تو اپنے بازاروں کو شرعی خطوط کے تحت چلانا ہوگا اور قرونِ اولیٰ کے بازاروں کا سا نظام، اپنے بازاروں میں رائج کرنا ہوگا۔ ورنہ ہر قسم کے نقصان، خسارہ اور گھاٹہ سے بچنا دشوار ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين

---

[1] ابن ماجه ح 4019 ذكره الالبانى فى الصحيحة



سندھ اسمبلی

کے

خلافِ شریعت اور آئین فیصلے

All existing laws shall be brought in conformity with the injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the injunctions of Islam and no law should be enacted which is repugnant to such injunctions.

''تمام موجودہ قوانین، اسلامی احکامات کے مطابق یقینی بنائے جائیں گے جس طرح قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں اور آئین کے اس حصہ میں ان کا تذکرہ ''اسلامی احکامات'' کے نام سے کیا جائے گا اور کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو''

آئین کے پندرھویں ترمیمی بل 1998ء میں لکھا ہوا ہے:

2-B Supremacy of Quran and Sunnah, (i) The Holy Quran and Sunnah of the Holy Prophet Muhammad Salla Allah o alai wa sallam shall be the supreme law of Pakistan.

قرآن وسنت کی بالادستی اور فوقیت

قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکستان کے اعلیٰ ترین قوانین ہیں۔

سندھ اسمبلی نے اس قانون کو پاس کر کے کیا ملکِ عزیز کے اعلیٰ ترین قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے؟ کیا اس طرح کی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے؟

قرآن وسنت، صحابہ کرام کے عمل اور اجماع سے چھوٹی عمر کی لڑکی کا نکاح ثابت ہے اور اس کو غلط قرار دینا مغربی افکار کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

نابالغ لڑکیوں کا نکاح قرآن کریم کی روشنی میں

پہلی دلیل : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ﴾

''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو'' [الطلاق :4]

اس آیت کے الفاظ [وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ] بڑے اہم ہیں، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ جن عورتوں کو

ان کی کم سنی کی وجہ سے ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو عدت تین مہینے ہے۔ یہاں پر مطلقہ عورتوں کی عدت کا ذکر ہو رہا ہے اور طلاق نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن ہی سے نابالغ لڑکی کا نکاح ثابت ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب سورۃ البقرۃ میں عورتوں کی عدت کے بارے میں آیات نازل ہوئیں (آیت نمبر:234) تو مدینہ کے بعض لوگوں نے کہا کہ عورتوں کی عدت کے سلسلے میں کچھ ایسی بھی صورتیں ہیں کہ جن کا تذکرہ قرآن نے نہیں کیا، جیسے چھوٹی عمر کی لڑکیاں، بڑی عمر کی عورتیں جنہیں حیض آنا بند ہو گیا ہو اور حاملہ خواتین۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔[1]

امام شوکانی لکھتے ہیں:

''اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن میں جن عورتوں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ ''جن کو حیض آنا شروع نہیں ہوا ہے'' سے مراد وہ کم سن لڑکی ہے جو ابھی نابالغ ہو۔''

علامہ ابن بطال مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال المهلب: اجمع العلماء على انه يجوز للاب تزويج ابنته الصغيرة التى لا يوطا"[2]

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ والد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کم سن (چھوٹی) لڑکی کا نکاح کرے جو ابھی ہم بستری کے قابل بھی نہ ہو۔''

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کے متعلق علماء کی تفسیر اس طرح ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''الجامع الصحیح'' میں باب قائم کیا ہے:

باب انكاح الرجل ولده الصغار لقوله تعالىٰ: "وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ" فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ"[3]

---

[1] فتح القدير: 324/5، تفسير ابن ابى حاتم: 691/7، تفسير ابن كثير: 242/6 و اسناده منقطع

[2] شرح صحيح البخارى: لابن بطال : 7/ 247،مزید دیکھیے: فتح البارى: 239/10

[3] بخاري:كتاب النكاح،باب انكاح الرجل ولده صغار

''اس بات کا بیان کہ اپنے چھوٹے بچوں کا نکاح کیا جا سکتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: ''وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا ہے'' ایسی لڑکیوں کی عدت جو ابھی نابالغ ہوں تین ماہ ہے''

امام المفسرین ابن جریر رحمہ اللہ آیت "وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"و کذالک عدد اللائی لم یحضن من الجواری لصغرھن اذا طلقھن ازواجھن بعد الدخول"[1]

''اس طرح ان عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا ہے جس طرح وہ کم سن لڑکیاں جن کو ہم بستر ہونے کے بعد ان کے خاوندوں نے طلاق دی ہو۔''

ابو بکر الجصاص حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" فحکم بصحة طلاق الصغيرة لم تحض والطلاق لا يقع الا فی نکاح صحيح ، فتضمنت الآية جواز تزويج الصغيرة "[2]

اللہ تعالیٰ نے "وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ" میں چھوٹی، نابالغ لڑکی کو، جسے حیض نہ آیا ہو، دی گئی طلاق کو صحیح قرار دیا ہے اور (سب جانتے ہیں) طلاق، صحیح نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے اس لیے یہ آیت چھوٹی نابالغ لڑکی کے نکاح کو جائز قرار دے رہی ہے۔''

علامہ ماوردی شافعی (وفات:450ھ) لکھتے ہیں:

"لان عدة من لا تحيض بصغر او اياس ثلاثة اشهر کما قال الله تعالیٰ :﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾

''اس لیے کہ جن عورتوں کو ان کی کم سنی کی وجہ سے حیض آنا شروع نہ ہوا ہو یا اس کی عمر بڑی ہو چکی ہو تو ایسی عورتوں کی عدت تین مہینے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔''[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 856/10

[2] احکام القرآن: 54/2

[3] الحاوی الکبیر: 193/11

جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلاق اسی ہی کو دی جاتی ہے جس کا نکاح ہو چکا ہو کیونکہ طلاق بعد کا عمل ہے جبکہ نکاح اس سے پہلے کا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فان كانت المطلقة لا تحيض لصغر او كبر او خلقة ولم تكن حاملا، و كان و قد وطئها فعدتها ثلاثة اشهر من حين بلوغ الطلاق اليها او الى اهلها ان كانت صغيرة لقول الله تعالىٰ:﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾

''اگر مطلقہ عورت کو اس کی کم سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا اس کی بڑی عمر کی وجہ سے یا کسی پیدائشی نقص کی وجہ سے اور وہ حاملہ بھی نہ ہو اور اس کا خاوند اس کے ساتھ ہمبستر بھی ہوا ہے تو اس صورت میں اس کی عدت تین ماہ ہے جب سے اس کو طلاق دی گئی یا اس کے ورثاء تک (اس کی) طلاق پہنچی پھر چاہے وہ نابالغ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾ [1]

علامہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ (وفات:483ھ) لکھتے ہیں:

"بين الله تعالىٰ عدة الصغيرة و سبب العدة شرعا هو النكاح و ذالک دليل تصور نكاح الصغيرة"[2]

''اللہ تعالیٰ نے چھوٹی لڑکی کی عدت کو واضح طور بیان فرمایا ہے اور عدت کا سبب شرعی نکاح ہوتا ہے (کیونکہ نکاح کے بعد ہی عدت ہوا کرتی ہے جیسے خاوند فوت ہو جائے یا طلاق دے دے) اور یہ بات چھوٹی لڑکی کے نکاح کی دلیل ہے''۔

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ (وفات:620ھ) لکھتے ہیں:

"قد د ل على جواز تزويج الصغيرة قول الله تعالىٰ ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ

[1] المحلی: 45/10

[2] المبسوط: 212/4

مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾فجعل الّٰٓـِٔي لم يحضن عدة ثلاثة اشهر ولا تكون عدة ثلاثة اشهر الا من طلاق فی نکاح او فسخ فدل ذالک علی تزوج و تطلق" [1]

ترجمہ: ''چھوٹی لڑکی کے نکاح کے جائز ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ ''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے نا امید ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کی عدت تین مہینے مقرر کی ہے جن کو حیض نہ آیا ہو اور تین مہینے عدت صرف طلاق ہونے یا نکاح فسق ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نکاح بھی ہو سکتا ہے اور اس کو طلاق بھی دی جا سکتی ہے''۔

علامہ نفراوی مالکی رحمہ اللہ (وفات:1126ھ) لکھتے ہیں:

"ان کانت مطلقة ممن لم تحض لصغر ولکن مطیقة للوطء او کانت کبیرة لکن قد یئست من المحیض بان جاوزت السبعین، فثلاثة اشهر عدتها فی حق الحرة و مثلها الامة علی المشهور لقوله تعالیٰ: ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾ای : عدتهن کذالک" [2]

''اگر مطلقہ عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو کم سنی کی وجہ سے حیض نہیں آیا ہے پر وہ ہم بستر ہونے کی طاقت رکھتی ہے یا بڑی عمر کی ہے اور حیض سے نا امید ہوگئی ہو کیونکہ اس کی عمر ستر برس سے بھی بڑھ گئی ہے تو پھر ایسی صورت میں اس کی عدت تین مہینے ہے پھر چاہے عورت آزاد ہو یا لونڈی، مشہور مذہب بھی یہی ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے...''

مشہور شیعہ عالم محمد بن حسن الطوسی (وفات:460ھ) اپنی مشہور تفسیر ''التبیان فی تفسیر القرآن'' میں سورۃ الطلاق کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] المغنی: 398/9

[2] فواکه الدوانی: 92/2

"واللائی لم یحضن:وقال قتادۃ : اللائی یئسن الکبار واللائی لم یحضن الصغار"[1]

''وہ عورتیں جو ناامید ہو چکی ہیں وہ بڑی عمر کی بوڑھی عورتیں ہیں اور جن عورتوں کو حیض نہیں آیا ہے وہ چھوٹی کم سن لڑکیاں ہیں''

معلوم ہوا کہ شیعہ عالم کے نزدیک بھی چھوٹی لڑکی (کم سن) کا نکاح جائز ہے۔

دوسری دلیل

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾[النساء : 3]

ترجمہ:''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو ان عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو''

سورۃ النساء میں ہی دوسری جگہ پر ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾[النساء : 127]

ترجمہ:''وہ آپ سے عورتوں کے بارے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق مہر تم نہیں دیتے اور ان کو اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو''

مذکورہ بالا دونوں آیات یتیم لڑکی کے نکاح کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جو ابھی بالغ نہیں ہوئی ہو۔ دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ اے ام المؤمنین! ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ سے ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ تک کیا بیان ہوا ہے؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے بھانجے! اس آیت میں اس یتیم لڑکی کا ذکر ہے جو اپنے ولی کے زیرِ پرورش ہو اور ولی لڑکی کی خوبصورتی اور مال کی وجہ سے اس کی طرف رغبت رکھتا ہو اور اس کا

---

[1] التبیان: 34/10

حق مہر کم کر کے نکاح کرنا چاہتا ہوتو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے سوائے اس بات کے کہ وہ لڑکیوں کے حق مہر کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں اور اگر انصاف نہ کر سکیں تو ان یتیم لڑکیوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لوگوں نے بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت میں یہ حکم صادر فرمایا کہ جب یتیم لڑکیاں مال و دولت اور حسن و جمال والی ہوتی ہیں تو مہر میں کمی کر کے ان سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں اور اگر لڑکی مال و دولت والی نہیں ہے تو اس کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، یہ کیسی بات ہوئی؟ ان کو چاہیے کہ جب مال و دولت اور حسن و جمال کے نہ ہونے پر ان لڑکیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح اس وقت بھی ان کو چھوڑ دیں جب وہ مالدار اور خوبصورت ہوں، البتہ اگر انصاف کریں اور پورا حق مہر ادا کریں تو پھر نکاح کر سکتے ہیں۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فیه دلالة علی تزویج الولی غیر الاب التی دون البلوغ بکرا کانت او ثیبا، لان حقیقة الیتیمة من کانت دون البلوغ ولا اب لها ۔ وقد اذن فی تزویجها بشرط ان لا یبخس من صداقها فیحتاج من منع ذالک الی دلیل قوی "[2]

''اس حدیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر لڑکی کا ولی والد کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ نابالغ لڑکی کا نکاح کروا سکتا ہے چاہے لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ (جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو یا مطلقہ ہو، مطلب کہ وہ اب کنواری نہ ہو) کیونکہ حقیقتاً یتیم وہی لڑکی ہے جو نابالغ ہو اور اس کا والد بھی نہ ہو، ایسی لڑکی سے شادی کی، اس صورت میں اجازت دی گئی ہے کہ حق مہر میں سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے، جو بھی اس شادی سے منع کرتا ہے اسے اس سے بھی زیادہ مضبوط دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"و فیه جواز تزویج الیتامی قبل البلوغ لانهن بعد البلوغ لا یقال لهن یتیمات

---

[1] بخاری:کتاب النکاح ،باب تزویج الیتیمة

[2] فتح الباری: 348/10

الا ان یکون اطلق استصحابا لحالهن "[1]

''اس میں یتیم لڑکی کے بالغ ہونے سے پہلے نکاح کا جواز ہے کیونکہ بلوغت کے بعد اسے یتیم نہیں کہا جاتا مگر ان کی پہلی حالت کے پیش نظر بالغ ہوجانے کے بعد بھی یتیم کا اطلاق ہوسکتا ہے''۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[النور: 32]

ترجمہ: ''تم میں سے جو مرد وعورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنی نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"هذا امر بالتزويج و قد ذهب طائفة من العلماء الى وجوبه على كل من قدر عليه واحتجوا بظاهر قوله ﷺ: يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء۔ (بخاری:5066، مسلم:1400)۔۔۔۔۔ الايامى: جمع أيّم و يقال ذالک للمرأة التى لا زوج لها ولرجل الذى لا زوجة له، و سواء كان قد تزوج ثم فارق او لم يتزوج و احد منهما، حكاه الجوهرى عن اهل اللغة "[2]

''اس آیت میں نکاح کا حکم ہے۔علماء کی ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ جس کے پاس استطاعت ہے اس پر نکاح واجب ہے، انہوں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کو طاقت ہے وہ شادی کرے کیونکہ شادی کرنے سے نظریں جھکی رہتی ہیں اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جس کو نکاح کی

---

[1] فتح الباری: 112/9

[2] تفسیر ابن کثیر: 543-544/4

طاقت نہیں ہے وہ روزے رکھے اس سے اس کی نفسانی خواہشات کم ہو جائیں گی۔۔۔۔

الایامی: اَیّم کی جمع ہے۔اَیّم اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو اور اس مرد کو کہا جاتا ہے جس کی بیوی نہ ہو، اب چاہے شادی کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہوں یا شادی ہی نہ کی ہو۔علامہ جوہری نے انہیں اہل لغت کے حوالہ سے بیان کیا ہے‘‘۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''و الأ یّم اسم لانثیٰ من بنات آدم علیه الصلاۃ و السلام ، کبیرۃ کانت او صغیرۃ لا زوج لها"[1]

’’ایّم، نام ہے آدم علیہ السلام کی بنات میں سے، چاہے بڑی ہو یا چھوٹی پر اس کا خاوند نہ ہو۔‘‘

قاضی عیاض رحمہ اللہ (وفات: 544ھ) ایّم کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ’’ایّم‘‘ کا اطلاق ہر اس عورت پر ہوگا جس کا خاوند نہ ہو پھر چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، چاہے بیوہ ہو یا کنواری یا مطلقہ۔[2]

علامہ ابن العربی (وفات: 543ھ) ایّم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’جس کا خاوند نہ ہو چاہے کنواری ہو یا بیوہ (مطلقہ) بالغ ہو یا نابالغ‘‘[3]

معلوم ہوا کہ مرد یا عورت چھوٹے ہوں یا بڑے، کنوارے ہوں یا بیوہ (مطلقہ) بالغ ہوں یا نابالغ مذکورہ بالا حدیث ان کے نکاح کے درست ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ ماوردی شافعی کہتے ہیں:

"واستدلوا علی جواز تزویجها قبل البلوغ بعموم قوله تعالیٰ: وانکحوا الأیامی منکم"[4]

’’علماء نے ،اللہ تعالیٰ کے فرمان: وانکحوا الایامیٰ منکم سے استدلال کیا ہے کہ بلوغت سے قبل بھی شادی ہو سکتی ہے‘‘۔

---

[1] بدائع الصنائع: 363/3

[2] اکمال المعلم: 564/4

[3] عارضة الاحوذی: 25/5

[4] الحاوی الکبیر: 66/9

سعودی عرب کی کمیٹی برائے افتاء کا فتویٰ ہے کہ: ''دراصل بچیوں کے نکاح کی مشروعیت مطلقاً ہے، چھوٹی ہو یا بڑی'' جیسے اللہ کا فرمان ہے:" وانكحوا الايامىٰ منكم" [1]

نابالغ لڑکی کے نکاح کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے

احادیث سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ مرد یا عورت اگرچہ 18 سال سے کم عمر بھی ہوں تو بھی ان کا نکاح ہوسکتا ہے۔

پہلی حدیث:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ان سے صحبت کی تو ان کی عمر نو سال تھی اور وہ نو سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں۔'' [2]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والد اپنی کم سن کنواری لڑکی کا نکاح کرواسکتا ہے اور اس بات کی دلیل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کروانا ہے جب وہ ابھی محض چھ سال کی تھیں۔''

یہ واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ ہم اس واقعہ کی سند سے بھی بے نیاز ہیں اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا خاصہ تھا (کہ آپ چھ سالہ لڑکی سے بھی نکاح کر سکتے تھے) تو اس دعویٰ کی طرف نگاہ تک اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾[الاحزاب: 21]

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے''

رسول اللہ ﷺ نے جو بھی عمل کیا ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں مگر سوائے اس صورت کے کہ جس کے بارے میں کوئی نص موجود ہو کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہے۔ [3]

---

[1] فتاویٰ اللجنة الدائمة :27/18

[2] بخاری:کتاب النکاح،باب من بنى بامرأة و هي بنت تسع سنين

[3] المحلیٰ: 40/9

"وتزويج ابی بکر لعائشة رضی اللہ عنہا و هی بنت ست نص قريب من المتواتر"[1]

ترجمہ: ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں کروانا ایک نص ہے، جو متواتر کے قریب ہے۔''

ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اجمع العلماء على انه يجوز للآباء تزويج الصغار من بناتهم ، وان كن في المهد"[2]

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی چھوٹی کم سن لڑکیوں کا نکاح کرواسکتے ہیں اگرچہ وہ جھولے میں ہوں۔''

علامہ ابن بطال آگے لکھتے ہیں:

مگر خاوندوں کے لیے اپنی بیویوں سے اس وقت تک ہم بستر ہونا جائز نہیں ہے جب تک وہ اس لائق ہوجائیں اور مردوں کا بوجھ برداشت کرسکیں اور اس حوالہ سے عورتوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں یعنی ان کی بناوٹ اور طاقت کے لحاظ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو وہ اس وقت چھ سال کی تھیں اور جب صحبت اختیار کی تو وہ نو سال کی تھیں۔[3]

علامہ ابن مالکی (وفات: 827ھ) زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"الحديث اصل في تزويج الاب ابنته وان لم تطق المسيس و لم يختلف فيه"[4]

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ والد اپنی بیٹی کا اس عمر میں نکاح کرا سکتا ہے جب وہ ہمبستر ہونے کے بھی لائق نہ ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دین ہے اور اس پر طعن کرنا خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر طعن ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

---

[1] فتح القدیر: 265/3

[2] شرح صحیح البخاری: 172-173/7

[3] شرح صحیح البخاری: 172-173/7

[4] اکمال المعلم: 36/4

دوسری حدیث

آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے ابو العاص بن ربیع نے نکاح کیا، جبکہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے ابولہب کے بیٹے عتبہ نے شادی کی اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے شادی کی۔ یہ تمام شادیاں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوئیں۔ نبوت ملنے کے بعد ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنھما کو طلاق دے دیں۔ واضح رہے کہ ابھی دونوں بیٹے اپنی بیویوں سے ہم بستر نہیں ہوئے تھے کہ طلاق ہوگئی۔ رقیہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور اپنی بیوی کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے۔ تاریخ اور سیرت کی کتب سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر 25 سال تھی اور جب آپ پر پہلی وحی کا نزول ہوا تو آپ کی عمر 40 سال تھی۔ اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبوت کے وقت زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن کی عمریں 14 سال سے کم تھیں۔

امام حاکم، ابن عبدالبر، محب طبری، حسین دیار البکری کے مطابق زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو 30 سال کی عمر میں پیدا ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے وقت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر 10 سال کی تھی۔ جبکہ رقیہ رضی اللہ عنہا 7 سال کی، ام کلثوم رضی اللہ عنہا 6 سال کی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا 5 سال کی تھیں۔ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی تین بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں چھوٹی عمر میں ہی کرا دی تھیں۔

تیسری حدیث

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ اسے اس کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے طلاق بائن دی۔ وہ خود موجود نہ تھے بلکہ اپنے وکیل کو بھیجا اور کچھ جَو بھی بھیجے۔ فاطمہ بنت قیس اس بات پر غصہ ہوئیں جب وکیل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ہمارے ذمہ تمہارے لیے کچھ نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں اور پوری بات کا خلاصہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اس کے ذمہ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور آپ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ایام عدت، ام شریک کے گھر گذارنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: وہ ایسی خاتون ہے جہاں پر اصحاب

موجود رہتے ہیں، تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت کے دن گذارو، وہ نابین ہے اور تم وہاں اپنے کپڑے بھی اتار سکتی ہو(کیونکہ وہ نابین ہے)اور جب عدت کے دن ختم ہوں تو مجھے بتانا۔فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کے عدت ختم ہونے پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا اور کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم کی طرف سے نکاح کا پیغام آیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک ابوجہم کا تعلق ہے تو وہ اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا (یعنی بیویوں کی مار پٹائی زیادہ کرتا ہے)اور معاویہ مفلس ہے۔تم اسامہ بن زید سے شادی کرو، میں نے اس بات کو ناپسند کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر کہا کہ اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔پھر میں نے ان سے نکاح کرلیا اور اللہ نے اس قدر خیر و برکت کی کہ دوسری عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔[1]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید سے کرایا تو وہ اس وقت 15 سال کے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں اولاد بھی ہوئی۔جس طرح حافظ ابوالفضل عراقی نے شرح الاحکام میں یقین سے کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے، اس وقت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ 19 سال کے تھے۔[2]

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (وفات: 463ھ) لکھتے ہیں: ضحاک بن قیس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے 6 سال قبل پیدا ہوائے، وہ فاطمہ بنت قیس کے بھائی تھے اور بہن بھائی سے عمر میں دس سال بڑی تھیں۔[3]

اس حساب سے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ضحاک بن قیس کی عمر 6 سال تھی تو پھر فاطمہ بنت قیس کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت 16 سال ہی ہوگی اور اسامہ بن زید کی عمر 19 سال۔اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کی شادی اسامہ بن زید سے کرائی تھی

---

[1] مسلم:کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها

[2] اسعاف المبطا برجال المؤطا للسیوطی: ص: 14

[3] المتفق و المتفرق: 1227/2

تو فاطمہ کی عمر 12 سال تھی۔ تو پھر آپ خود اندازہ لگائیں کہ اپنے پہلے خاوند سے شادی کے وقت فاطمہ کی کیا عمر ہوگی؟؟!! یقیناً وہ اس وقت 12 سال سے بھی چھوٹی تھیں۔

معلوم ہوا کہ 18 سال سے کم عمر میں نکاح صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص نہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف کا عمل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف کا عمل اس امر کی تائید کرتا ہے کہ 18 سال سے کم عمر لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (وفات: 204ھ) فرماتے ہیں:

"زوج غير واحد من اصحاب النبي ﷺ ابنته صغيرة"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی صحابہ کرام نے اپنی چھوٹی بیٹیوں کی شادیاں کروائیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کرنے گئے۔ قدامہ بن مظعون بیمار تھے اور ان کے پاس ہی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی۔ قدامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: زبیر! اس لڑکی کی مجھ سے شادی کرادو۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم چھوٹی لڑکی کا کیا کرو گے؟ جبکہ تم بیمار بھی ہو! قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اگر زندہ رہا تو زبیر کی بیٹی میری بیوی ہوگی اور اگر فوت ہوگیا تو مجھے یہ بات پسند ہے کہ وہ میری وارث بنے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے، قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کی شادی کرادی۔[2]

علامہ ابن الھمام حنفی کہتے ہیں:

''قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے اس دن شادی کی

---

[1] الأم: 118/9

[2] كتاب الحجة على اهل المدينة: 502-504/3، سنن سعيد بن منصور: 174/1، مصنف ابن ابی شیبة: 17/4

جس دن وہ پیدا ہوئی تھی، حالانکہ صحابہ کرام اس بات کو جانتے تھے (پر کسی نے بھی اعتراض نہ کیا)۔صحابہ کرام کا فہم اس بات کی نص ہے کہ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھوٹی عمر میں نکاح کوئی خصوصیت نہیں رکھتا۔''[1]

عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کرادیا، اس وقت وہ بچی دوسری بچیوں کے ساتھ کھیلتی تھی۔[2]

طبقات ابن سعد: 8 / 463 میں ہے کہ ام کلثوم اس وقت نابالغ تھیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''السنن الکبریٰ'' میں سلف سے منقول بعض آثار نقل کیے ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ 9 یا 10 سال کی لڑکی حاملہ ہوگئی۔[3]

معلوم ہوا کہ ان کا نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا۔

مشہور حنفی عالم "سرخسی" ابو مطیع البلخی (وفات: 197ھ) (راوی الفقہ الاکبر) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی ایک بیٹی تھیں جو 19 سال میں دادی بن گئیں، یہاں تک کہ ان کو یہ کہنا پڑا کہ: اس لڑکی نے ہمیں رسوا کر دیا ہے۔[4]

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (وفات: 211ھ) تین بڑے تابعین حسن بصری، زہری اور قتادہ رحمھم اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ والد کی طرف سے اپنی چھوٹی لڑکی کے کرائے گئے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔[5]

الحمدللہ! صحابہ کرام، تابعین اور سلف کے اقوال سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نابالغ بچوں کے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔

---

[1] فتح القدیر: 265/3

[2] کتاب الحجة علی اهل المدينة: 502-504/3، سنن سعيد بن منصور: 174/1، مصنف ابن ابی شيبة: 17/4

[3] السنن الكبرى: 15-16/8

[4] المبسوط: 149/3

[5] مصنف عبدالرزاق: 164/6

18 سال سے کم عمر میں شادی اور علماء کی رائے

18 سال سے کم عمر میں لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے اور اس پر ''اجماع صحابہ'' ہے، اس لیے کہ کسی بھی صحابی سے اس بارے میں اختلاف منقول نہیں ہے۔ اس اجماع کا مختلف علماء کرام نے ذکر کیا ہے۔ حوالاجات پیش خدمت ہیں:

1۔ علامہ کاسانی حنفی (وفات: 587ھ) لکھتے ہیں:

"الجواز فی البکر ثیب بفعل النبی ﷺ و اجماع الصحابة"[1]

چھوٹی کنواری لڑکی سے نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

2۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

جب چھوٹی لڑکی بالغ ہو جائے تو کوئی اس سے شادی نہ کرے مگر اس کی رضامندی سے، کیونکہ اب وہ اس عمر کو پہنچ چکی ہے جب وہ شرعی احکامات کی مکلف ہے پر اگر وہ ابھی چھوٹی ہے تو اس کی رضامندی کے بغیر اس سے شادی کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کی اجازت اور رضامندی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[2]

3۔ امام شافعی رحمہ اللہ:

والد کی طرف سے چھوٹے بچوں کے نکاح کرانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات چھوٹی بچیوں کے حق میں جائز ہے۔[3]

4۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ کیا والد اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کرا سکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: اس معاملہ میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[4]

---

[1] بدائع الصنائع: 376/3

[2] احکام القرآن: 506/3

[3] اختلاف الحدیث : ص: 517

[4] مسائل الامام احمد بن حنبل روایة ابنه صالح: 129/3

5۔امام مروزی (وفات:294ھ):

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد کے لیے اپنے چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح کرانا جائز ہے۔[1] امام مروزی مزید لکھتے ہیں: اس نکاح کو عمر، علی، ابن عمر، زبیر، قدامۃ بن مظعون اور عمار رضی اللہ عنہم نے جائز قرار دیا ہے۔

6۔ابن المنذر (وفات:318ھ):

اس بات پر اجماع ہے کہ اگر والد اپنی چھوٹی کنواری لڑکی کا نکاح "کُفؤ" سے کرے تو ایسا نکاح جائز ہے۔[2]

7۔المھلب مالکی (وفات:435ھ):

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کرے جو ابھی ہمبستری کے لائق بھی نہ ہو، دلیل قرآن کی آیت ہے۔"وَّالّٰۤـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ"[3]

8۔ابن بطال مالکی (وفات:449ھ):

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد اپنی چھوٹی بچیوں کا نکاح کرا سکتا ہے اگرچہ وہ ابھی جھولے میں ہوں۔[4]

9۔ابو ولید باجی (وفات:494ھ):

جہاں تک چھوٹی کم سن لڑکی کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ والد اس کو نکاح کے لیے مجبور بھی کر سکتا ہے اور اس بچی کا نکاح کرانا بھی اس کے لیے جائز ہے۔[5]

---

[1] اختلاف العلماء: ص: 125

[2] الاجماع: ص: 103

[3] شرح ابن بطال: 247/7

[4] شرح صحیح البخاری: 172-173/7

[5] المنطقیٰ شرح مؤطا مالک: 21/5

10۔ابن عبدالبر(وفات:463ھ):

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح اس سے مشورہ کیے بغیر کرا سکتا ہے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرادی۔[1]

11۔امام بغوی(وفات:516ھ):

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ والد اور دادا کے لیے جائز ہے کہ وہ چھوٹی لڑکی کی شادی کرا دیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔[2]

12۔قاضی عیاض رحمہ اللہ(وفات:544ھ):

اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی بھی اختلاف نہیں ہے کہ والد اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کرا سکتا ہے جو ابھی ہمبستری کے لائق بھی نہ ہو۔[3]

13۔ابن ھبیرہ(وفات:560ھ):

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ والد اپنی چھوٹی لڑکی کے نکاح کا اختیار رکھتا ہے۔[4]

14۔ابن رشد(وفات:595ھ):

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ والد اپنی نابالغ لڑکی پر نکاح کے لیے دباؤ ڈال سکتا ہے۔[5]

15۔الموفق ابن قدامہ(وفات:620ھ):

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ والد اپنی چھوٹی کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرایا تھا

---

[1] كتاب الحجة على اهل المدينة : 3/502-504، سنن سعيد بن منصور : 1/174، مصنف ابن ابی شيبة: 4/17

[2] شرح السنة: 9/37

[3] اكمال العلم: 4/572

[4] الافصاح عن معانی الصحاح فی الفقه على المذاهب الاربعة: 2/90

[5] بداية المجتهد: 2/14

جب وہ 6 سال کی تھیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت بھی طلب نہیں کی۔ [1]

16۔امام قرطبی (وفات:656ھ):

یہ حدیث (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی والی حدیث) اجماع کی دلیل ہے کہ والد اپنی چھوٹی کنواری لڑکی کو شادی کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ [2]

17۔امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی (وفات:671ھ):

اگر لڑکی چھوٹی ہو تو اس کی رضامندی کے بغیر بھی شادی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی اجازت اور رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ [3]

18۔امام نووی (وفات:676ھ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس معاملہ میں صریح ہے کہ والد اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر بھی کر سکتا ہے کیونکہ چھوٹی بچی کی اجازت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ہمارے نزدیک دادا کی حیثیت بھی والد کی طرح ہے۔

آگے امام نووی لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی چھوٹی کنواری لڑکی کا نکاح کرائے، جیسا اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ [4]

19۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (وفات:29-728):

عورت کی شادی اس کی مرضی کے بغیر نہ کی جائے جیسا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اگر وہ رشتہ پسند نہیں کرتی تو مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگرچہ والد اپنی چھوٹی کنواری لڑکی کا نکاح کراتا ہے تو اس سے اجازت نہیں لی جائے گی۔ [5]

---

[1] كتاب الحجة على اهل المدينة : 502-504/3، سنن سعيد بن منصور : 174/1، مصنف ابن ابی شيبة : 17/4

[2] المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : 120/4

[3] الجامع لأحكام القرآن : 180/13

[4] شرح مسلم : 206/9

[5] مجموع الفتاویٰ : 39-40/32

20۔امام طیبی (وفات:743ھ):

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد کے لیے چھوٹی لڑکی کا نکاح کرانا جائز ہے۔ [1]

نابالغ لڑکی کا نکاح اور شیعہ علماء

مشہور شیعہ عالم سیستانی اپنی کتاب "توضیح المسائل" میں لکھتے ہیں:

''باپ اور دادا اپنے بالغ لڑکے یا لڑکی (پوتے یا پوتی) یا دیوانے فرزند کا جو دیوانگی کی حالت میں بالغ ہوا ہو نکاح کر سکتے ہیں''۔ [2]

شیعہ کتب، الاصول من الکافی، تہذیب الاحکام اور وسائل الشیعۃ میں تو لڑکی سے ہمبستری کی عمر 9 سال مقرر کی گئی ہے۔ یہ روایت ملاحظہ کریں:

عن ابی عبدالله قال: قال:"اذا تزوج الرجل الجارية و هى صغيرة فلا يدخل بها حتىٰ ياتى لها تسع سنين۔" [3]

امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

جب کوئی آدمی کسی چھوٹی لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے ساتھ ہمبستر نہ ہو یہاں تک کہ وہ 9 سال کی ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ نکاح 9 سال سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے اور ہمبستری 9 سال کے بعد۔ مزید ملاحظہ کریں: تهذيب الاحكام: 451/7، من لا يحضره الفقيه: 261/3، الخصال: ص:391، بحار الانوار: 172/100، تحرير الوسيلة: 380/2

اہل تشیع کے آٹھویں امام علی رضا رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک چھوٹی لڑکی کا اس کے والد نے نکاح کرایا اور وہ فوت ہو گیا جبکہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے اور بعد میں بڑی ہوئی اور اس کا خاوند اس کے ساتھ ہمبستر بھی نہیں ہوا۔ کیا بڑا ہونے کے بعد اس کے والد کا کرایا گیا نکاح درست ہے یا معاملہ لڑکی

---

[1] شرح الطيبي: 2280/7

[2] ص: 356

[3] الاصول من الكافى:398/5، وسائل الشيعة: 242/7

کے حوالہ کیا جائے گا؟ جواب فرمایا کہ اس کے والد کا کرایا گیا نکاح جائز ہے۔[1]

دور حاضر کے مشہور شیعہ عالم حسن الصفار (پیدائش:1958) اپنی ویب سائٹ پر لکھتے ہیں:

"ليس للزواج سن معين فى الشريعة الاسلامية ، فيصح اجراء عقد الزواج حتى للرضيع او الرضيعة"[2]

''شریعت اسلامی میں شادی کے لیے کوئی عمر معین نہیں ہے یہاں تک کہ شیر خوار لڑکے یا لڑکی کی شادی بھی صحیح ہے۔''

دورِ حاضر کے علماء کی رائے

دور حاضر کے علماء میں سے شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ، شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ، شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ، شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک حفظہ اللہ، شیخ عبدالمحسن بن حمد البدر حفظہ اللہ، الشیخ الدکتور عمر بن سلیمان الاشقر بھی 18 سال سے کم عمر لڑکے اور لڑکی کے نکاح کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: حكم تفتين منع تزويج الفتيات ص: 57

سعودی عرب کی مستقل کمیٹی برائے فتاویٰ نے اپنے ایک فتوی میں چھوٹی عمر کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ کمیٹی سے ایک سائل نے سوال کیا کہ میری عمر 12 سال ہے اور کیا میرے لیے نکاح کرنا جائز ہے؟ جواب تھا کہ تمہارے لیے 12 سال کی عمر میں نکاح کرنا جائز ہے اور ہمیں منع کرنے والی کوئی دلیل معلوم نہیں۔[3]

چھوٹی عمر (کم سنی) میں نکاح سے روکنے کے نقصانات

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ کم سنی میں نکاح کے نقصانات ہیں انہیں مندرجہ ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

1۔ ایک آدمی دیکھ رہا ہے کہ اس کا بیٹا یا بیٹی اخلاقی اعتبار سے تباہی کی طرف گامزن ہیں اور وہ بالغ بھی

---

[1] عیون الاخبار: 21/1، بحار الانوار: 173/100

[2] دیکھیے: www.saffar.org

[3] فتاویٰ اللجنة الدائمة: 25/18

ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ بلوغت کے آثار بھی ظاہر ہو چکے ہیں، جس طرح مرد کا محتلم ہونا اور عورت کو حیض آنا، غیر ضروری بالوں کا اگنا لیکن ان کی عمریں ابھی 18 سال نہیں ہیں اس لیے ان کی شادی نہیں کرائی جا سکتی کیونکہ یہ ملک کا قانون ہے۔ ایسی صورت میں وہ بچوں کو تباہی کی طرف جاتے دیکھتا رہتا ہے اور شادی نہیں کرا سکتا۔

2۔ ایک آدمی بیمار ہے اور زیادہ دن زندہ رہنے کی امید بھی نظر نہیں آتی۔ اس کی 15 سال کی لڑکی ہے لیکن کوئی بھی وارث نہیں ہے جو بچی کی دیکھ بھال اور پرورش کر سکے اور اگر کوئی وارث ہے بھی صحیح تو اس سے کوئی خیر کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اب یہ والد کسی دیندار اور شریف آدمی سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ سکون اور اطمینان سے دنیا سے رخصت ہو سکے لیکن ملک کے قانون کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ والد کے فوت ہونے کے بعد بچی لاوارث ہو جائے گی یا ظالموں کا شکار ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی۔

3۔ ایک بیوہ عورت ہے اور اس کی ایک بیٹی ہے جو اس کی وارث بھی ہے، عورت کے لیے اپنا پیٹ پالنا اور عزت و ناموس کی حفاظت کرنا بڑا مسئلہ ہے اور دوسری طرف لڑکی بھی 16 سال کی ہے اور بالغ بھی، لیکن ملک کے قانون کے مطابق وہ 18 سال سے پہلے شادی نہیں کرا سکتی۔ ایسی صورت میں قوی امکان ہے کہ وہ عورت اور اس کی بیٹی کسی بدمعاش کے ستم کا نشانہ بن جائیں۔

4۔ یہ قدرتی اور فطری بات ہے کہ بلوغت کے بعد مرد و عورت کی جنسی خواہشات بڑھ جاتی ہیں، ایسی صورت میں ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے 18 سال سے پہلے شادی کر دینا بہتر عمل ہے یا بے حیائی کو برداشت کرنا؟ خصوصی طور پر دور حاضر میں، جو میڈیا کا دور ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے بے حیائی پھیلانے والے پروگرامز نے تو قوم کے اخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے، فحش پروگرامز اور برہنہ تصاویر سے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں یہ بہتر نہیں ہے کہ والد لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی کا سوچے۔

مذکورہ بالا صورتیں محض فرضی نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں جن سے شاید ہم بے خبر ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جدید تہذیب 18 سال سے کم عمر لڑکے یا لڑکی کی شادی کی تو مخالف ہے لیکن بلوغت سے بھی پہلے جنسی تعلیمات کی حمایتی!!!

نتیجہ کیا نکلے گا؟ یورپ اور امریکا کے حالات ہمارے سامنے ہیں، جہاں پر کنواری ماؤں کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے اور ان میں بھی ان لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے جو 18 سال سے کم عمر ہیں۔

حرفِ آخر

مذکورہ بالا مباحث سے ثابت ہوا کہ کم سنی کا نکاح قرآن، حدیث، عملِ صحابہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ نکاح کا جواز ثابت ہے اور اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر صورت میں چھوٹی عمر میں نکاح کرانا ہے۔صرف اجازت ہے اور تاکیدی حکم نہیں ہے۔لیکن ایسے نکاح کو حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔جو چیز قرآن، حدیث اور عملِ صحابہ سے ثابت ہو وہ ناجائز کیوں کر ہوسکتی ہے؟

موجودہ حالات کے پیشِ نظر کوشش کی جائے کہ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد ان کی رائے اور مشورے سے ان کا نکاح کر دیا جائے تاکہ بعد میں رونما ہونے والے فتنوں اور فساد سے بچا جا سکے۔

اگر کسی لڑکی کے والد نے بچپن میں ہی اس کا نکاح کر دیا تھا اور بالغ ہونے کے بعد وہ لڑکی اس رشتہ سے مطمئن نہیں ہے اور وہ اس رشتہ کو قائم رکھنا نہیں چاہتی تو ایسی حالت میں شریعت نے اس لڑکی کو حق دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرادے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک کنواری لڑکی آئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کرا دیا ہے لیکن وہ اس مرد کو ناپسند کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا (کہ اگر وہ نکاح فسخ کرانا چاہے تو کر سکتی ہے)[1]

معلوم ہوا کہ اگر والدین نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کے بچپن میں کرا دیا ہو جب وہ ناسمجھ تھے اور بالغ ہونے کے بعد شریعت نے انہیں اختیار دیا ہے کہ اگر راضی ہوں تو وہ بچپن والا نکاح کافی ہے نئے سرے سے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ناخوش ہوں تو لڑکا، لڑکی کو طلاق دے گا اور اگر لڑکی راضی نہیں تو عدالت کے ذریعہ وہ نکاح منسوخ کرا سکتی ہے۔[2]

واضح رہے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے بچپن کا نکاح درست ہے لیکن رخصتی کا موزون وقت بلوغت ہی ہے۔ مانتے ہیں کہ اسلام نے بچپن کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس کی ہمت افزائی نہیں کی ہے

---

[1] ابوداؤد: 2096، ابن ماجہ: 1875

[2] مجموعہ مقالات وفتاویٰ علامہ شمس الحق عظیم آبادی:ص: 198- 205

لیکن اس کا ہرگز بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ بچپن کے نکاح کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا جائے۔ جو لوگ شریعت کے جائز امور کو ناجائز کہتے ہیں وہ شریعت سازی کے مرتکب ہیں ، اللہ اور اس کے پیارے پیغمبر کی سنت کے مخالف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

''جو لوگ حکم رسول کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے'' [النور : 63]

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾[البقرة: 85]

''کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں''

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾[الاحزاب :36]

''کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

''پھر ہم نے آپ کو دین کی راہ پر قائم کر دیا سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں'' [الجاثية : 18]

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾

''آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ

بن جائیں آپ کہہ دیجیے اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار''(البقرۃ:120)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴾[آل عمران: 150-149]

''اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے''

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت طلب کرنے کا معاملہ

روزنامہ کاوش کے یکم اپریل کے ایڈیشن میں سندھ اسمبلی کے حوالہ سے ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ اسمبلی نے اسلامی نظریاتی کاؤنسل کی سفارشات کو رد کر دیا ہے اور کاؤنسل کو بند کرنے کا بل پاس کیا ہے، اسلامی نظریاتی کاؤنسل نے یہ سفارش پیش کی تھی کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شرعی نقطہ نگاہ سے اگر مرد انصاف کر سکے تو ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ اور انصاف نہ کر سکنے کی صورت میں اس کے لیے ایک ہی بیوی کافی ہے۔ (النساء:3)

اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو قرآن وحدیث نے اسے کہیں بھی اس بات کا پابند نہیں بنایا کہ وہ پہلی بیوی سے دوسری شادی کی اجازت طلب کرے۔ اس امر کا لازم قرار دینا قرآن وحدیث سے انحراف ہے۔ ہاں البتہ اگر خوشگوار زندگی بِتانے کے لیے، فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے، خاوند دوسری شادی کے لیے اپنی پہلی بیوی کو اعتماد میں لے اور اس سے اس سلسلہ میں مشورہ کرے، تو ایسا کرنا حالات کے پیشِ نظر بہتر ہے۔[1] شریعت کے ہر قانون میں حکمت ہے کیونکہ شریعت ساز کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اگر پہلی بیوی کی اجازت کو لازم قرار دیا جائے تو اس کے نتائج بڑے ناخوشگوار اور ناپسندیدہ نکلیں گے۔ پہلی بیوی کسی بھی صورت میں اس بات کو پسند نہیں کرے گی کہ کوئی

[1] ملاحظہ کریں: فتاویٰ اسلامیہ: 3/ 230، فتاویٰ اصحاب الحدیث: 3/ 328

دوسری عورت اس کی سلطنت میں شریک ہو۔اور نتیجتاً خاوند جس پر دوسری شادی کا بھوت سوار ہے یا تو پہلی بیوی کو طلاق دے گا یا اسے مارنے کی کوشش کرے گا اور دونوں صورتوں میں پہلی بیوی کی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔اس کے مقابلے میں اگر عورت دل پر پتھر رکھ کر اپنے خاوند کو دوسری شادی کی اجازت دے دے تو اس طرح وہ اپنے خاوند کی نظروں میں اور بھی معتبر ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ مستقبل میں وہ خاوند نزدیک اس کی دوسری بیوی کے مقابلہ میں زیادہ محبوب بن جائے۔

بہر حال ایسی بات کو لازم قرار دینا جسے شریعت نے لازم نہیں کیا، شریعت سازی ہے۔ ہمارے حکمران اور منتخب نمائندے اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور ایسا نہ ہو کہ قرآن وحدیث کے خلاف قانون سازی کرنے کی پاداش میں انہیں روزِ قیامت مجرم بنا کر کھڑا کیا جائے ۔ یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کے بجائے اپنے خالق و مالک کو راضی کیا جائے جو ہر بات پر قادر ہے۔ہم پہلے سے ہی فتنہ وفساد کا شکار ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری پریشانیاں اور مصیبتیں مزید بڑھ جائیں۔

وما علینا الا البلاغ

جدید ٹیکنالوجی
کے ہمارے معاشرہ پر اثرات

عثمان صفدر
مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

اسلام میں علم کی اہمیت

مغربی مفکرین کے لئے یہ بات ناقابل یقین ہوگی کہ دین میں دنیاوی علم کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے، یا دین میں دنیاوی علم کی کوئی اہمیت ہوگی، کیونکہ اہل مغرب جس دین سے واقف ہیں اس کی سب سے معتبر کتاب بائبل میں وہ یہ پڑھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو جنت میں جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا وہ علم ومعرفت کا درخت تھا، اور جب آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل کھالیا اور ان کی بصیرت میں اضافہ ہوگیا تو اللہ تعالی ان پر ناراض ہوا اور انہیں جنت سے بے دخل کردیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل یورپ دو صدیوں تک اسی کشمکش میں مبتلا رہے کہ ان سائنسی علوم وفنون کو سیکھا جائے یا انہیں گناہ سمجھ کر رد کردیا جائے، کیونکہ ان کے مذہبی رہنماؤں نے ان علوم کو گناہ قرار دیا تھا، اور جو بھی ان علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو اسے کلیسا کی طرف سے عبرتناک سزا دی جاتی، اس کا منطقی ردعمل یہ ہوا کہ

اہل مغرب نے مذہب کو چند رسومات کی شکل میں گرجا گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیا اور زندگی کے باقی تمام شعبہ جات یعنی سیاست، ثقافت، رسوم ورواج اور علوم وفنون کو دین ومذہب سے جدا کر دیا۔

لیکن دین اسلام کی تو ابتداء ہی "اقرأ" سے ہے، قرآن مجید کی 570 آیات میں اللہ تعالی نے دنیا پر غور وفکر کی دعوت دی:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران:190]

"بیشک آسمان وزمین کی تخلیق اور رات ودن کے پھرنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۭ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾ [الروم:22]

ترجمہ: اور اس (اللہ) کی آیات میں زمین وآسمان کی تخلیق اور تمہاری زبان اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے، بیشک اس میں علم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

نبی ﷺ کے فرامین میں بھی تحصیل علم کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے، سنن ابن ماجہ کی حسن حدیث ہے کہ: طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"تَدَاوَوْا؛ فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يُنَزِّلْ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً, عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ" [1]

ترجمہ: "مرض کی دوا کا اہتمام کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالی نے ہر بیماری کے لئے دوا رکھی ہے، جس نے جان لیا سو جان لیا، جو لاعلم رہا سو لاعلم رہا"۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے طب کو بھی علم قرار دیا۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اسلام دراصل پانچ چیزوں کی حفاظت کے لئے نازل ہوا جسے اصطلاح میں ضروریات خمسہ کہا جاتا ہے، یعنی: دین، جان، عزت، مال اور عقل۔ ان پانچ چیزوں کی حفاظت کے لئے دنیاوی علم کی اہمیت یقینا کسی اہل دانش سے مخفی نہ ہوگی۔

غرضیکہ اسلام نہ صرف جدید دنیاوی وسائنسی علوم کی اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے بلکہ اہل اسلام کو اس کی اہمیت سے باخبر بھی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کی تمام ٹیکنالوجی کا بنیادی سہرا مسلمان سائنسدانوں ہی کے سر بندھتا ہے۔

---

[1] مسند احمد: 17988

آج جس دور میں ہم جی رہے ہیں یہ جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے، اور ٹیکنالوجی کی اہمیت سے کوئی باشعور شخص انکار نہیں کرسکتا، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس ٹیکنالوجی سے خالی نہیں رہا، چاہے وہ تعلیم کا شعبہ ہو یا کھیل کا، زراعت ہو یا صنعت وتجارت، طب کا شعبہ ہو یا میدان جنگ ہو، لباس، کھانا، سفر، سواری، رہن سہن غرضیکہ صبح بستر سے اٹھنے سے لے کر دوبارہ بستر پر جانے تک انسان ٹیکنالوجی میں گھرا ہے۔

اس ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کو تو بہت آسان بنا دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہماری طرز زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، ہماری سوچ وفکر، گفتگو، تہذیب وثقافت کو بدل کر رکھ دیا ہے، یہ اثرات مثبت بھی ہیں اور منفی بھی ہیں۔

جدید ٹیکنالوجی کے مثبت اثرات

ٹیکنالوجی دنیا میں آئی اور اس نے انسان کو اپنا عادی بنا لیا، اب انسان ٹیکنالوجی کا عادی ہو چکا ہے اور اس کے بنا نہیں رہ سکتا۔ انسان ہمیشہ سے اپنے لئے آسانی ڈھونڈتا رہا ہے اور اس مقصد کے لئے طرح طرح کی نئی ٹیکنالوجی تیار کر لی۔ ہماری زندگی میں ایجادات کا سلسلہ جاری ہے روزانہ بیسیوں چیزیں ایسی دیکھنے میں آتی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات مثلاً زراعت، توانائی، تجارت، سفر اور رابطوں کے لئے ٹیکنالوجی نہایت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہتر زرعی پیداوار کے لئے زرعی مشینری، توانائی کے حصول کے لئے جدید نیوکلر، شمسی اور ہوا کی توانائی کا استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔ انسان نے زمین سے اپنے سفر کا سلسلہ گھوڑے اور خچر سے شروع کیا اور اب جدید دور میں گاڑی، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز پر سفر کر رہا ہے۔ جدید دور کے انٹرنیٹ نے برقی پیغامات یعنی ای میل اور چیٹ کے ذریعے پیغام رسانی کو آسان بنا دیا ہے اور اس طرح انسانوں کے درمیان دوریاں ختم ہوگئی ہیں۔ انسان دنیا میں کہیں بھی بیٹھا ہو، اپنے کسی بھی عزیز سے ای میل اور چیٹنگ اور وائس چیٹ کے ذریعے بات چیت کرسکتا ہے۔

ٹیکنالوجی نے دوریوں اور فاصلوں کو ختم کر دیا ہے۔ موبائل فون جدید دور کی اہم ٹیکنالوجی ہے۔ دور حاضر کی اس جدید ٹیکنالوجی نے انسانی رابطوں کے سلسلے کو آسان بنا دیا ہے اور مسلمان کے لئے

صلہ رحمی اور رشتہ داری نبھانا، دور دراز کے رشتہ داروں کے حالات سے باخبر رہنا آسان ہو گیا ہے۔

انسان نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کو ایجاد کر کے اپنے بیشتر مسائل کو حل کر لیا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر اہم جز بن گیا ہے۔ اکیسویں صدی کی زندگی میں کمپیوٹر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حساب کتاب، ڈیزائننگ، اردو اور انگلش ٹائپنگ، موبائل، ویب اور دیگر سوفٹ ویئرز نے متعدد معاملات کو آسان بنا دیا ہے، سوفٹ ویئرز کے آنے سے پہلے ان معاملات کو حل کرنے میں بہت مشکلات پیدا ہوتی تھیں۔

اس کے علاوہ انٹرنیٹ کی بدولت گھر بیٹھے کاروباری لین دین بھی آسان ہو گئی ہے۔ یونیورسٹیز میں ٹیکنالوجی کے ذریعے آن لائن تعلیم کا نظام متعارف کرا دیا گیا ہے، اب جو لوگ کاروبار کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ آن لائن تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ دینی تعلیم کے میدان میں بھی ٹیکنالوجی نے بہت سہولیات فراہم کی ہیں، بہت سی کتب ڈیجیٹل موڈ میں انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں جن تک رسائی پہلے عام طالب علم کے لئے نہایت مشکل تھی، بہت سی قیمتی کتب کا ذخیرہ، احادیث کی تخریج، اور اہم علماء کے آڈیو، ویڈیو دروس بآسانی انٹرنیٹ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ آج اقوام عالم میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار میڈیا ہے جس کی ہر گھر تک رسائی جدید ٹیکنالوجی کی مرہون منت ہے۔ میڈیا جس میں ٹیلی ویژن کے چینلز، اخبارات، ویب سائٹس شامل ہیں، ایک ایسا مؤثر ذریعہ ہے جس سے پوری قوم کے افکار و نظریات متزلزل کئے جا سکتے ہیں، ان میں ایک بڑی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

اس بات سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ میڈیا کا ایک بہت بڑا حصہ ان ہاتھوں میں ہے جو اسلامی حدود و قیود، آداب، ضوابط سے ناواقف ہیں، بلکہ اسلام کے نام سے خار کھاتے ہیں اور ہمہ وقت اسلامی اقدار اور اخلاق کے پرخچے اڑانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں، اور اپنی ان کوششوں کی بدصورتی کو ''روشن خیالی'' اور ''آزادی اظہار رائے'' جیسے خوبصورت ناموں کے پیچھے چھپانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے بچوں اور نوجوانوں کی بڑی تعداد جن میں لڑکیوں کی اکثریت ہے کا زیادہ تر وقت ٹیلی

ویڑن یا کمپیوٹر کے سامنے گزرتا ہے، اکثر مائیں اپنے بچوں کی تربیت سے جان چھڑانے کی خاطر انہیں ٹیلی ویژن پر کارٹون دکھانے میں مشغول کردیتی ہیں، اکثر نوجوان لڑکے لڑکیوں کے پاس موبائل فون، سمارٹ فون، ٹیبلٹ، لیپ ٹاپ وغیرہ موجود ہیں، اور بدقسمتی سے اکثر والدین اس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ ان کے بچے کی موبائل فون وغیرہ پر کیا مصروفیات ہیں؟، اور ان کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب کوئی سانحہ ہوجاتا ہے۔

ٹیلی ویژن میں دکھائے جانے والے کارٹونز اور فلموں میں ایسے کردار بنائے جاتے ہیں جو اسلامی عقائد سے بالکل متضاد ہوتے ہیں، دیوی دیوتاؤں کی تصوراتی دنیا، انہیں ایسے مافوق الفطرت کردار میں دکھایا جاتا ہے جن کی مرضی سے دنیا چلتی ہے، ایسی زبان استعمال کی جاتی ہے جو اسلامی اقدار کے منافی ہوتی ہے اور بچوں اور نوجوانوں کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر وہ ویسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں، ایسے اخلاق باختہ مناظر ہوتے ہیں جو بچوں اور نوجوانوں کی حیا اور شرم کو مٹا کر رکھ دیتے ہیں، اور پھر جب سارا دن یہ بچے اور نوجوان ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر پر یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں تو ان کا کردار بھی ویسا ہی ہوتا ہے، پھر وہ والدین کو کسی خاطر میں نہیں لاتے، اپنی مرضی اور چاہت پر مصر ہوتے ہیں، اطاعت اور فرمانبرداری کی حس مرچکی ہوتی ہے تو والدین کو شکایت ہوتی ہے کہ ہماری اولاد فرمانبردار نہیں!۔ اس معاملہ میں سب سے بڑے قصوروار وہ والدین ہیں جو یہ نہیں سمجھتے کہ ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر دراصل وقت گزاری کا ذریعہ نہیں بلکہ بچے کی ذہنی تربیت کا سب سے بڑا استاد ہے، بچہ جو کچھ ٹیلی ویژن میں دیکھتا ہے وہ ویسا ہی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر اس نے اپنے بڑوں کے ساتھ وقت گزارا ہوتا، اپنے والدین کے ساتھ زیادہ تر وقت رہتا، ان کی باتیں سنتا سمجھتا تو آج یقینا ان والدین کو یہ شکایت نہ ہوتی۔

★ انٹرنیٹ کے متعلق چند چشم کشا حقائق

1. پاکستان میں انٹرنیٹ صارفین کی تعداد تین کروڑ سے متجاوز ہے۔
2. انٹرنیٹ صارفین میں مردوں اور خواتین کا تناسب 70-30 کا ہے، یعنی پاکستان میں تقریباً ایک کروڑ خواتین انٹرنیٹ استعمال کرتی ہیں۔

803 فیصد انٹرنیٹ صارفین دن میں اوسطاً دو سے تین گھنٹے انٹرنیٹ پر صرف کرتے ہیں۔

4 سوشل ویب سائٹس کے صارفین قریباً ایک کروڑ ہیں۔

5 سوشل ویب سائٹس کے صارفین میں سے دو تہائی صارفین 25 سال سے کم عمر ہیں۔[1]

ان حقائق سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کم عمر لڑکے اور لڑکیوں کی کتنی بڑی تعداد اپنا زیادہ تر وقت انٹرنیٹ پر صرف کرتی ہے، اور انٹرنیٹ سے وہ سب کچھ سیکھتے ہیں جو انہیں اپنے والدین سے سیکھنا چاہئے، ان کی سوچ، فکر، طرز گفتگو میں انٹرنیٹ کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

★ انٹرنیٹ کے چند بڑے نقصانات

انٹرنیٹ کے یقینا بہت سے فوائد ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں جس سے کوئی نظریں نہیں چرا سکتا، بچوں کو انٹرنیٹ فراہم کر دینا اور پھر ان کی نگرانی نہ کرنا ایک ایسا المیہ ہے جس نے ہماری نوجوان نسل کی حیا کا جنازہ نکال دیا ہے۔ بچوں کی نگرانی کرنے کا ہرگز بھی یہ مقصد نہیں ہے کہ ان پر بلا وجہ شک کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ بچے کو معلوم ہو کہ مجھے ہر چیز کی آزادی حاصل نہیں۔ انٹرنیٹ کے بڑے نقصانات میں سے چند درج ذیل ہیں:

1 عقائد میں بگاڑ اور فساد

انٹرنیٹ کے صارف کے سامنے ایک پوری دنیا کھلی ہے، وہ جو چاہے دیکھ سکتا ہے سن سکتا ہے پڑھ سکتا ہے، ہزاروں لاکھوں ویب سائٹس تک اس کی رسائی ہے، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کو تبدیل کرنے کا سب سے آسان اور مؤثر ذریعہ انٹرنیٹ ہی کو بھرپور استعمال کیا ہے، کسی بھی سرچ انجن میں لفظ ''GOD'' لکھتے ہی ہزاروں عیسائی ویب سائٹس سامنے آجاتی ہیں، اسی طرح یہودی دعوتی ویب سائٹس کی بھی مختلف زبانوں جیسے انگلش، عربی، جرمن وغیرہ میں بھرمار ہے، ایک اندازہ کے مطابق صرف ایک مہینہ میں ان یہودی اور اسرائیلی ویب سائٹس کے زائرین کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ جہاں تک دیگر مذاہب باطلہ کی بات ہے تو ان کی بھی بے شمار دعوتی ویب سائٹس موجود ہیں، جن میں قادیانی، منکرین حدیث، کذاب

[1] Tribune.com.pk

مدعی نبوت جیسے یونس کذاب جس نے ہالینڈ میں نبوت کا جھوٹا دعوی کیا ہے کی ویب سائٹ موجود ہے، اسی طرح ملعون گوہر شاہی کے خلیفہ اور ماننے والوں کی ویب سائٹس بھی موجود ہیں، اس کے ساتھ ساتھ شیطانی مذہب کے پیروکار جو کہ تمام ادیان کے انکاری ہیں اور کفروالحاد کے داعی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت اور عفت وحیا، اور محرمات کے ساتھ نکاح نہ کرنے کی پابندی کو لغو قرار دیتے ہیں، برہنہ رہنے، ہر قسم کی برائی کرنے اور شیطان کی عبادت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، ایسے شیطان کے پجاریوں کی ویب سائٹس بھی انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔

مسلم نوجوان جو عموماً ویسے بھی بدقسمتی سے اسلامی عقائد سے مکمل آگاہ نہیں اور دین سے بیزار ہے وہ ان ویب سائٹ کا براہ راست نشانہ ہے، کتنے ہی مسلم نوجوان اس قسم کی ویب سائٹس کا وزٹ کرکے اوران کا لٹریچر پڑھ کر گمراہ ہوچکے ہیں، واللہ المستعان۔

اسی طرح یہ معاملہ بھی نظر میں آتا ہے کہ بہت سے ایسے افراد دین اسلام کے احکامات، نازک اور اہم مسائل کے بارے میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں جو دین کا صحیح علم نہیں رکھتے، یہ انٹرنیٹ پر مفتی کا درجہ اختیار کرلیتے ہیں اور بغیر علم کے فتوے دیتے چلے جاتے ہیں، امام البانی فرماتے ہیں: ''ایسے نوجوانوں کی کتنی کثرت ہوچکی ہے جو بالکل جاہل مطلق ہونے کے باوجود مسلمانوں کے اہم معاملات پر گفتگو کرتے نظر آتے ہیں، اس سے میرے لئے یہ بات مزید پختہ ہوگئی ہے کہ اب وہ زمانہ ہے جس میں قیامت کی نشانیاں واضح ہونا شروع ہوچکی ہیں جن میں سے ایک نشانی آپ ﷺ کے اس فرمان میں ہے کہ: ایسا زمانہ آئے گا جس میں'' رویبضہ ''بات کیا کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ رویبضہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جاہل شخص جو مسلمانوں کے اہم معاملات پر (علم نہ ہونے کے باجود) بات کرے۔

2 جھوٹ بیانی اور فحش گوئی

سوشل ویب سائٹ پر ہزاروں لاکھوں اکاؤنٹس ایسے ہیں جو Fake ہیں، اور صرف نوجوان لڑکوں یا لڑکیوں کو ورغلانے، دھوکہ دینے کے لئے بنائے گئے ہیں، اسی طرح فیس بک وغیرہ پر بات چیت کرتے اور کمنٹس دیتے وقت ایسی بدکلامی اور فحش گوئی کی جاتی ہے کہ کسی سچے مسلمان کی حیاء

اسے برداشت نہیں کرسکتی، خواتین کے متعلق کمنٹس کرتے یا ان سے بات کرتے وقت ایسے الفاظ کہے جاتے ہیں جو اسلامی اخلاق تو کجا انسانیت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں، حیا کی چادر اتار پھینکی جاتی ہے، جبکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: گزشتہ نبوتوں سے جو بات لوگوں تک پہنچی ہے وہ یہی ہے کہ: جب تم میں حیا باقی نہ رہے تو جو مرضی میں آئے کرتے چلے جاؤ۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: حیا ایمان کا حصہ ہے۔

3 اخلاقی گراوٹ اور فحاشی وعریانی

انٹرنیٹ پر سوشل ویب سائٹس یعنی ''فیس بک، ٹوئٹر، گوگل پلس، آرکٹ'' وغیرہ کے آجانے کے بعد جہاں رابطوں میں سہولت ہوئی ہے وہیں اس کے ذریعہ بہت سے شیطانی راستے بھی کھل چکے ہیں ، اکثر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی انہی سوشل ویب سائٹس پر دوستی ہوتی ہے جو انہیں آہستہ آہستہ گناہ کی طرف مائل کرتی ہے، ان سوشل ویب سائٹس کے آجانے کے بعد کورٹ میرج کے تناسب میں تشویشناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے، صرف اسلام آباد ڈسٹرکٹ کورٹ میں سال 2010 میں 250 کورٹ میرج ہوئیں ، اور سال 2011 میں یہ تعداد 350 سے متجاوز تھی [1]۔ اختر محمود ایڈوکیٹ اسلام آباد عائلی عدالت کے وکیل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان کے پاس کورٹ میرج کے لئے آنے والے لڑکے لڑکیوں میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کی دوستی ''فیس بک'' یا ''ٹوئٹر'' پر ہوتی ہے، اور پھر کورٹ میرج کے بعد بہت ہی کم، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ یہ شادیاں برقرار رہیں، اسی طرح کئی کیس ایسے بھی ہیں جن میں ایک غیر شادی شدہ لڑکی کسی شادی شدہ مرد سے اس لئے شادی کرلیتی ہے کہ اس لڑکی کا تعلق کسی پسماندہ خاندان سے ہوتا ہے، اور مرد امیر ہوتا ہے۔ [2]

اسی طرح یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ انٹرنیٹ پر فحش مواد کتنی آسانی سے دستیاب ہے، اور یہ فحش مواد ہماری نوجوان نسل کو اتنی بڑی تباہی کی طرف لے جا رہا ہے جس کا شاید ہمیں ابھی اندازہ بھی نہیں ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق انٹرنیٹ پر تقریباً 35 کروڑ ویب سائٹس موجود ہیں، ان میں

---

[1] ڈان نیوز 8 اگست 2011، [2] ڈان نیوز 8 اگست 2011

سے اکثر ویب سائٹ بہت مفید بھی ہیں ، ان ویب سائٹس میں سے فحش مواد والی ویب سائٹ کا تناسب صرف 2 فیصد ہے، لیکن بہت آسان حساب کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ 35 کروڑ کا 2 فیصد تقریبا 70 لاکھ بنتا ہے، یعنی انٹرنیٹ پر تقریبا 70 لاکھ فحش مواد کی حامل ویب سائٹس ہیں اور ہر تین منٹ میں ایک نئی فحش ویب سائٹ وجود میں آرہی ہے، اور یہ جان کر یقینا آپ کو دھچکا لگے گا کہ انٹرنیٹ صارفین میں سے نوے فیصد صارفین ان 2 فیصد ویب سائٹس کا وزٹ کرتے ہیں ! ۔ [3]

اسی لئے دشمنان اسلام نے اس راستہ کو امت مسلمہ کے نوجوان نسل کے اخلاق تباہ کرنے اور حیاو غیرت ختم کرنے کے لئے بھرپور استعمال کیا ہے، اور خاص طور پر ایسے ادارے قائم کئے جہاں پر فحش مواد تیار کیا جاتا ہے اور ان پر کروڑوں ڈالر خرچ کئے اور اسے انٹرنیٹ پر مفت فراہم کیا تاکہ امت مسلمہ بھی اخلاقی اور سماجی سطح پر اس کھائی میں جا گرے جس میں یہ کفار گرے پڑے ہیں ، یقینا اللہ تعالی کا فرمان بالکل سچا ہے:

﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾ [النساء:89]

ترجمہ:''یہ کفار چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر کرو جس طرح انہوں نے کفر کیا تاکہ پھر تم سب ایک جیسے ہوجاؤ''۔

اور حد تو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اس کوشش میں ان کفار کے ساتھی بنے ہوئے ہیں، اور بہت سی ویب سائٹس کی ملکیت نام نہاد مسلمانوں کے پاس ہے، اور امت مسلمہ کے بیٹے اور بیٹیوں کی حیا کے جنازہ کو کندھا دے رہے ہیں، ایسے ہی افراد کے بارے میں رب تعالی کا فرمان ہے کہ:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النور:19]

ترجمہ:''بیشک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ تعالی سب کچھ جانتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے''۔

---

[3] اسرہ میگزین (عرب امارات) شمارہ نمبر 151

4 تنہائی، اکیلاپن، اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی

انٹرنیٹ اور موبائل استعمال کرنے والے افراد عموماً تنہائی پسند بن جاتے ہیں، سوشل ویب سائٹ پر ان کے ہزاروں دوست ہوتے ہیں، لیکن حقیقی زندگی میں وہ زیادہ میل جول نہیں رکھتے، اولاد کے پاس والدین کے لئے وقت نہیں ہوتا، وہ سارا دن کمپیوٹر اور موبائل، لیپ ٹاپ پر گزارتے ہیں، شوہر کے پاس بیوی کے لئے وقت نہیں بچتا، اکثر خواتین یہ شکایت کرتی نظر آتی ہیں کہ ان کے شوہر گھر آکر بھی ان کے لئے وقت نہیں نکال پاتے، ہر وقت لیپ ٹاپ یا موبائل وغیرہ پر مصروف رہتے ہیں، ان کے پاس اپنی پرائیویسی نہیں رہتی، کوئی بات کرنی ہو تو کسی نہ کسی کی کال یا میسج آجاتا ہے، باپ کے پاس اپنی اولاد کے لئے وقت نہیں، بہن بھائی بھی آپس میں زیادہ بات چیت نہیں کرتے، اور یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے، کہ ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی نہ ڈیوائس ہے، کسی کے پاس موبائل ہے تو کسی کے پاس لیپ ٹاپ ہے یا پھر ٹی وی تو موجود ہی ہے!۔

ایک سروے کے مطابق برطانیہ میں 1998 تک 12 سال سے کم عمر بچے اپنی ماں کے ساتھ دن میں کم از کم دس مرتبہ بات کرتے تھے، جبکہ سال 2010 میں یہ گفتگو سکڑ کر صرف پانچ تک رہ گئی ہے، جبکہ امریکا میں تقریباً تیس فیصد بچے ایسے ہیں جو دن میں زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ اپنے والدین سے بات کر پاتے ہیں اور دس فیصد ایسے ہیں جنہیں دو دن میں ایک مرتبہ اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے، یا تو والدین کی مصروفیت کی وجہ سے یا پھر بچوں کی مشغولیت کی بنا پر!۔

Save Our Children نامی ایک تنظیم کے مطابق اس جدید ٹیکنالوجی نے ایک ایسی نسل کو جنم دیا ہے جو تنہائی کا شکار ہے اور سماجی تعلقات نبھانا نہیں جانتی، اسی طرح اس تنظیم کے تحت ایک سروے کیا گیا جس میں اساتذہ سے سوالات کئے گئے، اساتذہ میں سے ستر فیصد کا یہ کہنا تھا کہ انٹرنیٹ پر دیر تک اور طویل وقت صرف کرنے سے طلبہ کی سماجی اور تعلیمی سرگرمیاں شدید متاثر ہوتی ہیں۔ [1]

پاکستان میں بھی یہ حالت کوئی بہت اچھی نہیں ہے، اگرچہ اس حوالہ سے کوئی مستند سروے میرے

---

[1] اہرام مصری میگزین جولائی 2007

علم میں نہیں لیکن ہمارے ہاں بھی والدین اور بچوں کی کم وبیش یہی صورتحال ہے ، بچوں کو کمپیوٹر، موبائل گیم یا انٹرنیٹ سے فرصت نہیں ، ماں کو ڈراموں سے اور باپ کو اپنی جاب یا پھر موبائل اور انٹرنیٹ کے دوستوں سے۔ بچوں کی صحیح تربیت، رشتے داروں سے صلہ رحمی کا معاملہ اور میاں بیوی کے حقوق کی ادائیگی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے جس سے ہمارا معاشرہ بڑی تیزی کے ساتھ اسلامی روایات اور دینداری سے دور ہوتا جارہا ہے، رشتہ داریاں اور خاندانی نظام ختم ہوتا جارہا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''[1]، بزرگوں کا ادب مٹ چکا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: اس شخص کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے''[2]۔

5 جسمانی اور نفسیاتی صحت پر اثرات

ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن (WHO) نے بالکل واضح طور پر یہ بات کہی ہے کہ WiFi، موبائل، لیپ ٹاپ، آئی پیڈ کا زیادہ استعمال صحت کے لئے انتہائی خطرہ کا باعث ہے اور اس سے کینسر، دماغی ٹیومر، Autism (ایک قسم کا دماغی مرض)، شوگر، دائمی تھکاوٹ، تیز بخار اور ڈپریشن جیسی خطرناک بیماریوں کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق 1980ء سے جب ٹیکنالوجی کا استعمال شروع ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں افراد کی صحت ان اشیاء سے متاثر ہوئی ہے اور بیماریوں کا پھیلاؤ بہت تیزی سے بڑھا ہے، یہ یقینا محض ایک اتفاق نہیں ہے کہ آج شوگر کے مریضوں کی تعداد بائیس کروڑ سے زیادہ ہے اور جو کہ ایک اندازہ کے مطابق 2030 تک چالیس کروڑ سے بڑھ جائے گی، پوری دنیا میں بیس کروڑ سے زائد افراد فوڈ الرجی کا شکار ہیں ، یہ تعداد گزشتہ بیس سالوں میں 6000% فیصد بڑھی ہے۔ دنیا میں 80 فیصد لوگ بے خوابی یا نیند کی کمی کا شکار ہیں، صرف امریکا میں تقریبا ایک کروڑ افراد ADHD (Attention Deficit Hypersensitivity Disorder) کے

---

[1] صحیح بخاری ، صحیح مسلم

[2] جامع ترمذی 1921

مرض کا شکار ہیں، موبائل کی ریڈی ایشن سے بھی صحت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، ہیڈ فون سے سماعت، اور سکرین کی ریز سے بصارت متاثر ہوتی ہے اور یہ تمام مسائل اس وقت بڑھ جاتے ہیں جب ان اشیاء کا استعمال کثرت کے ساتھ کیا جائے۔[1]

جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات سے بچاؤ کا طریقہ اور علاج

جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات بیان کرنے کا ہرگز بھی یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کا استعمال ترک کر دیا جائے، چھری کی تیز دھار سے خود کو محفوظ رکھنے کی نصیحت کرنے والے کا یقیناً یہ مقصد نہیں ہوگا کہ چھری کا استعمال روک دیا جائے، بلکہ مقصد صرف یہی ہوگا کہ خود کو نقصان سے محفوظ رکھا جائے، ہمارا بھی یہی مقصد ہے کہ جدید ٹیکنالوجی یقیناً انتہائی مفید ہے البتہ اس کے ضرر کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا، اور عقلمند شخص وہی ہے جو مفید چیز کا استعمال کرے اور ضرر سے خود کو بچا کر رکھے۔

جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات سے بچنے کے لئے اصل ذمہ داری گھر کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے، ہر گھر کا ایک سربراہ ہوتا ہے جو گھر کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتا ہے، وہ والد بھی ہوسکتا ہے اور بڑا بھائی یا کوئی اور بھی، بہر حال جو بھی گھر کا سربراہ ہے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ گھر کے افراد کو جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات سے بچانے کے لئے اقدامات کرے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ [التحریم: 6]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے بچاؤ''

یعنی یہ گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر والوں کی تربیت کا اہتمام کرے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ،... وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ،[2]

ترجمہ: ''تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی نگہبانی کے متعلق پوچھا

---

[1] Technology health effects. (Matthew Silverstone)

[2] صحیح بخاری 893

جائے گا۔اور آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی نگہبانی کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

گھر کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کو چاہئے کہ گھر کے کچھ اصول وضوابط مقرر کریں، کچھ اہم اصول یہ ہیں:

- گھر کے تمام افراد کم ازکم ایک وقت کا کھانا اکٹھے بیٹھ کر کھائیں، اور اس وقت تمام ڈیوائسز یعنی ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کو بند کردیا جائے، تاکہ گھر والے ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرسکیں۔
- گھر کی تمام ڈیوائسز خصوصا وہ ڈیوائس جو بچوں اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کے پاس ہو، جیسے لیپ ٹاپ کمپیوٹر وغیرہ، ان پر Parental Control کا انتظام کریں اور اس میں ایسے سوفٹ وئیر انسٹال کردیں جو غلط مواد کی دستیابی کو روک سکے۔
- کمپیوٹر، لیپ ٹاپ کے استعمال کے اوقات مقرر کریں، خود بھی اس کی پابندی کریں اور بچوں کو بھی اس کا پابند کریں۔
- بچوں کو لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، آئی پیڈ اور سمارٹ فون وغیرہ کے مفید استعمال کی ترغیب دیں، ان ڈیوائسز پر ان کی ایسی مصروفیت کا انتظام کریں جو آگے چل کر ان کے کام بھی آئے اور انہیں غلط استعمال کی طرف جانے سے روکے۔
- صرف انتہائی ضرورت کی صورت میں بچوں کو موبائل لے کردیں۔اسی طرح ایسی تمام ڈیوائسز جن کی اشد ضرورت نہ ہو اسے گھر میں نہ لائیں۔
- بچوں، نوجوان لڑکے لڑکیوں کی دینی تربیت کا خصوصی انتظام کریں، یہ ایک ایسا پہلو ہے جس کی طرف آپ کی انتہائی توجہ ہونی چاہئے، اگر بچوں کی دینی تربیت نہ کی گئی تو لامحالہ ان کے عقائد و اخلاق میں بگاڑ اور خرابی کا اندیشہ ہے۔

آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو عصر حاضر کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

انٹرنیٹ اور موبائلز کا استعمال

شرعی حدود وضوابط

جدید ٹیکنالوجی

کے ہمارے معاشرہ پر اثرات









باری تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال میں لاتے وقت درج ذیل احکامات ذہن نشین رہنے چاہئیں

① اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے رہنا

اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائیں ہیں، مالک ارض وسماء نے خود اعلان فرمایا ہے:

[وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا] [النحل:18]

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو ان کی گنتی نہیں کرسکو گے۔''

انہی نعمتوں میں سے ایک موبائل ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے مالک نعمت کی تابعداری کریں اور اپنے آپ کو اس کے حکم کے مطابق ڈھال لیں۔

② اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ

ہم اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا سبب بنائیں اور اس حیرت انگیز ایجاد کے پیچھے کارفرما ان صلاحیتوں پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں ودیعت کر رکھی ہیں، یہ سوچ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

③ نعمت کا اعتراف

ہم اس بات کا اعتراف بھی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حضور کریں کہ اس نے ہم کو یہ عظیم نعمت عطا فرمائی اس کے علاوہ کوئی طاقت نہیں جو یہ نعمت عطا کرنے والی ہو۔

④ اللہ تعالیٰ کی تعریف

ہمیں چاہیے کہ اس نعمت پر مالک کائنات کی حمد وثنا اور تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

⑤ صحیح استعمال

ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت کا صحیح استعمال کریں موبائل کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عیاشی کے لیے استعمال نہ کریں۔ اب ہم اصل موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

یاد رہے کہ معاشرے میں زمانہ قدیم سے ہی ترسیل کا عمل چلا آرہا ہے جو کہ ہر دور میں ترقی کی

جانب گامزن ہے آج ترسیل کا عمل ہماری روزمرہ زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں کمپیوٹر کی ایجاد نے روایتی ترسیل کو ترقی دے کر الیکٹرانک ترسیل میں تبدیل کر دیا ویب یعنی جال نے پوری دنیا کو اپنے دائرے میں لے لیا۔ 1991 میں ہی انٹرنیٹ عوام کے پاس آ گیا اور اس کے ساتھ ہی دنیا ایک گلوبل ویلیج (Global Village) کی شکل اختیار کر گئی۔

انٹرنیٹ کی فنی تعریف

انٹرنیٹ دراصل عالمی طور پر پھیلا ہوا کمپیوٹروں کا ایک جال ہے جس میں کروڑوں کمپیوٹر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور جب آپ اپنا کمپیوٹر انٹرنیٹ سے جوڑتے ہیں تو آپ بھی اس جال کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور اب آپ اس جال سے جڑے ہوئے دوسرے کمپیوٹر سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور بھیج سکتے ہیں آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ اس کا کوئی مالک نہیں ہے ہر شخص اس سے جڑ سکتا ہے اور اس میں اپنی مرضی سے ڈیٹا کا اضافہ کر سکتا ہے

انٹرنیٹ کے استعمال کنندوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب انٹرنیٹ استعمال کرنے کے لیے لیپ ٹاپ اور وائی فائی جیسی ٹیکنالوجی ہے اور اس سے بھی آسان اور سستی ٹیکنالوجی یعنی ٹو جی اور تھری جی ہے جس کے ذریعہ موبائل میں انٹرنیٹ استعمال کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ انٹرنیٹ موجودہ زمانے کی سب سے اہم ایجاد ہے۔ جس کا وجود انسان کی مزید ترقی اور معلومات کی فراہمی کے لیے ناگزیر ہے۔ ہر شئے کا استعمال کارآمد تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کو استعمال کرنے والا اپنی استعداد اور شئے کی افادیت کے اعتبار سے کام میں لائے۔ بیمار کو دوا سے شفا تب ہی مل سکتی ہے جب اس کا استعمال صحیح وقت اور ٹھیک مقدار میں ہو۔ چنانچہ اگر انسان کی نیت صحیح ہے اور اس کو مفید معلومات حاصل کرنی ہے تو اس کے لیے انٹرنیٹ بہت ہی مفید ہے مگر اس کی نیت صحیح نہ ہو تو غلط اور مخرب اخلاق مواد بھی انٹرنیٹ پر بکثرت موجود ہے۔ اس طرح سے انٹرنیٹ جہاں اچھی معلومات کا ذریعہ ہے وہیں فحش لٹریچر اور جنسی ہوس سے متعلق مواد، فلم، وویڈیو وغیرہ کا خزانہ بھی ہے۔

اعاذنا الله منها

انٹرنیٹ کے فوائد

انٹرنیٹ کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اگرچہ ہم مسلمان اس میدان میں بہت پیچھے ہیں جب کہ کسی زمانے میں ہم لوگ سائنس کے میدان میں یورپ والوں سے آگے تھے۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ ہم ایمیل، ای کامرس، ای بزنس، آن لائن تعلیم، فاصلاتی تعلیم، آن لائن ایگزامز، یونیورسٹی، کمپنی کی معلومات، اشیاء، اخبار ورسائل وجرائد، فلاحی وزرعی تنظیمیں، سیاسی پارٹیوں کے بارہ میں معلومات، بینکنگ اور تمام طرح کے بلوں کی ادائیگی، طبی وسائنسی معلومات، شریعت کے احکام و مسائل اور قرآن وحدیث کو سمعی وبصری شکل میں حاصل کرسکتے ہیں۔ حال ہی میں مشرق وسطی میں تیونس، مصر، لیبیا میں حکومتوں کے خلاف جو تحریکیں چلیں اس میں انٹرنیٹ کا اہم کردار رہا ہے۔ اس سے سرحدی فاصلے ختم ہوگئے اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ پوری دنیا ایک انسان کی مٹھی میں آگئی ہے۔ اگر انٹرنیٹ کا استعمال بہتر مقاصد اور تعمیری کاموں کے لیے، معلومات میں اضافے کے لیے، تعلیم وتعلم کے میدان میں ہو تو یہ باہمی تعاون کی بہترین صورت ہے کیونکہ ایسے کاموں کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے

[وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ] (المائدة:2)

”نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو۔“

انٹرنیٹ کے نقصانات

انٹرنیٹ کی خاص برائیوں میں فحش گانے، فلمیں، بے حیائی کے مناظر، اشتہارات کے نام پر بے پردگی عریانیت، بت پرستانہ ومشرکانہ رسوم، معاشی دھاندلیاں، رقومات کی دھوکے سے منتقلی، نجی معلومات کی فریب دہی، جلد دولت مند بننے کے چکر میں دھوکہ دہی، فریب دہی کے نئے نئے طریقے، دھمکی آمیز پیغامات کی ترسیل اور فحش پیغامات وفحش مواد دوسروں کو بھیجنا وغیرہ ہے۔ یہ کانوں اور آنکھوں دونوں کی لذت کا سامان مہیا کرتا ہے اس لیے لوگ اس کے دلدادہ ہیں۔ مگر ایجاد کو شرعی حدود کا پابند ہونا چاہیے کیونکہ کان آنکھ دل سب کی باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾[الاسراء:36]

''اور کان آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کی پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔''

اور اسی بے حیائی کی وجہ سے نمازیں بے اثر ہوتی جارہی ہیں۔ جب کہ نماز تو بے حیائی سے روکتی ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾[العنکبوت: 45]

''یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

اس ایجاد کا منفی پہلو یہ ہے اس کے ذریعے اسلام مخالف قوتیں ہماری تہذیب وثقافت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ تہذیب وثقافت کی شکست پوری قوم کو تباہ وبرباد کردیتی ہے۔ انٹرنیٹ کو بدقسمتی سے ہم لوگ بنا کسی روک ٹوک کے اپناتے جارہے ہیں جس کی سخت وعید ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾[لقمان:6]

''اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ تعالی سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے، ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔''

آج زیادہ تر انٹرنیٹ کا استعمال فحش و بے حیائی و اخلاقی بگاڑ کی طرف دعوت، مذہبی جذبات کو مجروح کرنے اور غلط معلومات کو پھیلانے میں ہورہا ہے۔ اگر بے حیائی وفحش فلموں اور ویڈیوز کی بات کی جائے تو اس کو دیکھنا، سننا اور پسند کرنا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم میں بے حیائی کی باتوں کو پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب کی خبر سنائی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[النور:19]

''جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، ان کو دنیا اور آخرت میں

دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ تعالی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

✳ انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے لڑکے لڑکیوں کی اخلاقی قدروں کے ساتھ ساتھ ذہنی و جسمانی صلاحیتوں پر کاری ضرب لگتی ہے چنانچہ اس سلسلے میں والدین کو ہمیشہ بیدار رہنا چاہیے کہ بیٹا یا بیٹی انٹرنیٹ پر کیا کیا دیکھ رہے ہیں۔ایک عجیب بات ہے کہ کمپیوٹر گھروں میں عموما ایک کونے اور آڑ میں رکھا ہوتا ہے۔رات رات بھر کمپیوٹر چلتا رہتا ہے اور والدین سمجھتے ہیں کہ پڑھائی ہو رہی ہے جب کہ عموما پڑھائی کے علاوہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے اور نہ والدین کو توفیق ہوتی ہے کہ وقتا فوقتا اس کو چیک کرتے رہیں۔ یا مخصوص فحش و غیر اخلاقی ویب سائٹوں کو بند کرا دیں۔بہتر ہوگا کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اس 'معلوماتی ہائی وے' پر تنہا نہ چھوڑیں۔جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو ہوش آتا ہے۔

اس وقت جب کہ انٹرنیٹ ایک اہم و بنیادی ضرورت بن چکا ہے ہم کسی کو بھی اس کے استعمال سے روک نہیں سکتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے ۔کیونکہ ہمارے پاس اس کا کوئی دوسرا بدل نہیں ہے۔معاندین اسلام نے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلامی تہذیب واقدار کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ ہمارے علمائے کرام، مذہبی وملی تنظیموں کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان ذرائع کو زیادہ سے زیادہ خیر اور نیکی کے کاموں میں استعمال کرنے کے لیے رہنمائی کریں۔

تعلیم، تجارت اور سیاست ہر جگہ اس سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ اربابِ حل وعقد کی مسلسل کوششوں سے کمپیوٹر خواندگی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ نئی نسل اس کرشماتی ٹیکنالوجی کو خوب استعمال کررہی ہے۔انٹرنیٹ کے فوائد اور اس کی فراہم کردہ سہولتوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک مفید ایجاد ہے لیکن غلط استعمال سے ایک مفید ذریعۂ معلومات خرابیوں کا سرچشمہ بھی بنتا جارہا ہے۔ اس سے گوناگوں مسائل پیدا ہورہے ہیں۔اس کے برے اثرات سے بچنے کی تدابیر نہیں کی گئیں تو انسانیت کو زبردست خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلنے والی برائیوں کی فہرست طویل ہے۔ ان میں پورنوگرافی (Pornography) سرفہرست ہے۔نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد انٹرنیٹ کا غلط استعمال کرتی

ہے۔جنسی جذبات کی برانگیختگی اور جذبۂ شہوت کی تسکین کا سامان نوجوان انٹرنیٹ سے حاصل کرتے ہیں۔''فرینڈ شپ کلب'' بھی جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہیں۔''ویب کیمرہ'' کے ذریعے زنا تک کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔انٹرنیٹ کے ذریعے'' آن لائن قحبہ گری'' کا پیشہ بھی چلایا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ وغیرہ سے مجازی جنسی عمل (Virtual Sex) کرتے کرتے حقیقی عمل تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔نتیجتاً زنا کی کثرت ہوگئی ہے۔طلب لذت اور تسکین شہوت کے لیے جنسی عمل کا رجحان بڑھتا ہے تو خاندان تباہ ہوجاتے ہیں۔مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کی عبرت ناک مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

یادرکھیں! جنسی بے راہ روی، ذہنی سکون اور قلب کا اطمینان چھین لیتی ہے۔اس طرح کی برائی میں ملوث افراد ڈپریشن (Depression) کا شکار ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات خودکشی کی نوبت آجاتی ہے۔شہوت اور نفسانی خواہشات کا ذہن پر جب ہر وقت دباؤ رہنے لگتا ہے تو قوت فکر متاثر ہوتی ہے اور ذہنی استعداد میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ذہن پر فحاشی کے مسلسل حملے سے طلبہ احساس محرومی (Frustration) کا شکار ہوجاتے ہیں۔چڑچڑے پن کا غلبہ ہوتا ہے جسکی بنا پر وہ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کے ساتھ برے سلوک سے پیش آتے ہیں۔

بچوں کا جنسی استحصال

چائیلڈ پورنوگرافی ایک ایسا سنگین جرم ہے جس کی سنگینی کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔انٹرنیٹ بچوں کی دسترس میں آجانے کی وجہ سے بچے جنسی جرائم کا نشانہ بن رہے ہیں۔بچوں میں انٹرنیٹ کے استعمال کی بڑھتی ہوئی عادت سے بچوں سے جنسی تلذذ حاصل کرنے والے مجرمین کے لیے سازگار مواقع بے حد بڑھ گئے ہیں۔

انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی اور عریانیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے قوانین کافی نہیں ہیں اس کے لیے اخلاقی قدروں کے احترام کے جذبے کو ابھارنا ضروری ہے۔خواہش نفس کی پیروی کا جذبہ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ اسے آسانی سے زیر نہیں کیا جاسکتا۔ضرورت ہے کہ انٹرنیٹ کی گذشتہ تباہ کاریوں کو زیر بحث لاکر سماج کو اس کی مزید برائیوں سے بچانے کی فکر کی جائے۔

ٹیکنالوجی سے فائدہ ضرور حاصل کیجیے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح اور غلط استعمال کے فوائد اور نقصانات کو بھی پیش نظر رکھیں اور اچھے لوگوں کی صحبت میں رہیے۔

فیس بک

آج کل سوشل نیٹ ورکنگ کا چلن فروغ پا رہا ہے۔ جیسے فیس بک، ٹوئیٹر اور گوگل پلس، یوٹیوب اور یاہو وغیرہ۔ جس میں سب سے زیادہ فیس بک کا استعمال ہو رہا ہے۔ فیس بک ایک امریکی نوجوان طالب علم 'مارک زکر برگ' اور اس کے ساتھیوں نے ہارڈ ورڈ یونیورسٹی میں اپنے دوستوں کے لیے قائم کیا تھا مگر چند دن ہی میں اس کو پورے برطانیہ میں مقبولیت حاصل ہوگئی اور 2005 تک یہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اس وقت 845 ملین سے زائد افراد اس کو استعمال کرتے ہیں۔ عموماً فیس بک کا استعمال لڑکے لڑکیوں کو نشے کی لت کی طرح لگ جاتا ہے اور اس میں نئی نئی دوستیاں صنفِ مخالف سے ہوتی ہیں اور پھر معاملات پیار، شادی اور زنا تک پہنچ جاتے ہیں۔ فیس بک کی وجہ سے غیر مذہب میں شادی اور طلاق کے رجحان میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔

✷ فیس بک کی دنیا میں آپ اپنی بات کا اظہار اور ابلاغ، لکھ کر اور زبانی طور پر chatting دونوں طرح کر سکتے ہیں اور ابلاغ کے ان ذرائع میں لوگوں کیلئے فائدہ ونقصان دونوں کا امکان ہے۔ مگر انکے علاوہ اور بہت سے پہلوؤں سے یہ ویب سائٹ اسی طرح کی دیگر ویب سائٹس سے درج ذیل وجوہات کی بنا پر امتیازی حیثیت رکھتی ہے:

فیس بک استعمال کرنے والوں کی ذاتی معلومات تک رسائی ہونا اور وہ بھی اس طریقے سے کہ معمولی جان پہچان رکھنے والے دو افراد بلکہ اجنبی بھی بغیر باہمی گفتگو کیے اور ایک دوسرے سے ملے بغیر، پوری تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے کی ذاتی دلچسپیاں، ذاتی تصاویر، تعلیم، خاندان، ذریعہ معاش، معاشی حالت، دوست واحباب، پسند، ناپسند، ماضی اور حال کی سرگرمیوں اور ماحول، عالمی و مقامی خبروں پر اس کے تبصرے اور آراء عموماً بغیر اس سے دریافت کیے معلوم کر سکتا ہے۔ عالمی سیاست میں بھی فیس بک کا نام کوئی اجنبی نہیں ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں سیاستدان، کھلاڑی، فنکار اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی مہم کو آگے بڑھانے کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ بہت سی اہم شخصیات اپنے نظریات کے فروغ، مداحوں سے رابطے کے لیے فیس بک کا سہارا لیے ہوئے ہیں۔

فیس بک کے منفی پہلو

اس ویب کے استعمال کے منفی اور ناخوشگوار نتائج پہلے ہی سامنے آچکے ہیں۔ کچھ مثالیں ہم یہاں درج کیے دیتے ہیں۔

1. **سماجی تعلقات استوار کرنے کی سہولت** نے دو محبت کرنے والے افراد (یعنی لڑکا اور لڑکی) کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے خاندان کے علم میں لائے بغیر اپنے پرانے تعلقات کو پھر سے بحال کر لیں۔ نتیجہ یہ کہ ناشائستہ اور غیر شرعی روابط کا پھر سے آغاز ہوتا ہے اور نوبت لڑکا یا لڑکی کی موجودہ شریکِ حیات سے بے وفائی اور بالآخر طلاق تک جا پہنچتی ہے۔
مصر کے سرکاری ادارے ''قومی تحقیقی مرکز برائے معاشرتی وسماجی جرائم'' کی ایک ٹیم نے فیس بک ویب سائٹ پر اپنے متعدد ہفتوں کے مطالعہ کے بعد ایک تحقیقی رپورٹ تیار کی ہے جس میں انھوں نے اس ویب سائٹ کو استعمال کرنے کے نتیجے میں معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات کے سنگین نتائج کو یکجا کیا ہے۔ بہت سی اہم باتوں کے علاوہ انھوں نے نوٹ کیا کہ ''اس ویب سائٹ کے بہت سے وزیٹرز اپنی پہلی محبت کو پانے اور سابقہ تعلقات کو بحال کرنے میں کامیاب ہوگئے اور یوں انہوں نے اپنے خاندان سے باہر غیر شرعی اور ناشائستہ تعلقات کو ازسرِ نو استوار کرلیا۔ یہ صورتحال ایک مسلمان خاندان کی زندگی اور شادی جیسے مضبوط خاندانی رشتے کیلئے بہت خطرناک ہے۔''

2. **کچھ غیر ملکی جاسوسی ایجنسیوں** نے فیس بک کے کچھ ممبرز کو خود ان کے اپنے بارے میں انہی کی مہیا کردہ تفصیلات دیکھ کر، جس سے ان کی معاشی صورتحال، سماجی رتبے اور روزمرہ کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تھا، ان تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر قانونی ہتھکنڈوں کے ذریعے انھیں مجبور کیا کہ وہ ان کیلئے جاسوسی کی خدمات سرانجام دیں۔
ایک غیر ملکی اخبار نے ایک ایسے یہودی جاسوسی نیٹ ورک کا کھوج لگایا جو خاص طور پر مسلمان اور عرب ممالک کے نوجوانوں کو جاسوسی کے کام کیلئے بھرتی کرتا تھا۔ محیط ویب سائٹ پر ایک

فرانسیسی اخبار (25 جمادی الاولی 1431ھ) کے حوالے سے ان یہودی ہتھکنڈوں کی کہانی بیان کی گئی جن کے ذریعے یہودی، فیس بک ممبرز کو اپنے اداروں کیلئے انھیں ڈرا دھمکا کر، بلیک میل کر کے یا لالچ دے کر جاسوسی کے کام پر مجبور کرتے ہیں اور بالآخر انھیں اپنا ایجنٹ بنا لیتے ہیں۔

3 لوگوں سے جان پہچان بنانے کیلئے طویل گفتگو کے نتیجے میں قیمتی وقت کا ضیاع

عقلمند مسلمان کو احساس کرنا چاہیے کہ اس کی زندگی کا دورانیہ مختصر ہے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ آخرِ کار ایک دن اسے اپنے پروردگار سے ملنا ہے جو اس سے پوچھے گا کہ میں نے تمھیں جوانی دی، تو اس متاعِ عزیز کو کہاں خرچ کیا؟ تمھیں زندگی بخشی، تو کہاں صرف کی اور کیسے گزاری؟ سو صاحبِ بصیرت کو سوچنا چاہیے کہ اس امت کی پہلی نسلیں اور اس امت کے علماء اس زندگی اور اس کی قلیل مدت کے بارے میں کیا سوچا کرتے تھے؟

امام ابنِ عقیل حنبلی رحمہ اللہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ''مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کروں، اس لیے جب میں تقریر و تدریس اور علمی بحث و مباحثہ سے فارغ ہوتا ہوں یا جب میں کتاب پڑھنا بند کرتا ہوں تو آرام کے لیے لیٹتے ہی میں نئے خیالات کے لیے غور و خوض اور سوچ و بچار شروع کر دیتا ہوں اور جو علمی نکات میں اپنے درس اور کتابوں کے لیے اکٹھے کرتا ہوں، ان کو اپنی استراحت کے دوران ہی عمیق غور و فکر سے پختہ کر لیتا ہوں۔ اور میں اپنا علم بڑھانے میں بہت ہی زیادہ حریص ہوں۔ اب جبکہ میری عمر 80 برس ہے تو میرا علم کی تحصیل کا شوق اس وقت سے بھی زیادہ بڑھ چکا ہے جب میری عمر صرف بیس (20) برس تھی۔''[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آدمی کا تمام وقت اس کی دنیاوی زندگی اور ہمیشہ کی زندگی میں محصور ہے۔ اب یہ ہمیشہ کی زندگی اس کے لیے ہمیشہ کی رحمت بنتی ہے یا زحمت، اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اسے کس طرح گزارتا ہے۔ وقت سرعت رفتار سے گزر جاتا ہے۔ اب اگر وہ شخص اس وقت کو اللہ کی مدد سے اللہ کی رضا کے حصول میں صرف کرے تو اس کا وہ وقت جو اس نے فضول میں گنوا دیا تو وہ اس کے کھاتے

---

[1] منقول از: المنتظم فی تاریخ الامم والملوک (ص181، ج 17) مولفہ ابن جوزی رحمہ اللہ

میں نہیں لکھا جائے گا۔اور اگر وہ شخص جانوروں کی طرح اس وقت کو گزارے، سستی، کاہلی، غفلت ،فضول عیاشیوں اور نفس کی بے لگام خواہشات پوری کرنے میں ہی سارا وقت برباد کردے اور صورتحال یہ ہو کہ اگر اس کے وقت کا قیمتی ترین حصہ علیحدہ کیا جائے تو وہ اس کے سونے اور کاہلی و غفلت کے حصے میں آئے تو پھر ایسی زندگی سے تو موت اس کے لیے بہتر ہے۔[1]

4 **مردوں اور عورتوں میں ناجائز تعلقات کا قائم ہونا** جو بالآخر ایک مستحکم خاندان کی بربادی کی وجہ بنتے ہیں۔مصر کے قومی مرکز کے مطالعے میں کہا گیا ہے کہ:

''طلاق کے ہر پانچ میں سے ایک کیس کی بنیادی وجہ یہ سامنے آئی کہ زوجین (شوہر بیوی) میں سے ایک کو اس بات کا پتہ چلا کہ اس کے ساتھی نے انٹرنیٹ اور فیس بک کے ذریعے اپنی پرانی محبت کو ڈھونڈ نکالا ہے اور اب ان کے درمیان دوبارہ عشق و محبت کے تعلقات بحال ہو گئے ہیں''۔

فیس بک کے مثبت پہلو

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ویب سائٹ کو استعمال کرنے میں بہت سے فائدے بھی ہیں، جن سے صاحب بصیرت اور عقلمند لوگ مستفید ہوتے ہیں اور جو لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے کے بے حد خواہشمند ہیں۔ایسے لوگ اپنے نیک مقاصد کیلئے ابلاغ کے جدید ترین ذرائع کو بہت خوبی اور ذہانت سے استعمال کرتے ہیں جیسے انٹرنیٹ، موبائل فونز اور سیٹلائٹ چینلز وغیرہ۔ یہ لوگوں کی زندگیوں میں داخل ہو کر ان کو ان کے دین اور ان کے رب کی طرف بلاتے ہیں، یوں دین کی بخوبی خدمت کرتے ہیں۔خصوصا اجتماعی طور پر کی گئی ایسی تمام سرگرمیاں قابل تحسین ہیں جو نیک مقاصد کے حصول کے لیے جدید ذرائع کو بطور چینل کے استعمال کرتی ہیں اور اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اجتماعی سرگرمیوں کی نسبت اس قسم کی انفرادی کوششوں کو جدید ذرائع ابلاغ میں زیادہ مزاحمت درپیش ہوتی ہے۔فیس بک ویب سائٹ کی مفید باتوں میں سے چند یہ ہیں:

1 کبار علماء اور داعیین کے ذاتی ویب پیجز، جس میں لوگوں کے لیے پند و نصائح کے علاوہ ان کو

---

[1] الجواب الکافی ، ص109

درپیش مسائل کے احسن جوابات دیئے جاتے ہیں۔خصوصاوہ پیجز جو کسی ٹیم ورک کی صورت میں کام کررہے ہیں۔ کیونکہ ٹیم ورک کی صورت میں اس ٹیم کی قیادت ،گروپ کے بانی اورٹیم ممبرز میں مضبوط سماجی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ٹیم ممبرز متنوع دینی ،سماجی ،ثقافتی ،سیاسی وتعلیمی موضوعات پر اظہارخیال کرتے ہیں۔تصاویر ،آڈیو اور ویڈیو کلپس ،مفید مضامین ،مختصر ولمبی تحریروں اور کتابوں کے لنکس ،اچھی ویب سائٹس کے لنکس ،مختلف موضوعات پر تبصرہ واظہار خیال ،آپس میں مشورہ ،تعمیری بحث مباحثہ اورگروپ کی صورت میں سوال وجواب کی تیز وآسان سہولیات اس ویب سائٹ کی ایسی خصوصیات ہیں جو اسے نہ صرف تکنیکی طور پر اس طرح کی دیگر ویب سائٹ سے ممتاز کرتی ہیں بلکہ اس ویب سائٹ کو استعمال کرنے کا جواز بھی عطا کرتی ہیں۔

2. بین الاقوامی اداروں اورکمپنیوں کا اس ویب سائٹ کے استعمال کنندگان کو عالم اسلام میں درپیش واقعات کی خبر رسانی ،مقبوضہ علاقوں کی صورتحال سے آگاہی ،عالم اسلام کی مزاحمتی قوتوں کی اپ ڈیٹس فراہم کرنا ،خصوصاان خبروں کو جنھیں اسلام دشمن میڈیا خصوصی طور پر نظر انداز کرتا ہے، جنھیں بہ زور دبا دیا جاتا ہے یا ایسی خبروں کے سورسز یعنی میگزین ،ویب سائٹ ،فورم وغیرہ کو بلاک کردیا جاتا ہے۔
3. مفید، کارآمد اور معلوماتی کتابوں ،مضامین اور ویب سائٹس کو دوسرے ویزیٹرز تک پہنچانا۔
4. دوستوں ،رشتے داروں اور خصوصاان لوگوں سے جو دور دراز مقامات پر ہیں سے بات چیت اور گفتگو کے آسان مواقع فراہم ہونا۔تعلقات کو قائم ودائم رکھنے اور رشتوں کو مضبوط بنانے میں باہمی ربط بہت اچھا اثر ڈالتے ہیں اور اس کی اسلام میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

فیس بک میزان شریعت میں

فیس بک کا ممبر بننے کے حوالے سے جہاں تک شرعی حکم کا تعلق ہے یہ بات اس شخص کی نیت پر منحصر ہے، جو اس کا رکن بننا چاہ رہا ہے۔اگر تو وہ کوئی صاحب علم ہے، یا کسی دعوتی گروپ کا حصہ ہے تو پھر اس بات کی اجازت ہے اور ان فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اس ویب سائیٹ کی طرف سے

لوگوں کو دیئے جا رہے ہیں، یہ عمل مفید بھی ہے۔لیکن اس شخص کے لیے جو اسے تخریبی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے یا ان افراد کے لیے جن کے بہکنے کی یا کسی تخریبی گروہ کا حصہ بن جانے کی یا دیگر مخرب اخلاق سرگرمیوں میں مشغول ہونے یا فتنوں میں مبتلا نہ ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، خصوصا نوجوان لڑکے اورلڑکیاں؛ تو ایسے افراد کے لیے شرعاً اس کا رکن بننے کی اجازت نہیں ہے۔

وہ شخص جو حقائقِ وقت سے آگاہ ہے، اور اس صنعتی دور کی پیدا کردہ تعیّشات، منہ زور خواہشات، حلال حرام کی تفریق کیے بغیر لذتوں کی طلب، خاندانی وسماجی رشتوں کے کمزور ہوتے بندھن، اور وہ فتنے جو ہم سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں ان سے بخوبی آگاہ ہے؛ تو ایسی صورتحال میں وہ کسی فقیہ یا مفتی پر اعتراض نہیں کریگا جو کسی ایسی شے سے منع کر رہے ہیں جس میں جزوی یا کلی طور پر نقصان کا اندیشہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کسی شے میں موجود قلیل فائدہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اب مکمل طور پر جائز ہوگئی ہے کیونکہ کسی بھی شخص کے لیے یہ خدشہ ہمیشہ موجود رہے گا کہ وہ اس شے کے قلیل فائدے سے صرفِ نظر کرکے اس کے کثیر نقصان میں مبتلا ہو جائے خصوصا جبکہ غیر شرعی لذتوں اور فتنوں کی طرف شیطان ہمہ وقت انسان کو بھٹکاتا رہتا ہے۔اگر کسی شے کے اچھے اور مفید طلب پہلو زیادہ ہیں اور برے اور نقصان دہ پہلو کم ہیں تب ہی ہم مکمل وثوق اور اطمینان کے ساتھ اس چیز کے جائز ہونے کا حکم دے سکتے ہیں۔

وہ شخص جو فیس بک اور اس طرح دیگر ویب سائٹس پر اپنے آپ کو غیر شرعی امور کے ارتکاب سے بچا نہیں سکتا اور اپنے نفس پر قابو نہیں پا سکتا، تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان ویب سائٹس کا حصہ بنے۔ یہ جواز صرف اسی شخص کے لیے مخصوص ہے جو شرعی رہنمائی کے مطابق انھیں استعمال کرے، اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور اپنی خواہشات کو کنٹرول کر سکے اور جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ ان ویب سائٹس کے استعمال سے اپنی ذات کو نفع پہنچائے گا اور دوسرے اس کی ذات سے فائدہ اٹھائیں گے۔

فیس بک استعمال کرنے کے سلسلے میں اصلاحی اقدامات

ان سب خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ اگر کوئی بھی شخص فیس بک استعمال کرنا چاہے یا کر رہا

ہوتو ان کو کچھ آداب ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔فیس بک چونکہ اس وقت مقبول ترین سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ ہے،اس لیے ہرکوئی اس ویب سائٹ پر موجود ہوتا ہےفیس بک کو بہتر انداز میں استعمال کرنے کے درج ذیل آداب ہیں:

① پہلے تولو پھر بولو

کوئی بھی چیز شیئر یا نشر کرنے سے پہلے ایک بار ضرور سوچ لیں کہ کہیں آپ کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں،اس لیے کچھ بھی شیئر کرنے سے پہلے ایک دفعہ ٹھنڈے دماغ سے سوچ لینا ضروری ہے۔ بالخصوص دینی معلومات پر مبنی پوسٹ کی اچھی طرح تصدیق کریں کہ یہ مستند بات ہے اور صحیح شرعی حکم ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان وافتراء کے زمرے میں آئے گا جس کی ترویج آپ کی وجہ سے ہورہی ہے۔

② ذاتی باتیں پیغامات تک محدود رکھیں

فیس بک ایک عوامی پلیٹ فارم ہے۔اگر آپ نے کوئی ذاتی بات لکھ دی تو آپ کو اندازہ نہیں وہ کہاں تک پہنچ سکتی ہے اس لئے ذاتی باتیں پیغامات تک محدود رکھیں ان کو شیئرز کرنے سے گریز کریں۔

③ ذاتی خبریں فون کے ذریعے دیں

ذاتی خبر چاہے خوشی کی ہو یا غم کی،اپنے قریبی دوستوں کو بذریعہ فون یا ایس ایم ایس دیں۔اس کے علاوہ سنی سنائی خبریں جن کے مستند ہونے کی آپ کو خبر نہ ہو فوراً شیئر یا نشر کرنے سے پہلے فون پر تصدیق ضرور حاصل کریں۔

④ تبصروں پر مناسب جواب دیں

⑤ ہر پوسٹ پر تبصرہ کرنے سے گریز کریں

⑥ اپنے لہجے کا خیال رکھیں

لکھی ہوئی بات کے پڑھنے اور بولی ہوئی بات کے سننے میں بہت فرق ہوتا ہے اس لیے اپنے

لہجے کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

⑦ اجنبی لوگوں کو دوستی کے پیغام ہرگز نہ بھیجیں

⑧ ذاتی تشہیر نہ کریں

انسانی مزاج مختلف ہوتے ہیں، ہر پڑھنے والا ضروری نہیں کہ آپ کی ہر پوسٹ سے لطف اندوز ہو جائے۔

⑨ دوسروں کی رائے کا احترام کریں

انٹرنیٹ کی دنیا میں ہر کوئی آزاد ہے، ہر انسان اپنی الگ رائے رکھتا ہے، اس لیے فیس بک پر اپنی رائے کا اظہار کرنے میں سب ہی آزاد ہیں۔ دوسروں کی کسی بات سے اگر آپ کو اتفاق نہیں تو اس کو بُرا بھلا کہنے کے بجائے آگے چلیں، اس میں بہتری ہے اور اگر اس کی سوچ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے تو اسے احسن طریقے سے سمجھائیں۔

⑩ پرائیویسی سیٹنگ بار بار چیک کریں

آپ کے علاوہ قریبی دوستوں، رشتے دار، جان پہچان کے لوگ دفتر کے ساتھی فیس بک پر ایڈ ہوتے ہیں۔ اس لیے کچھ بھی شیئر کرنے میں یہ دھیان رکھیں کہ آپ کی پوسٹ کن لوگوں تک پہنچے گی۔

فیس بک ایک خطرناک دو دھاری تلوار ہے، اسے احتیاط سے استعمال کرنا ہی عقل مندی کا تقاضا ہے۔

⑪ رضائے الٰہی کے لئے اجنبی لوگوں کو (Friend) بنانا جبکہ رشتہ داروں کو (Friend) بناتے ہوئے صلۂ رحمی کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔

⑫ غیر مسلموں کو حکمت وبصیرت کے ساتھ اسلام کی دعوت دینا۔

⑬ دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کی نیت سے مستند ومحقق دینی پیغامات ٹائم لائن پہ لگانا۔

⑭ سب سے پہلے اپنی اور پھر ساری انسانیت کی اصلاح کی کوشش کرنا۔

⑮ کارِ خیر میں حصہ ڈالنے اور نیکی کی حوصلہ افزائی کے لیے اچھی پوسٹ لائک اور شیئر کرنا۔

⑯ فحش، غیر اخلاقی اور فضول چیزوں سے دُور رہنا۔

⑰ نامناسب (comment) گالم گلوچ کے ذریعے لوگوں کی دِل آزاری سے بچنا، نیز بداخلاقی کے جواب میں بھی ہمیشہ عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرنا۔

⑳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی، صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار، ائمہ کرام اور اکابرین امت کا پُرزور دفاع کرنا۔

⑲ اشتعال انگیزی، فرقہ واریت، لسانیت، عصبیت اور قوم پرستی کے ناسور سے بچنا۔

⑳ آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں کے غلط استعمال سے بچنا۔

موبائل کے فوائد، نقصانات اور شرعی ہدایات وآداب

ٹیلی فون اور موبائل کا استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ یہ ہر گھر، دکان اور دفتر کی زینت بن گیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جس کے پاس موبائل کی سہولت یا ٹیلی فون وغیرہ نہ ہو اس کو حسرت وحیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ٹیلی فون اور موبائل کی ایجاد نے نسل انسانی کو بہت سے فوائد پہنچائے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

① والدین کے ساتھ حسن سلوک

آج مادیت پرستی نے بنی نوع انسان کو اعلیٰ اقدار سے یکسر کر محروم کر دیا ہے اور لوگ دنیاوی مسائل میں اس قدر مصروف ہو چکے ہیں کہ والدین کے پاس حاضری اور ان کی خدمت کا موقع خال خال ہی نصیب ہوتا ہے۔ ٹیلی فون اور موبائل کی موجودگی نے ایک حد تک اس مشکل کو کم کر دیا ہے کہ انسان ہر وقت اور ہر جگہ اپنے والدین کے ساتھ رابطہ کر سکتا ہے کیونکہ والدین کی رضا مندی حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ [بنی اسرائیل :23]

''اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

2 صلہ رحمی

دین اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے کہ آج قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہمارے روابط منقطع ہیں اور ہم سالہا سال تک ان کی خبر گیری نہیں کرتے ، فقط شادی یا غمی میں رسمی سی ملاقاتیں باقی رہ گئیں ہیں ، صلہ رحمی جو کہ انسان کی عمر اور رزق میں برکت اور اضافہ کا سبب ہے ، سے ہم کوسوں دور ہیں شاید ہی کوئی خوش نصیب ہو جس کے تعلقات رشتہ داروں کے ساتھ مضبوط ہوں ، موبائل اس بیماری سے نجات کے لیے بہت ہی معاون ثابت ہوا ہے ۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللهُ" [1]

''قرابت داری (قیامت کے دن) عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور کہہ رہی ہوگی جس نے مجھے ملایا اسے اللہ ملائے اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے توڑے ۔''

3 گھریلو حالات سے آگاہی

معاشرتی زندگی کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی انسان ہر وقت اپنے گھر میں موجود نہیں رہ سکتا اسے کسی نہ کسی غرض کی بنا پر گھر سے دور جانا پڑتا ہے جہاں فطری طور پر وہ گھریلو حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتا ہے جس قدر آج انسان کو اپنے گھر میں رابطہ کرنا آسان ہے شاید ایسے پہلے کبھی نہ تھا اگرچہ ڈاک اور تار وغیرہ کا نظام تو صدیوں سے چلا آرہا ہے مگر جدید ٹیکنالوجی نے اس میدان میں کمال سہولت پیدا کر دی ہے ، موبائل کے ذریعے ایک منٹ کے اندر آپ اپنے گھریلو حالات سے باخبر ہو سکتے ہیں ۔

4 دوستوں سے رابطہ

مخلص اور باوفا دوست انسان کے لیے نعمت خداوندی سے کم نہیں جو اس کی خیر خواہی کریں اور پورے اخلاص کے ساتھ اس سے ہمدردی کریں ، موبائل اس دوستی کو زنگ آلود ہونے سے بچانے کا ذریعہ ہے ۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب صلة الرحم

5 تعزیت

موت ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس سے فرار کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ انسان اس دھوکہ میں مبتلا رہتا کہ اگرچہ فلاں آدمی تو دنیا سے چلا گیا ہے تو کیا ہوا ابھی میں تو زندہ ہوں اور میری باری نہیں آئی۔ وہ اس زعم باطل میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ بعض دفعہ رشتہ داروں اور جاننے والوں کے ہاں تعزیت کے لیے بھی حاضر نہیں ہوتا، موبائل نے تعزیت کا عمل بھی آسان کر دیا ہے۔

6 مریض کی خیر گیری

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اگر وہ بیمار ہوجائے تو وہ اس کی تیمارداری کرے خصوصاً جب مریض کے ساتھ قریبی رشتہ داری، دوستی یا جان پہچان ہو اگر کسی مصروفیت کی بنا پر انسان خود تیمارداری کے لیے نہ جا سکتا ہو تو موبائل کے ذریعے اس فرض کو ضرور انجام دے۔

7 مبارکباد

خوشی کے موقع پر اپنے جاننے والوں کو مبارکباد دینا اخلاقی ذمہ داری ہے جیسا کہ کوئی حج کر کے آیا ہو، شفایاب ہوا ہو، کوئی عزیز شادی کر رہا ہو، کوئی امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا، کسی کے ہاں بچہ کی پیدائش ہوئی ہو یا کسی کو کوئی کامیابی ملی ہو تو موبائل کے ذریعے فوراً مبارکباد دی جا سکتی ہے۔

8 کاروباری رابطے

آج کل اکثر کاروباری معاملات موبائل ہی کے ذریعے طے کیے جاتے ہیں۔ لین دین کے امور اور تجارتی سرگرمیوں کا بہت زیادہ انحصار موبائل پر ہے، اس سے جہاں سرمایہ اور وقت بچتا ہے وہاں آنے جانے کی کوفت سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

9 ایمرجنسی میں مدد

شہروں میں اکثر حادثات جنم لیتے ہیں کہیں پر آگ لگ جاتی ہے تو کہیں روڈ ایکسیڈنٹ دیکھنے کو ملتا ہے کہیں کوئی عمارت گر جاتی ہے تو کہیں کوئی بچہ کھلے مین ہول کا لقمہ بن جاتا ہے، ایسے میں فائر

بریگیڈ، ریسکیو یا محکمہ شہری دفاع کے دیگر اداروں کو ایمرجنسی اطلاع دینے کا واحد ذریعہ موبائل ہی ہے۔

موبائل کے نقصانات

موبائل کے فوائد کی طرح نقصانات بھی بے شمار ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ درج ذیل سطور میں کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

1 دوسروں کے گھروں میں جھانکنا

موبائل کا ایک زبردست نقصان یہ ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں کے گھروں میں جھانکنا، داخل ہونا اور گھر کی خواتین سے راہ رسم بڑھانا اس قدر آسان ہو گیا کہ کسی قسم کی کوئی مشکل باقی نہیں رہی اور غلط قسم کے لوگ دوسروں کی عزتوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے اس کا استعمال کھلے بندوں کر رہے ہیں۔

2 نمازوں میں موسیقی

موبائل کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ عبادت کی روح متاثر ہو رہی ہے شاید ہی کسی نماز میں موسیقی ٹونز سننے کو نہ ملتی ہوں، کبھی کسی کا فون بج اٹھتا ہے اور کبھی کسی کے موبائل سے گانے کی آواز بلند ہو جاتی ہے، یہ چیز جہاں نمازیوں کے لیے تشویش اور پریشانی کا باعث ہے وہاں مسجد کے تقدس کو پامال کرنے کا بھی سبب ہے۔اس عمل کا شمار گناہ میں ہوتا ہے۔

3 اجتماعی زندگی میں کمی

موبائل کا ایک زبردست نقصان یہ بھی ہے کہ اجتماعی زندگی کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے، شادی، غمی اور ایسے مواقع پر جہاں لوگوں کا اجتماع ہونا چاہیے وہاں ٹیلی فونک رابطوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔اگر شریک محفل ہو بھی جائیں تو اکثر حاضرین موبائل میں مصروف رہتے ہیں۔

4 جرائم میں اضافہ

موبائل فون کی وجہ سے جرائم میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے اور جرائم پیشہ افراد موبائل رابطوں کے ذریعے جرائم کی منصوبہ بندی اور وارداتیں بڑی آسانی کے ساتھ کرتے ہیں۔

5 نام نہاد آزادی

موبائل کو نام نہاد آزادی کی علامت بنایا جارہا ہے۔نوجوان لڑکیوں،لڑکوں اور بچوں کے ہاتھ میں موبائل تھمادیئے گئے ہیں جو کہ ذہنی پختگی نہ ہونے کی وجہ سے بڑی آسانی سے گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں۔ایک اخباری رپورٹ کے مطابق 54 فی صد عورتوں کا کہنا ہے کہ وہ موبائل اس لیے استعمال کرتی ہیں کہ گھروالوں سے بچ کر دوسروں سے رابطہ کرسکیں۔

6 بداخلاقی کارواج

موبائل فون میں فحش گوئی،غیر اخلاقی گفتگو اور غلط میسج بھیجنا ہمارے نوجوانوں نے دل پسند مشغلہ بنارکھا ہے جس سے اخلاقیات کا جنازہ نکل رہا ہے اور ہمارا معاشرہ مغربی طرزِ حیات میں ڈھلتا جارہا ہے۔

7 فضول خرچی

موبائل پر گھنٹوں گھنٹوں لایعنی اور عشقیہ باتیں کی جاتی ہیں،بیلنس لوڈ کروایا جاتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے،پھر لوڈ کروایا جاتا ہے یہ فضول خرچی ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

8 تعلیمی حرج

دوران کلاس Students کے فون آتے ہیں وہ یا تو اجازت لیے بغیر کلاس روم سے باہر چلے جاتے ہیں یا پھر اجازت حاصل کرتے ہیں جس سے تدریس کے عمل میں تعطل آتا ہے اور ویسے بھی Bell بجنے سے پوری کلاس پریشان ہوتی ہے۔

9 Data Copy (ذاتی معلومات کی خفیہ منتقلی)

موبائل فون کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اگر آپ کے موبائل میں پرائیویٹ Data ہے،مثلاً: گھریلو خواتین کی تصویریں،ویڈیو وغیرہ اور آپ دکان پر Ring tone بھروانے یا کسی اور غرض سے موبائل لے کر جاتے ہیں تو دکاندار آپ کے میموری کارڈ کا Data بڑی چالاکی سے Copy (نقل) کرلیتا ہے اور اسے اپنے دوستوں کے موبائل میں Feed (ڈال) کردیتا ہے وہ لوگ ان

تصاویر کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں۔

موبائل فون استعمال کرنے کے آداب

موبائل فون عصر حاضر کی ایجادات میں سے ایک گرانقدر اور بیش قیمت نعمت ہے جس کے دستیاب ہونے سے لوگوں کے اندر بہت ساری سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، اِس سے وقت اور مال کی بچت ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ اور اس جیسی دوسری نعمتوں کے استعمال کے وقت ایک مسلمان کو اللہ کا شکر بجا لانا چاہئے اور ایک حد میں رہتے ہوئے اسکا جائز استعمال کرنا چاہیے اور ناجائز استعمال سے بچنا چاہئے، کیونکہ کل قیامت کے دن ہم سے ایک ایک نعمت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾[سورة التكاثر:8]

''پھر تم سے قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا''۔

اس لیے ایک انسان کو چاہیے کہ وہ بحیثیت مسلمان اپنی زندگی کے سارے معاملات میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو اپنا اسوہ اور نمونہ بنائے۔سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بہت عمدہ بات کہی ہے:"اِنِ اسْتَطَعْتَ أنْ لا تُحِکَّ رَأسَکَ اِلا بِأثَرٍ فَافْعَلْ" [1]

''اگر تمہارے لیے ممکن ہو سکے کہ کسی اثر (حدیث یا سلف امت سے منقول روایت) کی بنیاد پر ہی اپنا سر کھجلاؤ تو ایسا کر گذرو''۔

مفہوم یہ ہے کہ ایک مسلمان کا ہر عمل چاہے اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہی کیوں نہ ہو سنت نبوی کا آئینہ دار ہونا چاہیے تو موبائل فون کے تعلق سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ اُس کے استعمال کے آداب کو ہم جانیں۔تو لیجئے ذیل میں موبائل فون سے متعلقہ چند آداب پیش خدمت ہیں:

---

[1] الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ص 142

فون کرنے سے پہلے نمبر کی تحقیق کر لینی چاہیے

فون کرنے سے پہلے نمبر کی تصدیق کر لینا چاہیے کہ واقعی یہ فلاں شخص کا نمبر ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی دوسرے کا نمبر ڈائل ہو جائے اور آپ اُس کے لیے ناگواری کا باعث بن جائیں،
(لا ضرر و لاضرار) کی حدیث پیش نظر رہنی چاہیے اگر کبھی غیر شعوری طور پر ایسا ہو جاتا ہے تو نرم لہجے میں ان سے معذرت کر لی جائے کہ ''معاف کیجئے گا، غلطی سے آپ کا نمبر ڈائل ہو گیا''۔

فون کرتے وقت شرعی الفاظ کا استعمال کیا جائے

مثلاً جب بات کرنا شروع کریں تو کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اسی طرح فون اٹھانے والا بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ذریعہ گفتگو کی ابتداء کرے کیونکہ سلام میں پہل کرنا بہتر ہے۔
بالعموم لوگ فون کرتے یا اٹھاتے ہوئے ''ہیلو'' ''ہیلو'' کہتے ہیں' یہ اسلامی آداب کے منافی ہے۔
اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب ہم کسی سے ملیں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہیں، اس کا اطلاق بالمشافہ ملاقات پر بھی ہوگا، خط وکتابت پر بھی ہوگا اور فون پر بھی ہوگا۔
پھر ''ہیلو'' کہنے کی وجہ سے جہاں ایک طرف غیر مسلموں کی مشابہت لازم آتی ہے، وہیں ایک آدمی بے پناہ اجر وثواب سے محروم بھی ہو جاتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گذرا تو اس نے کہا السلام علیکم آپ نے فرمایا: اِسے دس نیکیاں ملیں، دوسرا آدمی گذرا تو کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے فرمایا: اِسے بیس نیکیاں ملیں، تیسرا آدمی گذرا تو اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے فرمایا: اِسے تیس نیکیاں ملیں۔ [1]
اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر ہم فون پر اسلامی طریقہ کو اپنائیں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہیں تو ہم صرف فون کرنے پر تیس نیکیوں کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔

---

[1] حسنہ الالبانی فی تخریج مشکاۃ المصابیح 4566

سلام کرنے کے بعد اپنا تعارف کرایا جائے

مثلاً یوں کہے کہ ''میں فلاں بول رہا ہوں'' الا یہ کہ جس سے اس قدر شناسائی ہو کہ آواز فوراً پہچان میں آجاتی ہو، ایسی جگہ تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات کرتے وقت پوچھنے لگتے ہیں کہ '' آپ نے مجھے پہچانا ؟'' اِس سے آدمی حرج میں پڑ جاتا ہے پھر اِس انداز میں پوچھنا بھی تو اسلامی ادب کے خلاف ہے، نام بتانے میں آخر حرج کیا ہے؟۔

صحیحین کی روایت ہے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"أتيتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم في دَينٍ كان على أبي فدققتُ البابَ فقال: من ذا ؟ فقلتُ: أنا ، فقال : أنا أنا كأنه كرهها "[1]

''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک قرض کے سلسلے میں مدد کے لیے آیا جسے میرے والد نے لیا تھا اور آپ کو آواز دی تو آپ نے فرمایا: کون؟ میں نے کہا: '' أنا '' یعنی میں ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو یہ کہہ رہے تھے ''میں، میں'' گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کے جواب پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا''۔ کیونکہ ''میں'' کہنے سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

آج بھی کتنے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دروازے پر دستک دیں گے اور آپ اُن سے پوچھیں کہ ''کون''؟ تو کہیں گے ''میں'' بھئی! ''میں'' کہنے سے کیا سمجھ میں آئے گا، لہٰذا فون کرنے والے کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنا نام بتائے تاکہ جس سے بات کر رہا ہے وہ مشکل کا شکار نہ ہو اور فوراً پہچان لے۔

جسے فون کر رہے ہوں اس کے حالات کا خیال رکھیں

ممکن ہے جس کو آپ نے فون کیا ہے وہ آدمی اپنے ذاتی کام میں مشغول ہو یا ایسی جگہ پر ہو جہاں فون اٹھانا اُس کے لیے مناسب نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر جواب نہ ملا، یا جواب میں جلد بازی پائی گئی یا گرم جوشی سے جواب نہ مل سکا تو فون کرنے والے کو چاہیے کہ اس کے بارہ میں حسن ظن رکھے۔ اُسی طرح

[1] بخاری: كتاب استئذان، باب اذا قال من ذا فقال انا

جسے فون کیا گیا ہے اُس کے لیے بھی مناسب ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ موجود ہے جہاں فون کا جواب نہیں دے سکتا تو وہ موبائل کو ساکت (Silent) کر دے پھر بعد میں عذر پیش کرتے ہوئے جواباً رابطہ (Call Back) کرے یا جلدی سے بتا دے کہ وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں فون کا جواب نہیں دے سکتا، یہ دل کی صفائی کا اچھا طریقہ ہے اور اس سے مسلم معاشرہ بدگمانی کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

Ring دینے میں شرعی آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے

تین بار فون کی گھنٹی بجنے کے باوجود اگر فون نہیں اٹھایا گیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ اجازت نہیں ہے اور کال کو کسی دوسرے وقت کے لیے مؤخر کر دینا چاہیے، کتنے لوگ جواب نہ ملنے پر بار بار کال کرتے ہیں بلکہ کچھ لوگ تو جواب نہ ملنے پر غصہ ہو جاتے ہیں اور جلد بازی میں نامناسب الفاظ بھی بول دیتے ہیں۔ اس طرح جسے فون کر رہے ہوں اُس کی طرف سے جواب نہ ملنے پر ہمیشہ حسن ظن رکھنا چاہیے۔

فون کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے

ہر وقت کوئی بھی شخص فون کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں رہتا، کبھی گھریلو مشغولیات ہوتی ہیں، کبھی کام کے تقاضے ہوتے ہیں۔ بالخصوص ایسے اشخاص سے بات کرتے وقت مناسب وقت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے جو انتہائی مصروفیت کی زندگی گذار رہے ہو اور خیال رکھا جائے کہ جس وقت فون کر رہے ہیں وہ آرام کا وقت نہ ہو جیسا کہ ظہر کے بعد یا رات کا وقت لہٰذا ایسے اوقات میں فون کرنے سے گریز کیا جائے جو آرام کے اوقات ہوں۔ فون کرنے کے لیے مناسب وقت کی رعایت بہت ضروری ہے۔

فون کرنے کی مدت کا بھی تعین رکھنا چاہیے

کتنے ایسے لوگ ہیں جو فون کرنے بیٹھتے ہیں تو گھنٹوں باتیں کرتے رہتے ہیں، ایک مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبے میں افراط سے کام نہیں لیتا۔ فون پر ہمارے جتنے پیسے برباد ہو رہے ہیں اگر اس میں سے ہلکی سی کٹوتی کر لیں تو میں سمجھتا ہوں ہمارے کئی ایک معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

بہرکیف عرض مدعا یہ ہے کہ فون پر ہذیان گوئی، بیکار گفتگو اور ضیاع وقت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

فون ضرورت کے تحت استعمال کیا جائے اُسے طفلِ تسلی نہ بنایا جائے۔

جب مسجد میں داخل ہوں تو موبائل فون بند کردیں یا ساکت (Silent) پر کردیں

اگر آپ کو کسی وزیر یا بادشاہ سے ملنے کا موقع مل جائے تو پہلی فرصت میں آپ اس کے پاس جانے سے پہلے اپنا موبائل فون کو بند کردیں گے یا سائلنٹ میں کردیں گے مبادا کہ دوران ملاقات اس کے بجنے سے ناگواری محسوس ہو۔ جب انسان سے ملنے سے پہلے اتنا اہتمام کیا جاسکتا ہے تو مسجد' جو کہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے نزدیک سب سے پیاری جگہ، جہاں لوگ اپنے رب سے سرگوشی کرنے آتے ہیں، ظاہر ہے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے موبائل فون کو سب سے پہلے سائلنٹ میں کردینا چاہیے، تاکہ خشوع وخصوع سے نماز ادا کی جاسکے، اور فون کی رِنگ (گھنٹی) سے دوسرے نمازیوں کی نمازیں بھی متاثر نہ ہوں، لیکن بھول چوک انسانی فطرت ہے، اس لیے اگر لاعلمی میں موبائل فون کھلا رہ گیا اور بحالت نماز کال آجائے تو فوراً موبائل فون بند کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی نمازیں متاثر ہوتی ہیں۔ کتنے لوگ فون آنے پر موبائل بند نہیں کرتے اور مسجد میں دوسروں کی نمازیں خراب کرتے رہتے ہیں جو کہ گناہ عظیم ہے۔

اسی طرح جو آدمی غیر شعوری طور پر موبائل فون بند کرنا بھول گیا اُسے معذور سمجھنا چاہیے اور خواہ مخواہ اس کے ساتھ سخت کلامی سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کیا تھا؟ ایک دیہاتی مسجد نبوی کے ایک کونہ میں پیشاب کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ صحابہ کرام اُسے ڈانٹتے ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں منع کردیتے ہیں، پھر جب وہ پیشاب سے فارغ ہوجاتا ہے تو آپ ایک بالٹی پانی منگواتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ اُس گندگی کی جگہ پر بہادیا جائے۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں:

[فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ] [1]

''تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو سختی کرنے کے لیے بھیجے نہیں گئے''۔

---

[1] بخاری کتاب الوضوء باب صب الماء علی البول فی المسجد

مجلس میں بیٹھ کر بات نہ کریں

اگر آپ معزز شخصیات کی مجلس میں بیٹھے ہوں اور دوران مجلس کال آجائے تو مناسب ہے کہ ایسی جگہ پر موبائل کو آہستہ سے سائلنٹ کر دیں اور اگر کوئی ضروری کال ہو تو اجازت لے کر باہر نکل جائیں۔ بڑوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے فون کا جواب دیتا مناسب نہیں۔ ہاں! اگر دوست واحباب کی مجلس ہو، تو مجلس کے اندر ہی بات کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اجازت لے لی جائے۔

گھر میں نوجوان بچیوں کو فون اٹھانے نہ دیا جائے

اِس سے بچیوں میں بے راہ روی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور ''{فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ} [الأحزاب: 32] بلکہ آئے دن اس طرح کے واقعات پیش آرہے ہیں جس سے ہماری عزت وآبرو کا خون ہورہا ہے۔ ہاں! ضرورت کے تحت فون اٹھایا جاسکتا ہے لیکن عورتیں فون اٹھاتے وقت نرم لہجہ میں بات نہ کریں تاکہ کوئی انسان میں کسی طرح کا غلط خیال تک نہ دلائے۔ ذرا غور کیجئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے نبی پاک ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا کہ جب وہ مردوں سے بات کریں تو دبی زبان میں بات نہ کریں۔

اے نبی کی بیویو! اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی خیال کرے اور ہاں! قاعدے کے مطابق کلام کرو۔

ذرا غور کیجیے کہ وہ عہد نبوت میں تھیں، لوگوں کی ماؤں کی حیثیت رکھتی تھیں، اُن کے بارہ کسی کے دل میں غلط خیال بیٹھ نہیں سکتا تھا اُس کے باوجود یہ حکم دیا جارہا ہے، اِسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہماری بہنیں اور بیٹیاں اِس حکم کی کس قدر مخاطب ہوں گی۔ ہمیں یہ باور کرنا چاہئے کہ شریعت دراصل فطرت کی آواز ہے، فطری طور پر عورت کی آواز میں دلکشی، نرمی اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ اِسی لیے عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت ایسا لب ولہجہ اختیار کیا جائے جس میں نزاکت اور لطافت کی بجائے سختی اور روکھا پن ہو تا کہ کسی بد باطن کے دل میں بُرا خیال بھی پیدا نہ ہو۔

یاد رکھیے کہ سن شعور کو پہنچنے سے پہلے بچوں کو بھی فون اٹھانے سے منع کریں

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کسی اہم ضرورت سے کسی کے ہاں فون کریں فون اٹھانے والا گھر کا

بچہ ہوگا جو اپنے انداز میں بات کرتا ہے۔منٹوں کے بعد بات سمجھ پاتا ہے اور کبھی وہ بھی نہیں سمجھ پاتا کچھ خبیث طبیعت کے لوگ تو بچوں سے راز کی باتیں بھی معلوم کرنے لگتے ہیں۔ظاہر ہے اِس کا واحد علاج یہ ہے کہ بالکل چھوٹے بچوں کوفون اٹھانے نہ دیا جائے۔

فون کی آواز آن کرنا یا آواز محفوظ (ریکارڈ) کرنا منع ہے

گفتگو کرنے والے کی بات کو ریکارڈ کرنا یا موبائل کی آواز سب کے سامنے کھول کر دینا تاکہ اسے دوسرے بھی سنیں، غلط ہے بلکہ ایک طرح کی خیانت ہے۔کتنے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب انہیں کوئی فون کرتا ہے تو اس کی آواز کو ریکارڈ کرنے لگتے ہیں یا آواز کھول دیتے ہیں تاکہ حاضرین اس کی گفتگو سنیں۔ ایسا کرنا سراسر غلط ہے۔کوئی دانا ایسا نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر بات کرنے والے سے اجازت لے لی جائے ، اور گفتگو سب کے لیے مفید ہو تو ایسی صورت میں آواز اونچی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ڈاکٹر بکر ابوزید رحمہ اللہ اپنی کتاب ''أدب الھاتف'' میں لکھتے ہیں:

"لايجوز لمسلم يرعى الأمانة ويبغض الخيانة أن يسجل كلام المتكلم دون اذنه وعلمه مهما يكن نوع الكلام دينيا أو دنيويا"

''ایسا مسلمان جو امانت کی رعایت کرتا ہو اور خیانت کو ناپسند کرتا ہو اس کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ گفتگو کرنے والے کی بات کو اس کی اجازت اور اسکے علم کے بغیر ریکارڈ کرلے، چاہے گفتگو جس نوعیت کی ہو دنیوی ہو یا دینی جیسے فتوی اور علمی مباحث وغیرہ۔

رنگ ٹونز کے طور پر عادی گھنٹی کا استعمال کریں

موبائل فون میں عادی ٹونز کا استعمال ہونا چاہیے ، بالعموم لوگ موسیقی یا نغمے والی ٹونز رکھنا پسند کرتے ہیں حالانکہ سب سے پہلے تو یہ حرام ہے، پھر دینی مزاج رکھنے والے اور سنجیدہ طبیعت کے لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے ، ایسے لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف ہوتی ہے، بالخصوص جب مساجد یا لوگوں کے اجتماعات میں ایسے نغمے سنے جائیں تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔

اس کے برعکس پچھلے چند سالوں سے دینی مزاج رکھنے والے افراد نے قرآنی آیات کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا ہے، حالانکہ ایسا کرنا بھی صحیح نہیں ہے، عصر حاضر کی متعدد فتوی کمیٹیوں نے اس کی حرمت کا فتوی دیا ہے جن میں مفتی مصر، سعودی عرب کے کبار علماء، اور رابطہ عالم اسلامی کی اسلامی فقہ اکیڈمی قابل ذکر ہے، کیونکہ اس میں قرآن کی بے حرمتی کا پہلو پایا جاتا ہے جیسے بیت الخلاء میں فون آجائے یا لہوولعب کے اڈے پر رِنگ بجنے لگے اسی طرح اگر رنگ دیتے وقت فون اٹھالیا جائے تو بسا اوقات آیت منقطع ہوکر رہ جاتی ہے، یا الفاظ ادھورے رہ جاتے ہیں جس سے معنی کچھ کا کچھ ہوجاتا یا مبہم رہ جاتا ہے، اگر ایک آدمی سنجیدگی سے غور کرے تو اسے خود سمجھ میں آجائے گا کہ واقعی اس سے قرآنی آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے، کوئی عقل مند آدمی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس میں قرآنی آیات کی تعظیم وتکریم ہے جبکہ ہمیں حکم ہے کہ قرآنی آیات کی تعظیم وتکریم کریں، کیونکہ یہ ہمارے خالق ومالک کا کلام ہے جو ہماری ہدایت کے لیے اترا ہے۔

SMS سے متعلق ہدایات

موبایل فون میں باہمی ربط کا دوسرا طریقہ مختصر پیغام رسانی ہے جسے انگلش میں Short Message Service کہا جاتا ہے۔ اس کا مخفف S.M.S ہے پیغام رسانی کا یہ ذریعہ نوجوانوں میں انتہائی مقبول ہے اس طریقہ کو استعمال کرتے وقت درج ذیل نکات کو مدنظر رکھیں:

1 ضروری پیغام (Message) ہی ارسال کریں

فضول اور خواہ مخواہ SMS مت کریں، ہمارے ہاں فضول میں SMS کرنے کی بیماری اس قدر عام ہوچکی ہے کہ ایک ہی Message کئی لوگوں کی طرف سے بار بار وصول ہوتا ہے۔

2 موقع کی مناسبت سے میسج بھیجیں

اپنے دوستوں جاننے والوں، عزیز رشتہ داروں کو موقع کی مناسبت سے SMS بھیجیں، مثلاً: عید مبارک، رمضان المبارک کی آمد، شادی بیاہ پر خوشی کے اظہار اور غمی کے مواقع پر تعزیت وغیرہ کے Message بھیجے جاسکتے ہیں۔

③ عشقیہ SMS سے بچیں

ہمارا نوجوان طبقہ ایک دوسرے کو عشقیہ میسیج بھیجنا شاید اپنا اولین مشن سمجھتا ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کو اور لڑکے لڑکیوں کو عشقیہ میسیج بھیجتے رہتے ہیں اس سے بچنا ہوگا یہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے اور اس سے مسلم معاشرہ بے راہ روی کی طرف گامزن ہوجاتا ہے، بعض دفعہ لڑکے لڑکیاں بن کر دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں یہ ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔

④ فحش Message نہ کریں

ہمارے ہاں فحش اور گندے SMS بھیجنے کی بیماری عام ہوتی جارہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلاَ اللَّعَّانِ وَلاَ الفَاحِشِ وَلاَ البَذِيءِ] [1]

”مومن طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی فحش گوئی اور غلط باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔“

⑤ Message بھیجنے سے پہلے نمبر کنفرم کریں

آپ جس نمبر پر میسیج بھیجنا چاہتے ہیں اس کو اچھی طرح کنفرم کرلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میسیج کسی غلط (Wrong) نمبر پر چلا جائے۔

⑥ Picture Messages

موبائل فون پر یہ سہولت بھی میسر ہے کہ آپ کوئی تصویر دوسروں کو ارسال کرسکتے ہیں اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں نہ ہی کوئی غلط، فحش یا اجنبی عورت کی تصویر اپنے پاس رکھیں اور نہ کسی کو ارسال کریں۔ بعض دفعہ کسی ضرورت کے لیے گھریلو خواتین کی تصویریں ارسال کرنا پڑتی ہیں، مثلاً: سرکاری کاغذات کی تکمیل کے لیے تو آپ جس نمبر پر تصویر ارسال کرنا چاہتے ہیں اس کی تسلی کرلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی گھریلو خواتین کی تصویریں کسی اوباش کے ہاتھ لگ جائیں اور وہ ان کو غلط انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کردے، اس طرح دوست ایک دوسرے کو لڑکیوں کی تصاویر میسیج

---

[1] سنن ترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ما جاء فی اللعنۃ

کرتے ہیں یہ سراسر فحاشی اور گناہ کا کام ہے۔

⑦ SMS پر وقت ضائع نہ کریں

بعض لوگ سارا دن میسیج لکھتے رہتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں ، اس نعمت کی قدر کریں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے متعلق سوال کرنے والا ہے۔

⑧ خالی Message

بعض دفعہ بے دھیانی میں یا یہ کہ بچے موبائل کے مختلف بٹن دباتے رہتے ہیں جس سے خالی پیغام ارسال ہوتا ہے جبکہ بٹن دبانے والے کو علم بھی نہیں ہوتا۔بعض دفعہ بار بار میسیج ریسیو ہوتے ہیں اس سے احتیاط کریں تاکہ آپ کا بیلنس بھی ضائع نہ ہو اور دوسرا آدمی پریشان بھی نہ ہو۔

نوٹ

اس مضمون کی تیاری کے وقت درج ذیل علمی مواد سے استفادہ کیا گیا ہے۔باری تعالیٰ خدمت دین میں مصروف عمل شخصیات، ادارہ جات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔آمین۔

① ٹیلی فون اور موبائل کا استعمال آداب،فوائد،نقصانات،مولفہ محمد اختر صدیق

② ٹی وی کے نقصانات اور اس کے فوائد کا جائزہ،مولفہ ام عبدالرب

③ سہ ماہی مجلہ ''التراث'' غواڑی، بلتستان، ج 17 ،شمارہ نمبر 50

④ مکتبہ صید الفوائد (عربی ویب سائٹ)

⑤ Hamariweb (اردو ویب سائٹ)

⑥ ماہنامہ مجلہ ''طوبیٰ'' مطبوعہ جامعہ ابن تیمیہ، بہار ہندوستان،نومبر 2011ء

⑦ مسلمانوں کا فکری اغو،مولفہ: ام عبد منیب

⑧ سہ ماہی ''ایقاظ'' لاہور، مدیر: حامد کمال الدین

ہماری غذائیں اور مشروبات

اورغیر مسلم مصنوعات

عثمان صفدر

مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

انسانی جسم کے لئے غذا کی اہمیت

غذا ہماری بنیادی ضرورت ہے، بغیر کھانے اور پینے کے کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا، اسی لئے اللہ ربّ العزت نے ہماری اس بنیادی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے نہ صرف ہمیں کھانے اور پینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

"﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾[الأعراف: 31]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

بلکہ اللہ رب العزت نے شریعت اسلامی میں کھانے پینے کی اشیاء اور آداب کے تعلق سے وہ عمدہ اصول بیان فرمائے ہیں جن کو اپنا کر ہم مضر صحت چیزوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ غذا حاصل کرنے کے تمام درست اور جائز طریقوں کی انتہائی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے، جیسا کہ زراعت جو کہ غذا حاصل کرنے کا انتہائی اہم اور ضروری طریقہ ہے اس کے متعلق کئی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ دلائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

" لا يغرس المسلم غرسا ولا يزرع زرعا فيأكل منه إنسان ولا دابة ولا شيء إلا كانت له صدقة"[1]

[1] صحيح مسلم : كتاب المساقات، باب فضل الغرس والزرع

ترجمہ:''جب بھی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے پھر اس سے کوئی انسان یا جانور کھاتا ہے تو اگانے والے مسلمان کو صدقہ کا اجر ملتا ہے''

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"إذا قامت الساعة وبيد أحدكم فسيلة فإن استطاع ألا يقوم حتى يغرسها فليفعل"[1]

ترجمہ:''اگر قیامت قائم ہوجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں بیج ہو تو اگر وہ اس بات کی قوت رکھتا ہو کہ اٹھنے سے پہلے اسے زمین میں بودے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے زمین میں بودے''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے کسب حلال کی طرف خاص توجہ دلائی ہے تاکہ معاش ومعیشت کا معاملہ درست انداز میں چلتا رہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

" ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده ، وإن نبي الله داود كان يأكل من عمل يده "[2]

ترجمہ:''کسی بھی شخص کا بہترین کھانا جو اس نے کھایا ہے وہ کھانا ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے کمایا ہے، اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے''

اسلام میں غذا کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان پاکیزہ چیزیں کھائے جو اسے اعمال صالحہ کرنے کے لئے قوت فراہم کریں اور خبائث ومضر صحت چیزوں سے بچے جو اس کے جسم کو یا عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں یا تزکیہ نفس میں حائل ہوتی ہیں، اسی لئے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالی نے طعام اور اعمال صالحہ کا ایک ساتھ تذکرہ فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾[البقرة: 172]

ترجمہ:''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو''

اسی طرح خاص طور پر انبیاء ورسولوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

---

[1] مسند احمد : مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ

[2] صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[المؤمنون: 51]

ترجمہ:''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو''

گویا کہ پاکیزہ چیزیں کھانے کا نیک عمل کرنے سے گہرا تعلق ہے، اور یہ بات یقیناً کسی سے مخفی نہیں کہ انسان جو بھی غذا اپنے معدہ میں اتارتا ہے اس غذا کا اس کے جسم، عقل اور نفس پر گہرا اثر پڑتا ہے، اسی لئے اسلام میں وہ تمام چیزیں حلال ہیں جو پاکیزہ اور انسانی جسم کے لئے مفید ہیں، اور ایسی تمام چیزیں حرام ہیں جو ناپاک ہیں، اور انسانی جسم کے لئے نقصان دہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾[الأعراف: 157]

ترجمہ:''اور (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں''۔

ایک بنیادی اصول

اسلام میں کھانے اور پینے کے تعلق سے بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر چیز کھانا اور پینا جائز ہے سوائے ان چند چیزوں کے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو، اسے علماء یوں بیان کرتے ہیں کہ اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ جائز ہیں جب تک کہ کسی چیز کے حرام ہونے کی قرآن وحدیث سے دلیل نہ آجائے۔ اس اصول کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[البقرة: 29]

ترجمہ:''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں''۔

یعنی زمین میں موجود تمام چیزیں انسان کے لئے حلال وجائز ہیں تا آنکہ اس کے متعلق حرمت کا حکم صادر ہوجائے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"أعظم المسلمين جرما من سأل عن شيء لم يحرم فحرم من أجل مسألته"[1]

ترجمہ:''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی لیکن اس کے پوچھنے پر وہ چیز حرام کردی گئی''

[1] صحیح بخاری :کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب مایکره من کثرة السؤال

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اصلاً تمام چیزیں حلال ہیں جن میں سے بعض کے متعلق حرمت کا حکم جاری ہوا ہے۔

اور حلال وحرام کے حوالہ سے جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ اسلام نے صرف ان چیزوں کو ہم پر حرام کیا ہے جو کسی بھی طرح خبیث ہوں، یعنی ضرر اور نقصان پہنچانے والی، چاہے وہ نقصان بدن کا ہو، عقل کا ہو یا نفس کا ہو، ہر نقصان دینے والی چیز کو اسلام نے ہم پر حرام کر دیا ہے، یہ اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دین اس خالق کی طرف سے ہے جس نے ہمیں تخلیق کیا اور وہ خوب جانتا ہے کہ کیا چیز ہمارے لئے فائدہ مند ہے اور کیا چیز نقصان دہ ہے۔

اسلام میں حرام کردہ غذائیں اور مشروبات

ہماری غذا دو قسم کی ہے: حیوانی اور نباتاتی۔

(۱) نباتاتی غذا: جہاں تک نباتاتی غذا کا تعلق ہے تو اس میں ہر قسم کی غذا حلال ہے جب تک کہ وہ کوئی مضرِ صحت چیز نہ ہو۔

(2) حیوانی غذا: حیوان دو طرح کے ہوتے ہیں: ❶ بری۔ (خشکی والے) ❷ بحری (سمندری)

❶ ایسے بری (خشکی کے) جانور جو حرام ہیں

✵ جو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا گیا ہو

وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾[البقرة: 173]

ترجمہ: ''اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے''۔

اسی طرح وہ جانور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، چاہے کسی اور کا نام نہ بھی لیا جائے، اس جانور کا گوشت بھی حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾[الأنعام: 121]

ترجمہ: ''اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے''۔

اس حوالہ سے یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ جس قصاب سے گوشت لیا جائے تو اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ مشرک تو نہیں ہے؟، یا پھر وہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالی کا نام لیتا ہے یا نہیں؟ اور اگر مرغی یا جانور خود ذبح کروائے تو قصاب کو خاص تاکید کرے کہ وہ اس پر اللہ کا نام لے، اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ خود ہی جانور کو ذبح کیا جائے۔ اور اگر کسی قصاب کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ مشرک ہے تو اس سے گوشت ہرگز نہ خریدیں کیوں کہ مشرک کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر علم نہیں کہ اس گوشت پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں تو اگر آپ کسی مسلم معاشرہ میں ہیں جہاں زیادہ تر افراد مسلمان ہیں اور ذبح کا کام بھی عموماً وہی کرتے ہیں تو پھر آپ وہ گوشت خرید سکتے ہیں اور کھاتے وقت اللہ کا نام لے کر کھائیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: کچھ لوگ (مدینہ کے باہر سے) ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں (بیچنے کے لئے) ہمیں نہیں پتا کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں، تو کیا ہم وہ گوشت کھا سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم خود اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ'' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام کو یہ خدشہ اس وجہ سے تھا کہ گوشت لانے والے اکثر افراد نو مسلم تھے اور انہیں احکامات کا زیادہ علم نہیں تھا''[1] اور اگر آپ ایسے علاقہ میں ہیں جہاں غیر مسلم کی تعداد زیادہ ہے تو اگر غیر مسلم اہل کتاب ہیں یعنی عیسائی یا یہودی ہیں تو آپ وہ گوشت کھا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ جانور شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو، کیونکہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اگر شرعی طریقہ سے ذبح کیا جائے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدة: 5]

ترجمہ: ''آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے''۔

اور اگر غیر مسلم اہل کتاب کے علاوہ ہیں تو وہ گوشت کھانا حرام ہے۔

---

[1] صحیح بخاری: كتاب البيوع، باب من لم ير الوسواس ونحوها من الشبهات

✵ مردار

مردار سے مراد وہ حلال جانور ہے جو بغیر شرعی ذبح کے مر جائے۔ مردار کے حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اکثر مردار جانور کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہو کر مرتے ہیں، اگر مردار کا گوشت کھایا جائے تو وہ بیماری کھانے والے کو بھی لگ سکتی ہے، پھر مردار جانور جب مرتا ہے تو اس کا خون بہتا نہیں ہے بلکہ جسم میں ہی رہ جاتا ہے اور دوران خون بند ہونے کے بعد یہ رکا ہوا خون جانور کے جسم میں مختلف خطرناک بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف مقامات پر مردار کو حرام قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ [البقرة: 173]

ترجمہ: ''اس نے تم پر مرا ہوا جانور حرام کر دیا ہے''۔

ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے معاشرے میں نام نہاد مسلمان اپنی ایمانی کمزوری اور خوف الٰہی نا ہونے کے سبب ایسے گھناؤنے کاروباروں میں ملوث ہیں کہ غیر مسلم ایمان نہ ہونے کے باوجود صرف انسانیت کے ناتے ہی اس کاروبار سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مردار جانوروں کا گوشت بیچتے ہیں، اور عموماً ہوٹل مالکان جانتے بوجھتے ان سے یہ مضر صحت حرام گوشت خرید کر اپنے ہوٹلوں پر پکا کر گاہکوں کو کھلاتے بھی ہیں۔ ایسا گوشت جو نہ صرف مضر صحت ہے بلکہ مسلمان پر حرام بھی ہے وہ انجانے میں مسلمانوں کو کھلایا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لئے ہمیں خود اس معاملہ میں انتہائی احتیاط برتتے ہوئے عموماً گھر کے کھانے پر اکتفاء کرنا چاہیئے، اور اگر باہر کھانا ہو تو ایسی چیز کھانی چاہیئے جس میں شک نہ رہے مثلاً مچھلی وغیرہ، اور گوشت کھانا ہو تو صرف ایسی جگہ سے کھانا چاہیئے جس کے بارے میں ہمیں یقین ہو کہ یہاں پر گوشت حلال مل سکے گا۔

✵ خنزیر

اللہ تعالیٰ نے خنزیر کے گوشت کو نہ صرف قطعی حرام قرار دیا ہے، بلکہ اس کے گوشت کو ناپاک بھی قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطۡعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيۡتَةً أَوۡ دَمًا مَّسۡفُوحًا أَوۡ لَحۡمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجۡسٌ﴾ [الأنعام: 145]

ترجمہ: ''کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا۔ بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سُور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں''۔

سُور ایک ایسا قبیح جانور ہے کہ اگر کوئی سلیم الفطرت شخص اسے دیکھے تو یقیناً بغیر کسی دلیل کے بھی وہ اس کو گوشت کو مضر صحت قرار دینے پر مجبور ہوگا، یہ جانور ہر طرح کی غلاظت کو بڑے شوق سے کھاتا ہے اور اس کے اندر بے حیائی اور بے غیرتی کے اوصاف بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ سور کا صرف گوشت ہی حرام نہیں بلکہ وہ مکمل سراپا نجس اور حرام ہے، اس کا گوشت، چربی، ہڈیاں اور کھال وغیرہ سب حرام اور ناپاک ہیں۔ سور کے گوشت اور چربی میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں، اور یہ جراثیم انسانی صحت کو جو نقصان پہنچاتے ہیں آج کے جدید سائنسی دور میں یہ بات اب کسی سے مخفی نہیں رہی۔ ہمارے لئے صرف اللہ کا حکم کافی ہے جو حکیم وعلیم ہے اور اپنی مخلوق کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اپنے اسی علم کی روشنی میں اس نے ہمارے لئے حلال وحرام مقرر فرمائے ہیں۔

✳ درندے

ہر وہ جانور جس کی کچلیاں (وہ نوکیلے دانت جو سامنے کے چار دانتوں کے بعد آتے ہیں) ہوں اور وہ شکار کرتا ہو تو اسے کھانا بھی حرام ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''ہر وہ شکاری جانور جس کی کچلیاں ہوں اسے کھانا حرام ہے''[1]۔ اس میں شیر، چیتے، سمیت تمام درندے شامل ہیں، اور کتے کا گوشت بھی اسی اصول کی رو سے حرام ہے۔

✳ پالتو گدھا

پالتو گدھے کا گوشت بھی حرام ہے، حدیث میں آتا ہے کہ خیبر والے دن نبی ﷺ کے منادی نے یہ صدا لگائی: ''بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا ہے''[2]۔

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح باب تحریم اکل کل ذی ناب

[2] صحیح بخاری: کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر

جلالۃ

اس سے مراد ایسا جانور ہے جو ویسے تو حلال ہو لیکن اس کی غذا کا اکثر حصہ نجس چیزوں پر مشتمل ہو، تو ایسے جانور کا گوشت اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ اسے کسی جگہ باندھ کر کم از کم تین دن تک پاکیزہ کھانا نہ کھلا دیا جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: نبی ﷺ نے جلالہ کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا ہے‘‘[1]۔

یہاں پر ایک بات بہت اہم ہے کہ ہمارے ہاں کی فارمی مرغیوں کے حوالہ سے بعض شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ان مرغیوں کی غذا میں خون اور مردار جانور کی چربی یا سور کے گوشت کے کچھ اجزاء ملائے جاتے ہیں، اگر یہ بات درست ہے تو پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ اجزاء مرغی کی فیڈ میں کتنے فیصد موجود ہیں، اگر مرغی کی فیڈ میں ان اجزاء کی کثرت ہے تو پھر مرغی کا حکم بھی جلالہ والا ہی ہے کہ اس کا گوشت کھانا حرام ہے، لیکن اگر فیڈ میں ان اجزاء کی کثرت نہیں ہے اور پانچ یا دس فیصد تک ہی ہیں باقی دانے وغیرہ ہیں تو پھر اس مرغی کا حکم جلالہ کا نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

شکاری پرندے

ایسے پرندے جن کے پنجے ہوں اور وہ شکار کرتے ہوں تو ان کا گوشت بھی حرام ہے۔ حدیث ہے کہ: ’’نبی ﷺ نے ایسے تمام پرندوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے جن کے پنجے ہوں اور وہ شکار کرتے ہوں‘‘[2]۔

ہر وہ چیز جو ضرر رساں ہو

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ’’نہ ضرر پہنچاؤ نہ ضرر اٹھاؤ‘‘[3]، یعنی جانتے بوجھتے کسی ایسی چیز کا استعمال جو انسان کو نقصان پہنچاتی ہو اس کا ستعمال کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرۃ: 195] ترجمہ: ’’اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو‘‘

---

[1] جامع ترمذی: کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی اکل لحوم الحلالة

[2] صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح و مایؤکل من الحیوان

[3] سنن ابن ماجه کتاب الأحکام، باب من بنی فی حقه یضره بجاره

لہٰذا ہر وہ چیز جو انسان کو نقصان پہنچائے وہ حرام ہے، مثلاً سگریٹ نوشی، نسوار اور گٹکا وغیرہ جو کہ انسانی صحت کے لئے انتہائی مضر ہے ان چیزوں کا استعمال مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں حرام ہے۔

❷ سمندری جانور

تمام بحری جانور حلال ہیں، جیسے مچھلی، جھینگا وغیرہ۔ اسی طرح بحری جانور اگر مرجائے تو بھی حلال ہے، البتہ ایسا بحری جانور جو خشکی پر بھی رہتا ہو جیسے کچھوا وغیرہ تو اس کے حوالہ سے اختلاف ہے کہ اگر وہ مرجائے تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے نہ کھایا جائے۔

❀ اسلام میں حرام کردہ مشروبات

ایسے تمام مشروبات جن میں نشہ ہو وہ حرام ہیں، چاہے کم ہوں یا زیادہ۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ہر نشہ آور چیز حرام ہے"[1]، اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"ہر وہ چیز جو زیادہ تعداد میں پی لینے پر نشہ دے تو اس کا کم پینا بھی حرام ہے"[2]۔

لہٰذا ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔ ہمارے ہاں ہوٹلوں وغیرہ پر عموماً شیشہ پینے کا رواج ہے جو کہ نشہ آور چیز ہے، اسی طرح سگریٹ جو کہ تمباکو سے بنا ہے وہ بھی حرام ہے کیونکہ تمباکو کی زیادہ تعداد نشہ آور ہوتی ہے۔

ہمارے جدید کھانے اور مشروبات

آج کا دور، جدید دور ہے، ہر معاملہ میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں، اسی طرح کھانے پینے کے معاملات میں بھی بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ آج کل زیادہ تر افراد باہر کھانا پسند کرتے ہیں، گھروں میں جو کھانے پکائے جاتے ہیں ان میں بازاری مصالحوں کا استعمال کیا جاتا ہے، فاسٹ فوڈ بکثرت کھایا جاتا ہے، پیک فوڈ بھی گھروں میں استعمال کئے جاتے ہیں، بچے عموماً بسکٹس، چپس اور چاکلیٹس وغیرہ کھانا پسند کرتے ہیں۔ مشروبات میں ہم عموماً پیپسی، کوک اور دیگر مصنوعی مشروبات کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ و معاذ

[2] سنن ابو داود: کتاب الأشربة، باب النهی عن المسکر

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل ہماری خوراک کے بیشتر اجزاء باہر کی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ ہماری نظروں کے سامنے تیار نہیں ہوتے یا ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کون سی اور کیسی چیزیں استعمال کی گئی ہیں، اور اس بات سے ہم سب واقف ہیں کہ کھانے پینے کی یہ اشیاء، یا ان کے مصالحہ جات تیار کرنی والی کمپنیاں عموماً ملٹی نیشنل کمپنیاں ہوتی ہیں جو کہ غیر مسلموں کی ملکیت ہیں، اور غیر مسلموں کے ہاں حلال اور حرام کا کوئی فرق موجود نہیں ہے۔

ایسی صورتحال میں دو چیزوں کا علم بہت ضروری ہے:

1 اسلام میں غیر مسلم مصنوعات کا کیا حکم ہے

عمومی طور پر اگر دیکھا جائے تو اسلام نے غیر مسلم مصنوعات کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، البتہ اگر ان کا تعلق کھانے پینے سے ہے تو اس کا معاملہ الگ ہے، لیکن عام اشیاء مثلاً لباس، جوتے، دیگر استعمال کی چیزوں پر کوئی پابندی نہیں ہے سوائے ان پابندیوں کے جو مسلم مصنوعات کے حوالہ سے بھی ضروری ہیں، یعنی لباس میں خواتین کا موٹا لباس ہونا، جسم کا مکمل چھپ جانا، برتنوں میں سونے چاندی کے برتن کا نہ ہونا، جوتوں وغیرہ میں حرام جانور کی کھال کا نہ ہونا، اور اسی طرح کی دیگر وہ تمام شرائط جن کا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں بلکہ اشیاء اور ان کی بناوٹ سے ہے ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

جہاں تک کھانے پینے کی اشیاء کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اگر ان اشیاء کا تعلق نباتات سے ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر ان اشیاء کا تعلق حیوانات سے ہے تو پھر اس میں کم از کم تین چیزوں کا ضرور علم ہونا چاہئے:

✵ وہ حیوان حلال ہے یا حرام ہے؟

✵ اگر وہ حیوان حلال ہے تو اس کا ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہے یا پھر غیر مسلم اور غیر اہل کتاب میں سے ہے۔ اگر مسلمان ہے یا اہل کتاب میں سے ہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، اور اگر غیر مسلم ہے اور اہل کتاب میں سے بھی نہیں ہے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے۔

✵ اگر اس کو ذبح کرنے والا مسلمان ہے یا اہل کتاب میں سے ہے تو کیا اسے شرعی طریقہ سے ذبح کیا

گیا ہے، یا اسے کرنٹ کے ذریعہ یا ہتھوڑے کے ذریعہ (Stunning) یا کسی اور غیر شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے؟۔

ان تمام معلومات کا حصول ضروری ہے اور یہ نہایت ہی دشوار معاملہ ہے کیونکہ اس قسم کی معلومات آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں، بہرحال ایک اندازہ ضرور ہے کہ جو گوشت ان کھانے پینے کی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے اگر وہ یورپ یا امریکا سے ہے تو اس میں غالب امکان یہی ہے کہ اسے ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہوگا، اور اگر وہ گوشت چین، روس جیسے مما لک سے ہے تو اس میں غالب امکان یہی ہے کہ اسے ذبح کرنے والا شخص غیر مسلم ہوگا اور اہل کتاب میں سے بھی نہیں ہوگا۔ جہاں تک شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کا معاملہ ہے تو اس حوالہ سے عرب علماء کی تحقیق کے مطابق اور جیسا کہ معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان نے اپنی مشہور کتاب ''کتاب الاطعمہ'' میں بھی تحریر کیا ہے کہ زیادہ تر مذبح خانوں میں (یعنی یورپ اور امریکا میں) غیر شرعی طریقے رائج ہیں اور جہاں پر شرعی طریقہ سے ذبح کیا جارہا ہے ان میں بھی کافی معاملات میں شبہات موجود ہیں، اسی لئے انہوں نے اس گوشت سے جو غیر مسلم مما لک سے درآمد کیا جارہا ہے (خصوصا برازیل سے) پر پابندی لگانے اور عام مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کھانے پینے کی ایسی تمام اشیاء جو گوشت پر مشتمل ہیں یا ان کے بنانے میں گوشت کا استعمال ہوا ہے تو اگر وہ چین، روس وغیرہ جیسے غیر مسلم مما لک سے ہیں تو ان کا استعمال حرام ہے، اور اگر وہ یورپ یا امریکا سے درآمد کی گئی ہیں تو بھی ان میں شبہ ہے اور ان کا استعمال نہیں کرنا چاہئے، سوائے یہ کہ کسی خاص پروڈکٹ کے حوالہ سے معلوم ہوجائے کہ اس میں حلال گوشت کا استعمال ہے جسے شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے۔

2 اجزائے ترکیبی (Food Additives) اور (E Numbers)

بہت مناسب ہوگا کہ اگر ہم کم از کم اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی بھی چیز استعمال کرنے سے پہلے اس کے پیکٹ پر لکھے اجزائے ترکیبی (Food Additives) پڑھ لیں، یا کسی اور طریقہ سے اس کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کرلیں اور اس بات کا یقین کرلیں کہ اس کے تمام اجزائے ترکیبی حلال ہیں۔ آج کل جتنی اشیاء مارکیٹ میں آرہی ہیں ان سب کے اجزائے

ترکیبی (Food Additives) حلال نہیں ہوتے ، بلکہ کتنی ہی ایسی کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کے اجزائے ترکیبی حلال نہیں ہیں اور ہم اس بارے میں علم نہیں رکھتے ،خصوصاً غیر مسلم مصنوعات جیسے بسکٹس ،چپس، چاکلیٹس وغیرہ میں عموماً اجزائے ترکیبی کے حرام ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ، ابھی حال ہی میں ملائیشیا میں ایک معروف چاکلیٹ Cadbury پر اسی حوالہ سے پابندی لگائی گئی تھی کہ اس میں سور کا DNA پایا گیا تھا، اور یہ چاکلیٹ ہمارے ہاں بہت شوق سے کھائی جاتی ہے!۔اشیاء کے اجزائے ترکیبی میں مختلف عناصر شامل کئے جاتے ہیں اور انہیں ایک خاص کوڈ دیا جاتا ہے، جسے E code کہتے ہیں، جو عناصر مختلف اشیاء کے بنانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کے مصادر حلال بھی ہوسکتے ہیں اور حرام بھی، مثال کے طور پر ایک عنصر جسے ''Gelatin'' کہا جاتا ہے اسے نباتات سے بھی نکالا جاتا ہے اور گائے کی ہڈیوں سے اور سور سے بھی نکالا جاتا ہے اور بعض ممالک میں مردار کی ہڈیوں سے بھی نکالا جاتا ہے، یہ جیلاٹن مختلف اشیاء مثلاً جیلی، ببل گم، ٹوتھ پیسٹ اور صابن وغیرہ کے علاوہ اور بہت سی اشیاء میں استعمال کیا جاتا ہے، اگر یہ جیلاٹن حلال ذرائع سے حاصل کی جائے تو حلال ہے اور اگر حرام ذرائع سے حاصل کی جائے تو حرام ہے۔

جو اجزائے ترکیبی (Food Additives) مختلف اشیاء میں استعمال ہوتے ہیں ان کی تعداد تقریباً 1500 ہے اور انہیں 100 سے لے کر 1599 تک مختلف E Numbers دیئے گئے ہیں۔ان اجزائے ترکیبی میں سے کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو کبھی حلال ذرائع سے حاصل کئے جاتے ہیں اور کبھی حرام ذرائع سے۔ جو اجزائے ترکیبی (Food Additives) حرام ہیں یا کبھی حرام ہوتے ہیں، ان کی حرمت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ سور سے حاصل کئے جاتے ہیں یا مردار سے یا پھر ان میں الکوحل کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ تقریباً سو کے لگ بھگ ہیں، ان اجزائے ترکیبی کی تفصیل اور ان کے نمبرز درج ذیل ہیں:

	E Numbers	Name	Family
1	E101	Vitamins G	Yellow dyes
2	E101i	Riboflavin	Yellow dyes
3	E101ii	Riboflavin 5'-phosphate	Yellow dyes
4	E101iii	Riboflavin de Bacillus subtilis	Yellow dyes

5	E101a	Vitamin B2	Yellow dyes
6	E120	Cochineal	Red dyes
7	E140	Chlorophyll	Green Dyes
8	E141	Copper complexes of chlorophylls	Green Dyes
9	E141i	Copper complexes of chlorophylls	Green Dyes
10	E141ii	Sodium and potassium salts of copper complexes of chlorophylls	Green Dyes
11	E160f	Food orange 7	Orange dyes
12	E161a	Flavoxanthin	Yellow dyes
13	E161b	Lutéin	Yellow dyes
14	E161bi	Tagetes erecta Lutéines	Yellow dyes
15	E161bii	Extracts of Tagetes	Yellow dyes
16	E161C	Cryptoxanthin	Yellow dyes
17	E161d	Rubixanthin	Yellow dyes
18	E161e	Violaxanthin	Yellow dyes
19	E161f	Rhodoxanthin	Yellow dyes
20	E161g	Canthaxanthin	Orange dyes
21	E161h	Zéaxanthin	Orange Red dyes
22	E161hi	Zeaxanthin synthesis	Orange Red dyes
23	E161hii	Zeaxanthin rich extract from Tagetes erecta	Orange Red dyes
24	E162	Red beet	Red dyes
25	E163	Anthocyanin	Red dyes
26	E163ii	Grape Skin Extract	Red dyes
27	E163iii	Blackcurrant Extract	Red dyes
28	E163iv	Dye purple corn	Red dyes
29	E163v	Dye red cabbage	Red dyes
30	E170	Carbonate de calcium	White Dyes

31	E170i	Carbonate de calcium	White Dyes
32	E170ii	Calcium bicarbonate	White Dyes
33	E304	Ascorbyl palmitate	Antioxidants
34	E322	Lécithin	Emulsifiers
35	E322i	Lecithin	Emulsifiers
36	E322ii	Lecithin partially hydrolyzed	Emulsifiers
37	E334	Tartaric acid	Acidity regulator
38	E335	Tartrate de sodium	Acidity regulator
39	E336	Tartrate de potassium	Acidity regulator
40	E336i	Tartrate mono potassium	Acidity regulator
41	E336ii	Tartrate di potassium	Acidity regulator
42	E337	Tartrate de potassium sodium	Acidity regulator
43	E353	Metatartaric acid	Acidity regulator
44	E354	Tartrate de calcium	Acidity regulator
45	E387	Oxystéarin	Antioxidants
46	E431	Polyoxyethene (40) stearate	Emulsifiers
47	E432	Polysorbate 20	Emulsifiers
48	E433	Polysorbate 80	Emulsifiers
49	E434	Polysorbate 40	Emulsifiers
50	E435	Polysorbate 60	Emulsifiers
51	E436	Polysorbate 65	Emulsifiers
52	E462	Ethyl cellulose	Emulsifiers
53	E470	Salts of fatty acids (having for basic calcium, magnesium, potassium, sodium)	Emulsifiers
54	E470i	Calcium salts of fatty acids, sodium and potassium	Acidity regulator
55	E470ii	Magnesium salts of fatty acids	Emulsifiers
56	E471	Monostearate	Emulsifiers
57	E472a	Acétoglycérides	Emulsifiers
58	E472b	Lactoglycérides	Emulsifiers

59	E472c	Citroglycérides	Emulsifiers
60	E472d	Tartaric acid esters of mono- and di glycerides of fatty acids	Emulsifiers
61	E472e	And diacetyltartaric esters monoacétyltartriques mono- and diglycerides of fatty acids	Emulsifiers
62	E472f	Mixed acetic and tartaric acid esters of mono- and diglycerides of fatty acids	Emulsifiers
63	E472g	Monoglycérides succinyles	Emulsifiers
64	E473	Sugar esters	Emulsifiers
65	E473a	Sucrose oligoesters type I and type II	Emulsifiers
66	E474	Sugar glycerides	Emulsifiers
67	E475	Polyglycerol esters of fatty acids	Emulsifiers
68	E476	Polyricinoléate of Polyglycerol	Emulsifiers
69	E477	Propylene glycol polyricinoleate	Emulsifiers
70	E478	Esters of glycerol and propylene - glycol lactylated of fatty acids	Emulsifiers
71	E479	Oxidized soya bean oil by heating with mono- and diglycerides of fatty acids	Emulsifiers
72	E481	Stéaroyllactylate de sodium	Emulsifiers
73	E481i	Stéaryl de sodium lactylé	Emulsifiers
74	E481ii	Oléyl de sodium lactylé	Emulsifiers
75	E482	Stéaroyllactate de calcium	Emulsifiers
76	E482i	Stéaryl de calcium lactylé	Emulsifiers
77	E482ii	Oléyl de calcium lactylé	Emulsifiers
78	E483	Tartrate de stéaryle	Various
79	E484	Citrate de stéaryle	Emulsifiers

80	E491	Monostearate of sorbitane	Emulsifiers
81	E492	Tristearate of sorbitane	Emulsifiers
82	E493	Monolaurate of sorbitane	Emulsifiers
83	E494	Monooleate of sorbitane	Emulsifiers
84	E495	Monopalmitate of sorbitane	Emulsifiers
85	E570	Stearic acid	Acidifies
86	E572	Magnesium stearate	Thickeners
87	E620	Glutamic acid	Enhancers
88	E627	Guanylate de Sodium	Enhancers
89	E630	Inosinic acid	Enhancers
90	E631	Disodium inosinate	Enhancers
91	E632	Inosinate dipotassique	Enhancers
92	E633	Inosinate de calcium	Enhancers
93	E634	Ribonucleotide calcium	Enhancers
94	E635	Ribonucléotide On	Enhancers
95	E640	Glycine	Enhancers
96	E900	Diméthicone	Emulsifiers
97	E900a	Polydimethylsiloxane	Emulsifiers
98	E900B	Méthylphényl polysiloxane	Emulsifiers
99	E904	Shellac resin	Various
100	E912	Ester of montanic acid	Various
101	E920	Lcystéine derivatives	Various
102	E441	Gelatin	Thickeners
103	E519	Copper II sulphate	Various
104	E542	Phosphate d'os	Acidifies

یہ اجزائے ترکیبی اگر کسی چیز میں پائے جائیں تو اسے کھانے یا پینے میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔
آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہمیشہ حلال اور پاکیزہ کھانے اور پینے کی توفیق عطا فرمائے۔انہ ولی التوفیق

اسلام کا عادلانہ نظامِ وراثت
اور اس کی خصوصیات

حافظ محمد یونس اثری | مدرس المعہد السلفی کراچی

اسلام دینِ عدل ہے۔جس میں عدل کی ترغیب دیتے ہوئے حکم دیا گیا کہ ﴿اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾ (المائدۃ:8) عدل کرو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

اسلام عقائد واحکام سے لے کر معاشرت کے ہر پہلو کے حوالے سے عدل کا درس دیتا ہے۔اس کے عالمگیر اور عدل پر مبنی قوانین کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی ،معاشرتی معاملات میں سے ایک بنیادی معاملہ وراثت کا بھی ہے۔اسلام نے جو وراثت کا نظام پیش کیا ہے یہ مکمل طور پر ایسے عدل پر مبنی ہے جس سے تمام مذاہب محروم ہیں۔

اسلام کے نظام وراثت کی عادلانہ خصوصیات کو بیان کرنے سے قبل بعض دیگر مذاہب کے ظلم پر مبنی نظام وراثت کا طائرانہ ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ اسلامی نظام وراثت کی خصوصیات مزید ابھر کر سامنے

نظام وراثت کا طائرانہ ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ اسلامی نظام وراثت کی خصوصیات مزید ابھر کر سامنے آجائیں۔

وراثت اور دیگر مذاہب

وراثت کے حوالے سے ہم یہاں مشت از خروارے کے طور پر یہ ذکر کریں گے کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عادلانہ خصوصیات سے محروم ہیں۔جن میں سے چند ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دور جاهلیت میں وراثت

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنوسلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے میں اس وقت بے ہوش تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا، پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیتِ مواریث نازل ہوئی۔[1]

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دونوں سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیاں ہیں، ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کا نکاح مال کے بغیر نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا، چنانچہ آیتِ میراث نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چچا کے پاس بذریعہ ایک شخص کے حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔[2]

سورۂ نساء کی آیت نمبر 11 کے بارے میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ یہ آیت، میت جو مال اور ورثہ چھوڑ کر فوت ہو اس کے بارے میں ایک واجب حکم کی تبیین کے لئے نازل ہوئی، اس لئے کہ اہل جاہلیت میت کی وراثت کو

[1] صحیح بخاری:کتاب الفرائض، صحیح مسلم : کتاب الفرائض ،باب میراث الکلالة

[2] ترمذی:کتاب الفرائض ، باب ماجاء فی میراث البنات، ابن ماجه : کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب

اس کے ورثاء میں سے ان افراد کونہیں دیتے تھے جودشمن سے جنگ وغیرہ میں قتال نہ کرسکتے ہوں۔ جیسا کہ چھوٹے بچے اور عورتیں۔ذریت کو چھوڑ کر مقاتلین میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔(گویا کہ کمزور طبقہ محروم ہوجا تا تھا)اللہ تعالیٰ نے اس آیت اوراس سورت کے آخر میں میت جو ورثاء چھوڑ کر جائے ان کے نام لے کر ان کے حصوں کوفرض کردیا۔میت کے چھوٹے ،بڑے بچوں اور بچیوں کے لئے بھی ان کے والد کی وراثت سے حصہ مقرر کیا، جب ان کے علاوہ کوئی اوروارث نہ ہو،تو مذکر کومؤنث کی بہ نسبت دگنا ملے گا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کودیتے تھے اورلڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں،تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کردیا البتہ دونوں کے حصوں میں فرق رکھا، اس لئے کہ مردوں کے ذمہ جوضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمہ نہیں، مثلاً: اپنے متعلقین کے کھانے پینے، اخراجات کی کفالت، تجارت اورکسب اوراسی طرح کی دیگر مشقتیں۔توانہیں ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دوگنا دلوایا۔''[1]

بہرحال ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اہل جاہلیت میں تقسیم وراثت کا نظام سراسرظلم پر مبنی تھا، جسے اسلام نے ختم کیا اورمکمل طور پرایک عادلانہ نظام وضع کیا، جو کمزور سے کمزور طبقے کواس کا وہ حق دیتا ہے،جس کا وہ مستحق ہے۔

یہودیت اور وراثت

یہودیت جوکہ وہ دین ہے جوسیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا، چونکہ یہ عالمگیر اوردائمی دین نہیں تھا،لہذا اس مذہب میں موجود ضوابط کا تعلق بھی ایک خاص وقت سے تھا،اورمزید یہ کہ آج وہ اپنی اصل حالت میں موجود بھی نہیں کیونکہ اس میں بہت زیادہ تحریفات ہوچکی ہیں۔بہرحال عہد نامہ قدیم کے مطابق یہودیت جونظام دے رہی ہے وہ غیر عادلانہ اور نامکمل ہے،جیسا کہ گنتی : باب 27 فقرہ نمبر 1 تا 11 میں یہ بیان ہوا ہے:

---

[1] تفسیرابن کثیر:2/251

''❶۔تب یُوسف کے بیٹے منسّی کی اَولاد کے گھرانوں میں سے صلافحاد بن حفر بِن جِلعاد بِن مکِیر بِن منسّی کی بیٹیاں جِن کے نام مَحلاہ اور نُوعاہ اور حُجلاہ اور مِلکاہ اور ترضاہ ہیں پاس آکر۔ ❷۔خیمۂِ اِجتماع کے دروازہ پر مُوسیٰ اور الیعزر کاہِن اور امیروں اور سب جماعت کے سامنے کھڑی ہُوئیں اور کہنے لگیں کہ۔ ❸۔ہمارا باپ بیابان میں مَرا پر وہ اُن لوگوں میں شامِل نہ تھا جِنہوں نے قورَح کے فرِیق سے مِل کر خُداوند کے خِلاف سر اُٹھایا تھا بلکہ وہ اپنے گُناہ میں مَرا اور اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ ❹۔سو بیٹا نہ ہونے کے سبب سے ہمارے باپ کا نام اُس کے گھرانے سے کیوں مِٹنے پائے؟ اِس لِئے ہم کو بھی ہمارے باپ کے بھائیوں کے ساتھ حِصّہ دو۔

❺۔مُوسیٰ اُن کے مُعاملہ کو خُداوند کے حضُور لے گیا۔ ❻۔خُداوند نے مُوسیٰ سے کہا۔ ❼۔صلافحاد کی بیٹیاں ٹھیک کہتی ہیں۔تُو اُن کو اُن کے باپ کے بھائیوں کے ساتھ ضرُور ہی مِیراث کا حِصّہ دینا یعنی اُن کو اُن کے باپ کی مِیراث مِلے۔ ❽۔اور بنی اِسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی شخص مَر جائے اور اُس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اُس کی مِیراث اُس کی بیٹی کو دینا۔ ❾۔اگر اُس کی کوئی بیٹی بھی نہ ہو تو اُس کے بھائیوں کو اُس کی مِیراث دینا ❿ اگر اُس کے بھائی بھی نہ ہوں تو تُم اُس کی مِیراث اُس کے باپ کے بھائیوں کو دینا ⓫ اگر اُس کے باپ کا بھی کوئی بھائی نہ ہو تو جو شخص اُس کے گھرانے میں اُس کا سب سے قرِیبی رِشتہ دار ہو اُسے اُس کی مِیراث دینا۔وہ اُس کا وارِث ہوگا اور یہ حُکم بنی اِسرائیل کے لِئے جَیسا خُداوند نے مُوسیٰ کو فرمایا واجِبی فرض ہوگا۔''[1]

ان فقرات میں جو معاملہ واضح ہے، وہ یہ ہے کہ صلافحاد کی بیٹیوں نے اپنا حصہ طلب کرتے وقت فقرہ نمبر ۵ میں یہ کہا کہ ''سو بیٹا نہ ہونے کے سبب سے ہمارے باپ کا نام اُس کے گھرانے سے کیوں مِٹنے پائے؟'' جس سے مفہوم واضح ہے کہ اگر بیٹا ہوتو ان بیٹیوں کو کچھ نہیں ملے گا!! فافھم وتدبر گویا کہ عورت کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے،اور پھر یہودیت کی کتاب تالمود کے مطابق ، یہودی اللہ کا جزء

[1] عہد نامہ قدیم: گنتی باب 27 فقرہ نمبر 1 تا 11

ہیں (نعوذ باللہ) اور اللہ کے یہاں فرشتوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تالمود یہ بھی کہتی ہے کہ کسی یہودی کو تکلیف دینا اللہ کی عزت کو تکلیف دینا ہے۔ اور یہودی تمام لوگوں اور ان کے اموال پر غاصب ہو سکتے ہیں، اور جو اس طرح کسی کے مال پر مسلط ہو جائے اسے ملامت نہیں کیا جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منھم)

جس مذہب کی تعلیمات اس قدر ظلم و استحصال پر مشتمل ہو، وہ بھلا کیسے عالمگیر طور پر عادلانہ نظام وراثت پیش کرسکتا ہے!!

مولانا صلاح الدین حیدر لکھوی صاحب بھی اپنی کتاب ''اسلام کا قانون وراثت'' میں یہودیت کے غیر عادلانہ نظام وراثت کا ذکر کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیت کے مطابق صرف بیٹا وارث بن سکتا ہے اور اس میں بھی ناانصافی یہ ہے کہ بڑے بیٹے کو دگنا ملے گا۔ یہودیت ولد الزنیٰ کو تو وارث بناتی ہے، لیکن ماں، بیوی یا بیٹی کو وارث نہیں بناتی۔ (1)

عیسائیت اور وراثت

عیسائیت شریعت موسوی ہی پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ بائبل میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول موجود ہے۔

''یہ نہ سمجھو کہ مَیں تَورَیت یا نبِیوں کی کِتابوں کو منسُوخ کرنے آیا ہُوں۔ منسُوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہُوں۔ کیونکہ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جب تک آسمان اور زمِین ٹل نہ جائیں ایک نُقطہ یا ایک شوشہ تَورَیت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کُچھ پُورا نہ ہو جائے۔'' (2)

یہاں واضح طور پر بائبل کا بیان ہے کہ عیسی علیہ السلام توریت کو منسوخ کرنے نہیں آئے۔ لہذا بائبل کے گزشتہ حوالے (3) کا اطلاق عیسائیت کے لئے بھی ہوگا۔ ورنہ عہد نامہ جدید میں وراثت کے حوالے سے کوئی تفصیل موجود نہیں۔ لہذا عہد نامہ عتیق کی رو سے یہودیت کی طرح یہ بھی عادلانہ نظام وراثت سے محروم ہے۔ ساتھ ہی ان دونوں مذاہب میں یہ بھی نقص موجود ہے کہ ان میں مفصل نظام وراثت موجود نہیں۔

---

(1) دیکھئے: اسلام کا قانون وراثت، صفحہ نمبر 30 تا 33

(2) انجیل متیٰ: باب نمبر: 5 فقرہ نمبر: 17، 18

(3) جو یہودیت کے حوالے سے یہودیت اور وراثت کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

ہندو مت اور وراثت

جس مذہب میں انسانیت کو چار طبقاتی تقسیم میں منقسم کر دیا گیا ہو۔

۱۔ **برہمن:** یہ طبقہ مذہبی پنڈت یا روحانی پیشوا پر مشتمل ہے۔

۲۔ **کشتری:** یہ طبقہ اشراف و امراء پر مشتمل ہے۔

۳۔ **ویش:** یہ طبقہ کاروباری طبقہ پر مشتمل ہے۔

۴۔ **شودر:** یہ طبقہ خدمت گزاری اور نوکر قسم کے افراد پر مشتمل ہے۔

ان تقسیمات میں انسان کو بانٹ دیا گیا ہو تو وہ مذہب کیسے عادلانہ نظام وراثت دے سکتا ہے!!

مزید یہ کہ جو اس طبقے سے بھی خارج ہیں، انہیں تو معاشرے سے خارج ہی سمجھا جاتا ہے۔ان کی وراثت کو ظاہر سی بات ہے غصب ہی کیا جائے گا۔

بہرحال ان تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام نے جو نظام دیا وہ پیش خدمت ہے۔

اسلام کے عادلانہ نظام وراثت کی خصوصیات

مختصر طور پر مختلف ادیان کے غیر عادلانہ نظام وراثت کو بیان کیا گیا ہے،اب ہم آئندہ سطور میں اسلام کے عدل پر مبنی نظام کے چند نکات کو بیان کئے دیتے ہیں تا کہ دیگر ادیان اور اسلام کے دیئے گئے نظام میں تقابل آسان ہو جائے۔

سب سے پہلے یہ بات جان لی جائے کہ کسی وراثت کی تقسیم کو بنیادی طور پر دو اقسام کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے۔زندگی میں کسی کو اپنے مال کا وارث بنانا (جسے ہبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور موت کے بعد وارث بننا۔

اسلامی نقطہ نظر سے ان دونوں طریقوں سے وارث بنا جاسکتا ہے،لیکن دونوں طریقوں کی صورتیں مختلف ہیں۔مگر عدل کا طریق بہرحال دونوں صورتوں میں قائم ہے۔

ہبہ (Gift) کرنا

اسلامی نظام وراثت کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو اپنی زندگی میں وارث بنانا چاہے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے تو جواب یہ ہے کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے لیکن اس کے کچھ ضابطے ہیں۔ اور مکمل ضابطہ شریعت نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی اپنی زندگی میں وراثت تقسیم کرے تو اس کو کتب فقہ میں فرائض یا میراث کے تحت نہیں لایا جاتا اور نہ ہی اس کی تقسیم وراثت کی سی ہوگی بلکہ وہ ایک ہبہ اور عطیہ ہے کتب فقہ میں اسی باب کے تحت اس حوالے سے بحث ملے گی۔ اور اس کے احکام وضوابط بھی مختلف ہیں۔

ہبہ کے حوالے سے ضروری ضوابط

- اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں وراثت تقسیم کر رہا ہے تو وہ ایک ہدیہ ہے اور اس میں اولاد کے درمیان برابری ضروری ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں سب کو برابر برابر دیا جائے گا۔
- ورثاء میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے باقیوں کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے باپ (بشیر) نے ان کی ماں کے کہنے پر انہیں کچھ مال ہبہ کر دیا، تو ان کی ماں نے کہا کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا لو۔ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی درخواست کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی اور اولاد بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے سب کو اتنا ہی مال ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ [1]

بعض روایات میں ہے کہ "اللہ سے ڈر جاؤ اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔" [2]

---

[1] صحیح بخاری: 2650، کتاب الشھادات، باب لا یشھد علی شھادۃ جور اذا اشھد، صحیح مسلم: 1623، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ

[2] صحیح بخاری: 2587، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، باب الاشھاد فی الھبۃ

❁ عاق کرنا: کسی کو عاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں شرعی ورثاء میں سے کسی کو محروم کردے۔
❁ ورثاء کو چھوڑ کر کُل مال کسی اور کو نہیں دیا جاسکتا۔
❁ منہ بولا بیٹا شرعی طور پر وارث نہیں بن سکتا۔
❁ دور جاہلیت میں ہبہ کی ایک قسم عمریٰ اور رقبیٰ بھی تھی، اسلام نے دور جاہلیت والی صورت کو ختم کیا ہے۔

عمری

یہ ہبہ کی ایک صورت ہے اس میں عمر کی قید لگائی جاتی ہے کہ دینے والا کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تیری زندگی تک تجھے دی۔ اور اس کے بعد یہ واپس میری ہوجائے گی۔ جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دور جاہلیت میں ایک شخص دوسرے کو گھر دیتا اور اسے کہتا کہ میں نے یہ خاص تیرے لئے تیری زندگی تک تجھے دیا۔''[1] اس طرح کی شرط کو بھی شریعت نے ختم کیا ہے۔
لہذا ایسا کوئی عطیہ کیا گیا ہے تو وہ واپس نہیں لوٹے گا بلکہ معمّر (جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے) اسی کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔[2] الا یہ کہ عمر کی قید کے علاوہ وقت مقرر کیا جائے چند سال وغیرہ کا تو یہ صحیح ہے۔

رقبیٰ

یہ بھی تحفہ اور عطیہ کی ایک صورت ہے، دور جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز بطور تحفہ دیتا اور کہتا: اگر میں تجھ سے پہلے مرگیا تو یہ تحفہ تیرے پاس ہی رہے گا اور اگر تو مجھ سے پہلے مرگیا تو یہ تحفہ واپس آجائے گا، مثلاً گھر وغیرہ۔ اسے رقبیٰ کہتے ہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے۔ اور رقبیٰ بھی انتظار کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ طریقہ صحیح نہیں اس لئے اسلام نے اسے باطل قرار دیا۔ اب جو شخص کسی کو عطیہ کرے گا اور وہ عطیہ اس کے آخری سانس تک اس کے پاس رہے تو وہ مرنے کے بعد بھی واپس نہیں آئے گا بلکہ اس کا ترکہ شمار ہوگا

---

[1] نیل الاوطار: 204/11
[2] سنن نسائی : کتاب العمریٰ ، باب العمریٰ للوارث

اور اس کے ورثاء کو ملے گا، ہاں جو چیز کسی کو کچھ عرصے کے لئے دی جائے، مثلاً چند سال کے لئے مقرر کر کے دے دی گئی، وہ مقرر کردہ وقت کے بعد واپس آجائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ زندگی میں ہبہ کے ذریعے کسی کو وارث بنانا شرعاً جائز لیکن اس میں بھی عادلانہ قوانین اسلام ہی کا امتیاز ہیں۔

وفات کے بعد کسی کا وارث بننا

زندگی میں کوئی شخص کسی کو اپنا مال ہبہ کرسکتا ہے اس کی تفصیل کے بعد اب ہم میت کی وفات کے بعد تقسیم وراثت میں اسلام کے نظام عدل کو بیان کرتے ہیں جو کہ ہر پہلو سے جھلکتا نظر آتا ہے۔

تقسیم وراثت سے قبل کے عادلانہ پہلو

تقسیم وراثت سے قبل تین شروط کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔جن کی موجودگی میں تقسیمِ وراثت صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔(1) مورَّث (جس کا وارث بنا جارہا ہے) کی موت کا ثابت ہونا، یا ایسا مفقود کہ جس کے بارے میں قاضی میت سمجھ لینے کا فیصلہ دے دے۔(2) وارث کی زندگی کا ثابت ہونا (3) جس بنیاد پر وارث بنا جارہا ہے اس کا اثبات۔

ان تینوں شروط کے تعین سے عدل کا معاملہ واضح طور پر جھلک رہا ہے کیونکہ ان شروط کے تعین کا مقصود یہی ہے کہ کسی قسم کی زیادتی اور ظلم نہ ہو۔مثلاً

پہلی شرط: میت کے موت کے یقینی یا حکماً اثبات کی شرط میں میت کے ساتھ عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کہیں کوئی دھوکہ دیتے ہوئے کسی کی عدم موجودگی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کی وراثت کو تقسیم نہ کردے۔

دوسری شرط: وارث کی زندگی کا ثابت ہونا، اس میں تمام ورثاء کے ساتھ عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ مورث کی زندگی میں جو فوت ہوجائے وہ شرعاً وارث نہیں بن سکتا، تو اس میں تمام زندہ ورثاء کے ساتھ عدل ہے۔

تیسری شرط: جس سبب سے وہ وارث بن رہا ہے اس کا ثابت ہونا جو کہ تین ہیں، مثلاً وراثت

کے تین اسباب ہیں، نکاح، ولاء، قرابت۔ تو اس شرط میں بھی ورثاء کے استحقاق کی حفاظت کی گئی ہے جو عین عادلانہ ہے، اس شرط کی رو سے کوئی غیر وارث، حقیقی وارث کے حصے کو غصب یا ہتھیا نہیں سکتا۔

مزید عدل کا عالم یہ ہے کہ اب شخص ان تین شروط پر پورا اترتے ہوئے میت کا وارث بننے کا اہل ہے لیکن اگر شرعی موانع میں کوئی ایک مانع بھی آ گیا تو وارث نہیں بن سکتا۔ موانع بھی تین ہیں۔

غلام ہونا: غلام نہ خود وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کا وارث بنا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی ساری کمائی مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔

اس میں عدل کا پہلو یہ ہے کہ عام طور پر جنگوں کے دوران غیر مسلم قیدی لوگ غلام بن جاتے ہیں۔ لہذا ایسے غیر مسلم جنہیں غلام بنایا گیا ہے کہیں وراثت کے طریق سے ان کے لئے کوئی مدد کا سلسلہ نہ بن جائے اور وہ اور وہ اپنے مالک کے حقوق ادا نہ کرے۔ دوسرے نمبر پر یہ حکمت بھی نظر آتی ہے کہ اس غلام کی وجہ سے آزاد وارثوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ظاہری بات ہے اس غلام کو وراثت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے مالک کی ملکیت ہو جانا کیونکہ غلام کا سب کچھ اس کے مالک کا ہے۔ اس طرح وہ مال نہ غلام کا رہا اور نہ ہی آزاد وارث کا۔ شریعت اس ضابطے کے ذریعے ظلم و جبر کے بہت بڑے راستے کو بند کیا ہے، یوں سمجھ لیں کہ اس ضابطے کی وجہ سے بس ایک شخص غلام ہو اور اگر یہ اصول ختم ہو جائے صرف وہ شخص ہی غلام نہیں رہے گا بلکہ اس غلامی کی لپیٹ میں اس کے تمام قریبی رشتے دار آ جائیں گے۔

قتل: قاتل اپنے مورث کو قتل کر دے، جس پر قصاص یا دیت لازم ہو، اس قتل کی وجہ سے یہ قاتل وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس میں حکمت یہی نظر آتی ہے کہ مال و دولت کا حرص اور حصول مال کی جلدی کی بناء پر وہ اس طرح کا گناہ نہ کرے۔ گویا کہ کسی کا مال ہتھیانا جہاں کسی دوسرے کے لئے ناممکن ہے وہیں شرعی وارث بھی ناجائز طریقے سے کسی کا مال ہتھیا نہیں سکتا۔

دین کا مختلف ہونا: مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ اور وجہ اس میں بھی یہی

ہے کہ ایک کافر کی وجہ سے مسلمان ورثاء کے حصوں میں نقص واقع ہو جائے گا۔ اور دینی غیرت و حمیت کے منافی بھی ہے۔

بہر حال ان موانع کے ذریعے سے بھی عدل کو قائم کیا گیا ہے اور ظلم کے دروازوں کو بند کر دیا گیا ہے تاکہ کسی اعتبار سے غیر مستحق شخص وارث نہ بن سکے۔

عدل کا اگلا مرحلہ

اب تک تو تقسیمِ وراثت کے حوالے سے ضروری امور کا ذکر ہوا جو کہ عین عادلانہ ہیں۔ لیکن تقسیم وراثت سے قبل شریعت میت کے حوالے سے حسن سلوک کا حکم دیتی ہے جو کہ میت کا حق ہے اور اس میں میت کے ساتھ عدل کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

میت کی تدفین کا انتظام

میت کی تدفین کا انتظام کیا جائے گا، اور ورثاء میں سے کوئی اس کے خرچ کا ذمہ لے لے تو یہ اس کے لئے باعث اجر ہے لیکن واجب نہیں۔ ورنہ میت کے مال سے ہی اس کا سارا خرچ ہوگا۔ البتہ اگر میت نے مال نہیں چھوڑا تو اب ورثاء پر اپنی آمدنی سے تدفین کے انتظام کو سنبھالنا واجب ہے۔ شریعت کے اس حکم میں میت اور اخلاف دونوں کے ساتھ ہی عدل کا پہلو موجود ہے۔ اس لئے کہ انتظام و انصرام کو نہ ہی اخلاف کے ساتھ وجوبی طور پر مخصوص کیا گیا ہے کہ بہر صورت وہی تدفین کا خرچ برداشت کریں اور میت کے مال سے کچھ خرچ نہ کیا جائے ایسا ہرگز نہیں۔ اور نہ ہی انہیں بہر صورت بری کر دیا گیا ہے کہ اگر میت کے ترکہ میں کچھ بھی نہیں تو بھی یہ بری ہیں ایسا بھی نہیں ہے۔

یہ تفصیل مکمل طور پر تمام اعتبارات سے عدل پر مبنی ہے کیونکہ کسی ایک کے ساتھ بہر صورت خرچ کا ذمہ لازم کر دیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی، بہر حال میت کی تدفین و تکفین کے انتظام سے پہلے وراثت کی تقسیم نہیں کی جا سکتی۔

میت کے قرض کی ادائیگی

میت کی تقسیم سے قبل دوسرا اہم ترین مرحلہ یہ ہے کہ میت کے ذمے جو قرض ہے اسے ادا کیا

جائے یہ میت کے مال سے ادا کیا جائے گا اور اگر میت کوئی مال نہ چھوڑے یا قرض سے کم چھوڑے تو باقی ماندہ قرضہ کی ادائیگی ورثاء پر ہے۔

میت کی وصیت کا لاگو کرنا

تقسیم وراثت سے قبل ایک اہم معاملہ میت کی وصیت کا بھی ہے کہ اسے بھی لاگو کیا جائے۔ اور اس کے لاگو کرنے کے حوالے سے بھی شریعت کے بیان کردہ ضوابط اپنے اندر عدل والی امتیازیت سموئے ہوئے ہیں۔

وصیت کے احکام

❁ ابتدائی دور میں وصیت فرض تھی، وراثت کے تفصیلی احکام آجانے کے بعد اب اس کا حکم استحبابی ہے۔

❁ ایک تہائی سے زائد میں وصیت جائز نہیں۔ جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اس قدر بیمار ہو گیا کہ موت کو جھانکنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کرنے آئے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور میری بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: نصف؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: ایک تہائی؟ فرمایا: ہاں ایک تہائی، ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہی ہے۔ تو اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ [1] اگر ایک تہائی سے زائد پر وصیت ہوگی تو ورثاء زائد کے بارے میں حق رکھتے ہیں کہ اسے نافذ نہ کریں۔

❁ وصیت وارث کے بارے میں کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ پس وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ [2] اگر ایسی وصیت کی گئی تو وہ نافذ نہیں ہوگی۔

❁ پہلے قرض کو ادا کیا جائے گا پھر وصیت کا نفاذ ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الفرائض، باب میراث البنات، صحیح مسلم: کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، جامع ترمذی: کتاب الوصایا، باب ماجاء لاوصیة لوارث، سنن ابن ماجة: کتاب الوصایا، باب من مات ولم یوص هل یتصدق عنه مسند احمد 4/186

❁ ورثاء کی طرف سے وصیت کو ردو بدل کرنا حرام ہے۔

❁ وصیت میں کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک انسان مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت کے عمل کرتے رہتے ہیں، پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (وارثوں کو) نقصان دے جاتے ہیں تو ان کے لئے آگ واجب ہو جاتی ہے۔[1]

کمزور طبقوں تک وراثت کی رسائی

اسلامی نظام وراثت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کمزور سے کمزور طبقوں تک بھی ان کا حق پہنچاتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں جبکہ اس خصوصیت سے دیگر مذاہب محروم ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی قدرے وضاحت کرتے ہیں:

یتیم بچہ (Orphan)

یتیم بچہ معاشرے کا ایک کمزور طبقہ ہے، اسلام سے قبل یتیموں کا مال غصب کر لئے جاتے تھے۔ اسلام نے آ کر یتیموں کے حوالے سے احکامات نافذ کئے، اور ان کے ساتھ نارواں سلوک کرنے والوں کی مذمت کی اور ڈرایا گیا کہ اگر ان کی اولاد ان یتیموں کی جگہ ہوتی تب بھی وہ یہی چاہتے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک جو وہ یتیموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسلام نے جو احکامات یتیم کے حوالے سے دیئے ان میں چند ایک درج کئے جاتے ہیں۔

یتیم کے مال کی دیکھ بھال

❁ یتیم کی کفالت کی ترغیب دلائی گئی اور اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سبابہ اور درمیان والی انگلی کو تھوڑے فاصلے کے ساتھ ملاتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے۔[2]

❁ یتیم کا کفیل اگر مالدار ہے تو حد درجہ اس کے مال کو خرچ کرنے میں احتیاط برتے۔

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الوصایا، باب ما جاء فی کراھیة ..، جامع ترمذی: کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الضرار ..

[2] صحیح بخاری: کتاب الطلاق، باب اللعان، صحیح مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب الإحسان

❁ اگر خود غریب ہے تو اس کے مال کو خرچ کرسکتا ہے، لیکن فضول خرچی اور اسراف نہ ہو، اور نہ ہی مال ضائع کیا جائے اور نہ ہی یتیم کے مال سے اپنی جمع پونجی بنائی جائے۔ [1]

❁ یتیم کا مال کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ [2]

بہر حال عام معاملات میں بھی اس کے ساتھ حسن سلوک اور وراثت کے حوالے سے بھی وہ جس حصے کا وارث ہے اسے دیا جائے گا نیز اس کی کفالت کی بھی ترغیب دلائی گئی اور بڑے ہوجانے پر اس کا مال اس کے حوالے کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔

حمل (Unborn Child)

اسلامی نظام وراثت میں انتہا درجے کے عدل کی ایک عمدہ مثال یہ بھی ہے کہ اس نظام میں ماں کے پیٹ میں موجود حمل (اگر وہ پیدائش کے بعد شرعی طور پر وارث بنتا ہو) کے لئے بھی حصہ رکھ لیا جائے گا اور اسے کالعدم نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ یہ اس کے ساتھ ناانصافی اور ظلم ہوگا۔ البتہ اس کی تقسیم کے حوالے سے مشکل یہ ہے کہ حمل کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم نہیں ہوتا مثلاً وہ زندہ بھی ہوگا یا نہیں، مذکر ہوگا یا مؤنث، پھر وہ ایک ہے یا ایک سے زائد ہیں۔ وغیرہ

بہرحال اس کا حل یہ ہے کہ اولاً کوشش یہی ہونی چاہئے کہ تمام ورثاء وضع حمل کا انتظار کریں، ورنہ حمل کے لئے اکثر حصہ روک کر باقی ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا یعنی اگر بچہ کی صورت میں حصہ زیادہ بنتا ہے تو وہ روک لیں گے اور اگر بچی کی صورت میں زیادہ بنتا ہے تو وہ روک لیں گے اور حمل کے لئے جس حیثیت (بچہ/ بچی) سے حصہ روکا گیا ہے اگر وضع حمل کے بعد وہ وہی (بچہ یا بچی) ہے، پھر تو ٹھیک۔ ورنہ اس کا حصہ کم کرکے وہ مال ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا۔ مزید تفصیل اس حوالے سے کتب میراث میں دیکھی جاسکتی ہے، ہم یہاں جس حوالے سے بات کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ حمل کے

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الوصایا، باب ماجاء فی ما لولی الیتیم ان ینال من مال الیتیم ، سنن النسائی: کتاب الوصایا، باب ما للوصی من مال الیتیم اذا قام علیه

[2] صحیح بخاری :کتاب الوصایا، باب قول الله تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً، صحیح مسلم : کتاب الایمان ، باب الکبائر و اکبرها،

لئے اس کا حصہ روک کر رکھنا اسلامی نظام وراثت کا امتیازی حکم ہے۔ جو اس بچے کے ساتھ عین عدل ہے۔ اور ظاہر سی بات ایک زندہ بچہ اس کی کم عمری کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو حمل کو نظر انداز کرنا بالاولیٰ ممکن ہے لیکن اسلامی شریعت کی پیروی میں ایسا ممکن نہیں۔

خنثیٰ (Transgender)

خنثیٰ (ہیجڑا) بھی معاشرے کا کمزور طبقہ ہے، شریعت کے مطابق وارثت کا حقدار ہے۔ اور جس حصے کا یہ مستحق ہے وہی اسے دیا جائے، خنثیٰ کی تین صورتیں ہیں ❶ جس کی ہیئت عورتوں جیسی ہو تو اسے عورت کے اعتبار سے ہی حصہ ملے گا، ❷ جس کی ہیئت مرد جیسی ہو اسے مرد کے اعتبار سے ہی حصہ ملے گا اور ❸ تیسرے معاملہ کو بھی حل کیا گیا ہے جسے خنثیٰ مشکل کے نام سے جانا جاتا ہے، یعنی جس میں مرد وعورت والی دونوں ہیئتیں ہوں یا دونوں ہی نہ ہوں، (بچپن میں نہ ہوں، عام طور پر بڑے ہو کر تعین ہو جاتا ہے۔) اہل علم نے اس پر بھی بحث کی اور حل کیا، جس کی تفصیل کتب میراث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بس یہاں اس قابل غور پہلو کی طرف صرف اس قدر نشاندہی مقصود ہے کہ ایک ایسا طبقہ جو معاشرے کا انتہائی کمزور طبقہ ہے اس میں بھی اگر حسب استحقاق حصہ پہنچ رہا ہے، اس سے بڑھ کر عدل کی کیا حد ہوسکتی ہے؟؟

عورت (Woman)

اسلام عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹﴾[النساء:19]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔ اور نہ ہی انہیں اس لیے روکے رکھو کہ جو مال (حق مہر وغیرہ) تم انہیں دے چکے ہو اس کا کچھ حصہ اڑا لو۔ اِلاّ یہ کہ وہ صریح بدچلنی کا ارتکاب کریں۔ اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر

کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو مگر اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔"

جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا کہ یہودیت اور دیگر مذاہب میں عورت کا وارث بن جانا بہت مشکل ہے، لیکن اسلام نے عورت کی مختلف حیثیتوں کو سامنے رکھا اور ان حالتوں کی حیثیت کے بقدر اس کا حصہ مقرر کیا۔ جیسا کہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عورت ماں کی حیثیت سے

اولاد یا ایک سے زائد بہن بھائی کی موجودگی میں چھٹے حصے کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ (دیکھئے سورۃ النساء کی آیت نمبر 11) ورنہ کل مال سے ایک تہائی ملے گا۔ اور ایک صورت میں ماں کو باقی ماندہ کا ایک تہائی مال ملے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ ورثاء میں خاوند، ماں اور باپ یا بیوی ماں اور باپ ہوں۔ جسے مسئلہ عمریتین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عورت بیٹی کی حیثیت سے

بیٹی کی حیثیت سے اگر اولاد میں اکیلی بیٹی ہی ہے تو اسے نصف مال ملے گا۔

ایک سے زائد بیٹیاں ہوں تو انہیں دو تہائی مال ملے گا۔

اور اگر بیٹے و بیٹیاں دونوں ہوں تو مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ کے اصول کے تحت مال تقسیم ہوگا۔ (دیکھئے سورۃ النساء: 11)

عورت بہن کی حیثیت سے

بہنوں کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً سگی بہن، علاتی بہن (باپ کی طرف سے بہن)، اخیافی بہن (ماں کی طرف سے بہن)۔ ان تینوں حیثیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے حصے میں بھی تبدیلی آئے گی جیسا کہ درج ذیل ہے۔

سگی بہن

✵ اگر سگی بہن اکیلی ہے اور میت کی کوئی اولاد نہیں تو اس صورت میں بہن کو آدھا مال ملے گا۔

✳ اگرایک سے زائد ہوں توان کودوتہائی ملے گا۔جوان کے مابین تقسیم ہوگا۔

✳ اگربہن کا بھائی موجود ہےتو یہ عصبہ بالغیر ہونے کی حیثیت سے وارث بنے گی۔ بھائی کودو حصے اور بہن کوایک حصہ مل جائے گا۔

✳ اگرصرف بیٹی موجود ہے یا پوتی موجود ہےتو اس صورت عصبہ میں مع الغیر ہونے کی حیثیت سے باقی ماندہ مال کی وارث بنے گی اور بیٹی یا پوتی کونصف مال ملے گا۔

✳ اگرمیت کا بیٹا یا پوتا، باپ یا دادا موجود ہےتو ایسی صورت میں سگی بہن محروم ہوجائے گی۔

علاتی بہن (باپ کی طرف سے بہن)

اگرمیت کے باپ، دادا اور اولاد موجود نہیں اور نہ ہی سگے بہن بھائی ہیں اور نہ ہی علاتی بھائی (باپ کی طرف سے بھائی) ہے اور علاتی بہن اکیلی ہےتو اس صورت میں اسے نصف مال ملے گا۔اور اگرایک سے زائد ہیں تو دوتہائی ملے گا جو کہ ان کے مابین تقسیم ہوگا۔اور اگرسگی بہن موجود ہےتو چھٹا حصہ تکملة للثلثین ملے گا۔اور علاتی بہن یا علاتی بھائی کی موجودگی میں یہ عصبہ بالغیر ہونے کی حیثیت سے وارث بنے گی۔

اخیافی بہن (ماں کی طرف سے بہن)

اخیافی بہن اگراکیلی ہےاور میت کی اولاد اور باپ دادا موجود نہیں تو اسے چھٹا حصہ ملے گا۔اور اگر ایک سے زائد ہیں تو انہیں ایک تہائی حصہ ملے گا۔اور اگرمیت کی اولاد یا باپ دادا موجود ہےتو یہ وراثت سے محروم ہوجائیں گی۔

عورت بیوی کی حیثیت سے

✳ اگراولاد موجود نہ ہوتو اسے کل مال سے چوتھا حصہ ملتا ہے۔

✳ اور اگراولاد موجود ہوتو اسے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔(دیکھئے سورۃ النساء: آیت نمبر:12)

عورت دادی اور نانی کی حیثیت سے

اگر میت کی ماں موجود نہیں اور نانی ،دادی ہے تو یہ چھٹے حصے کی حق دار ہیں۔ ماں کی موجودگی میں دونوں کو کچھ نہیں ملے گا اور باپ کی موجودگی میں دادی کو کچھ نہیں ملے گا۔

عورت پوتی/پڑ پوتی (الی ما نزل)کی حیثیت سے

✳ اگر وہ اکیلی ہے اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتے کی عدم موجودگی میں اگر پوتی اکیلی ہے تو نصف مال کی حق دار اور ایک سے زائد ہیں تو دو تہائی مال کی حق دار ہیں۔اور اگر بیٹی بھی ہے اور پوتی بھی تو بیٹی کو نصف اور پوتی کو تکملة للثلثین (یعنی بیٹیوں کے حصے دو تہائی کو پورا کرنے کے لئے) چھٹا حصہ ملے گا۔اور اگر پوتا موجود ہے تو عصبہ بن جائے گی ،اصحاب الفرائض سے بچا ہوا باقی ماندہ پوتا ، پوتی میں للذکر مثل حذ الانثیین (مرد کے دو،عورت کا ایک حصہ) کے اصول کے تحت تقسیم ہوگا۔اور اگر میت کا بیٹا موجود ہے چونکہ باقی ماندہ مال وہی لے لے گا ایسی صورت میں پوتی یا پوتے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

خلاصہ

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام مختلف صورتوں میں عورت کی حیثیت کے بقدر اس کا حصہ بھی تبدیل ہورہا ہے۔لہذا اسلامی نظام وراثت میں تفصیلی طور پر عورت کی تمام حیثیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اسے مناسب حصہ دیا گیا ہے۔جبکہ دیگر مذاہب اسے سرے سے محروم کررہے ہیں۔

باطل شبہ کا ازالہ

عام طور پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے نظر آتے ہیں کہ اسلام عورت کو کم حصہ دیتا ہے اور مرد کو زیادہ حصہ دیتا ہے۔ یہ شبہ بالکل باطل ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہر وارث کو اس کی حیثیت ،میت سے قرابت اور ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے حصہ دیتا ہے،جس میں ورثاء کے حصے میں باہم تفاوت لازمی امر ہے، جہاں تک عورت کے حصے کا تعلق ہے اس کا معاملہ بھی یہی ہے، جہاں اس کا حصہ زیادہ ہے وہاں

اس کی قرابت اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔کبھی مردوں کا باہم ایک دوسرے سے حصہ کم زیادہ ہوسکتا ہے اور کبھی دو عورتوں کا حصہ آپس میں ایک دوسرے سے کم زیادہ ہوسکتا ہے، اسی طرح مرد و عورت کا حصہ بھی ایک دوسرے سے کم اور زیادہ ہوسکتا ہے۔اور وجہ ان کی حیثیتوں کا فرق ہے۔

دوسری بات جو بڑی اہم ہے ہمیشہ عورت کا مرد سے حصہ کم نہیں ہوتا ، بلکہ اس میں خاصی تبدیلیاں آتی ہیں۔جیسا کہ درج ذیل ہیں۔

کبھی عورت کا حصہ مرد کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر

ایک شخص فوت ہوا اور اس کے ورثاء میں اس کی بیٹی اور والدین ہیں۔اب اس صورت میں بیٹی کو آدھا مال مل جائے گا اور ماں کو کل مال سے چھٹا حصہ ملے گا اور بقیہ باپ کو ملے گا، یوں سمجھ لیں گے 100 روپے میں سے پچاس روپے بیٹی کو ملے اور 16.6 روپے ماں کو ملے اور باقی 33.4 روپے باپ کو ملیں گے۔

اب اس صورت میں بیٹی (جو کہ ایک عورت ہے) میت کے باپ (جو کہ ایک مرد ہے) سے زیادہ حصہ لے رہی ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح مثال پر غور کریں

ایک عورت مال وراثت چھوڑ کر فوت ہوئی، ورثاء میں بیٹی، شوہر اور باپ ہیں۔

بیٹی کو آدھا حصہ ملے گا، شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا اور باپ کو باقی ماندہ مال ملے گا، یوں سمجھ لیں گے 100 روپے میں سے پچاس روپے بیٹی کو ملے اور 25 روپے شوہر کو ملے اور باقی 25 روپے باپ کو ملیں گے۔

اب اس مثال میں غور کریں ایک عورت کو اتنا مال ملا جو کہ دو مردوں کو مل رہا ہے۔

کبھی مرد کی بہ نسبت کم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر

پانچ حالتوں میں مرد کو عورت کی بہ نسبت دگنا مال ملتا ہے، دو حالتوں کا تعلق باپ اور ماں سے ہے، (1) جب میت کے ورثاء میں صرف والدین ہی ہیں اور کوئی اولاد بھی نہیں تو باپ کا حصہ ماں سے دگنا

ہوجاتا ہے، کہ ماں کوایک تہائی اور باقی دوتہائی باپ کومل جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ میت کے باپ کے ذمے میت کی ماں کی (جوکہ اس کی بیوی ہے) کفالت ہے۔ (2) ورثاء میں میت کی صرف بیٹی اور والدین ہیں۔ایسی صورت میں بیٹی کونصف اور ماں کوچھٹا حصہ، باقی ماندہ باپ کومل جائے گا جوکہ ثلث بچے گا۔ اور یہاں دگنا دینے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ میت کی ماں کا واحد کفیل باپ ہے جوکہ اس کا شوہر ہے شرعاً بیٹی میت کی ماں یعنی اپنی دادی کی کفیل نہیں۔

واضح رہے کہ ایک صورت میں ماں باپ کا حصہ برابر ہوجاتا ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

باقی تین صورتیں یہ ہیں۔

(1) شوہر کی بیوی کی بہ نسبت دگنا، اور وجہ بھی واضح ہے کہ شوہر کے ذمہ بیوی اور بچوں کی کفالت بھی ہے۔ (2) میت کی اولاد میں مذکر کومؤنث کی بہ نسبت دگنا ملے گا۔ وجہ بھی واضح ہے کہ ان بیٹوں پر میت کی بیٹیوں (جوکہ ان کی بہنیں ہیں) کی کفالت کا ذمہ ہے اوران کی تربیت سے لے کر شادی تک کے معاملات انہیں کے ذمے ہیں۔ (3) میت کے بہن بھائیوں میں بھی باہم تقسیم اسی طرح ہوگی کہ مذکرکومؤنث کی بہ نسبت دگنا ملے گا، وجہ وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ صورتوں میں مذکر کا حصہ مؤنث سے دگنا ہے اوراس کی وجہ بھی واضح ہے۔تو لہٰذا اس میں عورت میں کسی قسم کی زیادتی نہیں، بلکہ اس کے لئے مرد کی بہ نسبت آسانی ہی ہے، کیونکہ وہ اپنے حصے کو چاہے بچائے یا خرچ کرے لیکن مرد پرتو اس کی کفالت لازم ہے اس لئے اس کے لئے بچاکر رکھنا تومشکل ہے۔

کبھی مرد کے برابر بھی ہوجاتا ہے۔

مثال کے طور پر

میت کے اخیافی (ماں کی طرف سے بہن بھائی) کا حصہ ان کے درمیان مذکر ومؤنث میں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر میت کی اولاد میں بیٹے موجود ہیں،ایسی صورت میں ماں باپ کا حصہ برابر ہوجاتا

ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کو حصہ مل جاتا ہے اور مرد محروم ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر

کوئی شخص فوت ہوا ،اور ورثاء میں بیٹی/ بیٹیاں اور سگی بہن/ بہنیں ہیں،اور چچا/ علاتی بھائی/ اخیافی بھائی ہیں۔

اس صورت میں بیٹی/ بیٹیاں اور سگی بہن/ بہنوں میں ہی کل مال تقسیم ہو جاتا ہے ،اور چچا/ علاتی بھائی/ اخیافی بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

اور پھر میت کے ورثاء میں سے تین قسم کے مردوں (شوہر، بیٹا اور باپ) کی طرح تین قسم کی عورتیں بھی ایسی ہیں جو کلی طور پر میت کی وراثت سے مجحوب (محروم) نہیں ہوسکتیں اور وہ بیوی، بیٹی اور ماں ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی نظام وراثت ایک ایسا عادلانہ نظام ہے کہ جس میں

❁ میت کے لئے وصیت کا حق رکھا گیا لیکن اس کی حدود کو بیان کر دیا گیا۔ تا کہ کسی بھی طبقے کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہو۔

❁ غیر مستحقین کے قبضے اور غصب کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اور اس میں ذرا برابر بھی قبضہ مافیا کی کوئی گنجائش نہیں۔

❁ میراث میں عورت کا حصہ مقرر کیا اور اس حوالے سے ظلم کی تمام صورتوں کو ختم کیا۔ بلکہ معاشرے کے کمزور سے کمزور طبقے تک وراثت کی تقسیم کو پہنچایا گیا ہے۔

❁ عمر کے حوالے سے صغر و کبر کے فرق کا ایسا خاتمہ کر دیا گیا کہ کوئی بدنیت کسی کی صغرسنی کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

❁ ورثاء کے حصے کو ان کی حیثیت، درجہ اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے حصہ مقرر کیا گیا۔

واللہ ولی التوفیق، وما علینا الا البلغ المبین

لڑکیوں کی بغاوت

اسباب وعوامل اور علاج

بنت محمد رضوان

انچارج ''علم النافع سینٹر''
مرکز الفرقان، کراچی

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، اما بعد

امانت پاس ترے یہ اہل بچے یہ دولت ہے
لوٹانا تجھ کو پھر اک دن آخر یہی امانت ہے

اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کے پاس یہ نعمت نہیں ہوتی زندگی کی رعنائیاں مسکراہٹیں اس کے لئے پھیکی ہوتی ہیں اور جن کے پاس یہ نعمت ہوتی ہے ان کے لئے سرور کے ساتھ ساتھ آزمائش اور بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی ایک عظیم تحفہ ہے جس کو نہ رد کیا جاسکتا ہے نہ بدلا جاسکتا ہے ۔ انسان اس معاملہ میں بے بس ہے اللہ جسے جو چاہتا ہے وہ عطا کرتا ہے۔



ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''(تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔''(سورۃ الشوریٰ 50:49)

دور جاہلیت میں بچوں کی پیدائش کو خوش بختی اور بچیوں کی پیدائش کو نحوست سے تعبیر کیا جاتا تھا جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور اس کے دل کو (دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور) سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔''(النحل:58 تا 59)

افسوس کا عالم یہ ہے کہ آج بھی ایسی جہالت موجود ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت میں ماں باپ اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے جس کی بنا پر خسارہ پورا معاشرہ اٹھاتا ہے جس بچی کی بنیادی تربیت نہ کی جائے اس سے میں اور آپ یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ بہترین عورت، بہترین ماں بنے گی۔ حالانکہ احساس کمتری کی بنا پر وہ ہر ایسا کام کرے گی جو اس کے والدین کے لئے بھی اور بطور مومن عورت اس کے لئے بھی ذلت کا باعث بنے گا حالانکہ اسلام نے آ کر ان تمام ناپسندیدہ رسومات اور خیالات کی مذمت کی جو بچیوں کو کراہت اور نحوست کی نظر سے دیکھے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور خصوصاً بچی کی پیدائش سے لے کر اس کی ذمہ داری، نگہداشت تک کرنے کو رحمت و جنت کے حصول کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

لڑکی کی پیدائش رحمت الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں ایسے والدین کو بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے جن کو بیٹیوں کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔

✵ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے اس کو زندہ دفن نہیں کیا اور نہ اس کی اہانت کی اور نہ بیٹوں کو اس پر فوقیت دی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس لڑکی کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا'' [1]

✵ اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دو بچیوں، دو بیٹیوں کی کفالت کرے یہاں تک کے وہ بلوغت کو پہنچیں، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا۔'' [2]

فطرت پر پیدائش

یاد رہے جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو یہ لڑکی عطا کرتا ہے اس وقت یہ ہر قسم کے گناہوں اور معصیت سے ناواقف ہوتی ہے گویا خوبصورت غیر مسطور سفید کاغذ ہوتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچہ (لڑکا ہو یا لڑکی) فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بناتے ہیں۔'' [3] یعنی کہ وہ بچی پاکیزہ دل لے کر آتی ہے پھر یہ والدین ہوتے ہیں جن کا کردار، تربیت، اثرات اولاد پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر وہ اس کی فطرت کے مطابق نشوونما نہیں کرتے تو پھر یہی بچیاں پورے معاشرے کے لئے فتنے کے باعث بن جاتی ہیں۔

ذمہ داری

پیدائش کے بعد ان بچیوں کی تربیت کی ذمہ داری سب سے پہلے والدین پر عائد ہوتی ہے اور بچیوں کی صحیح پرورش پر اللہ تعالیٰ نے بے تحاشہ اجر رکھا ہے کیونکہ یہی بچیاں آنے والی نسلوں کی بنیاد ہوتی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی تین بیٹیاں رکھتا ہے اور وہ ان کی نگہداشت کرتا ہے اور ان کو تنگی اور خوشحالی میں صبر وتحمل سے برداشت کرتا ہے تو اللہ اس

---

[1] مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما۔ سنن ابی داود کتاب الادب ، باب فی فضل من عال

[2] مسند احمد مسند عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما۔ سنن ابی داود کتاب الادب ، باب فی فضل من عال

[3] مسند احمد:مسند عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما، سنن ابی داود کتاب الادب ، باب فی فضل من عال

کو اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر دو بیٹیاں ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو ہوں تب بھی۔ ایک دوسرے آدمی نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ایک ہو تو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر ایک ہو تب بھی۔''[1] یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیوں کے ساتھ ساتھ بہنوں کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کے معاملے کی تلقین کی ہے۔ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی کے پاس تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح نگہداشت کرے تو وہ یقینا جنت میں داخل ہوگا۔''[2] ذمہ داری میں اہم کردار والدین میں سب سے زیادہ ماں کا ہوتا ہے جو ہر طرح سے ایک مثالی ماں ہوتی ہے اور بچیوں کی تربیت اس طرز پر کرتی ہے۔

خوش اسلوبی

وہ اپنی بچیوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آتی ہے تاکہ اخلاق، صبر، تحمل، نرمی ان کے کردار کی زینت بن جائیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ناقہ نشین عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے اچھی ہیں جو اپنے بچوں پر بے حد مہربان ہوتی ہیں۔[3]

اولاد میں برابری

اولاد میں برابری نہ ہونے کے باعث اس بچی کی نشوونما نفسیاتی الجھنوں، حسد اور نفرت کے ساتھ ہوتی ہے اور ایسی بچی بے حس اور خودغرض ہو جاتی ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے جو میرے پاس تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا اے بشیر تمہارے پاس اور بچے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں۔ ارشاد فرمایا کیا تم نے ہر ایک کو ایسا ہی تحفہ دیا ہے۔ جواب دیا، نہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کام پر مجھے گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہ بننا پسند نہیں کرتا۔ دوسری روایت کے مطابق

[1] شعب الایمان للبیهقی: باب فی حقوق الاولاد ، المستدرک علی صحیحین، کتاب البر والصلة

[2] جامع ترمذی: کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی النفقة علی البنات والانوات

[3] صحیح بخاری: باب کتاب النفقات ، باب حفظ المرأة زوجها

فرمایا: اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور تمام اولاد کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔[1] روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولادوں کے درمیان برابری نہ کرنا ظلم ہے اور یہی ظلم کی بنیادیں اولادوں کو اندھیرے تک پہنچا دیتی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت اس برابری کے رنگ کو مزید حسن عطا کرتی ہے کہ کس طرح ایک ماں دورانِ تربیت اپنی بچیوں کے ساتھ برابری کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ آئی میں نے تین کھجوریں اس کو دیں اس نے ایک ایک کھجور ان بچیوں کو دی اور ایک خود کھانے کے لئے منہ تک لے گئی اس کی بچیوں نے اسے بھی مانگ لیا اس نے اس کھجور کے جسے وہ خود کھانا چاہتی تھی دو ٹکڑے کئے اور ان دونوں کو دے دیئے اس کے اس عمل سے میں متاثر ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کو واجب کر دیا۔ یا جہنم کی آگ سے اس کو نجات دے دی۔''[2]

ایمان کی آبیاری

بچی کی پیدائش میں نومولود کے کان میں اذان و اقامت پڑھنا یہ ایمان کی آبیاری ہے جس کا مقصد ہے کہ اس کی گھٹی میں ایمان ہو جس کے باعث زندگی کے ہر فیصلہ میں وہ اللہ اور رسول کی فرمانبردار ہو۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''(بچہ یا بچی) کے کان میں اذان کہنے کی پوشیدہ حکمت واللہ اعلم یہی ہوسکتی ہے کہ اس کے پردہ سماعت سے ٹکرانے والے اولین کلمات ہی رب کی کبریائی اور عظمت پر مشتمل ہوں اور یہ وہ کلمات ہیں جو کہ قلعہ اسلام میں دخول کے لئے باب اول کی حیثیت رکھتے ہیں پس یہ شعار اسلام دنیا میں آنے والے اس نومولود کے لئے درس اول ہوتا ہے اور کچھ عجب نہیں یہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الھبة

[2] صحیح مسلم 2630

کلمات اس نومولود کے دل میں جاگزیں ہوکر اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوجائیں اگرچہ وہ محسوس نہ کرے''۔[1]

اور یوں ابتداء سے انتہا تک اس نومولود کا سفر اسی تکرار کے ساتھ چلتا ہے یہاں تک کہ مفہوم توحید و بندگی اس کی شخصیت میں راسخ ہوجاتا ہے۔

فرائض کی آگاہی

انسان جتنا جلدی عمل سے جو اثر لیتا ہے اتنا کلام سے نہیں اسی لئے اسلام ہمیں کلام سے زیادہ عمل میں اخلاص کے ساتھ مہارت پر ابھارتا ہے۔فرائض کی ادائیگی اولاد بچپن سے ہی والدین سے اخذ کرتی ہے اسی وجہ سے ہر عبادت میں ہر فرض میں اہل وعیال کو بھی ساتھ ساتھ رکھنے کی تاکید دکھائی دیتی ہے۔اس بات کو ہم اس مثال سے سمجھتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں اپنی نماز ادا کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز کا کچھ حصہ گھر کے لئے مخصوص کردے پس اللہ تعالیٰ اس نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں برکت ڈال دے گا۔''[2]

قول کے مقابلہ میں بالفعل تعلیم وتربیت زیادہ پختگی کا باعث ہوتی ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھروں میں سنتوں اور نفلی نماز کی ادائیگی کو اہمیت دی ہے تاکہ بچپن سے ہی یہ بچی فرائض کی آگاہی والدین سے اخذ کرے۔

محبت وشفقت کا برتاؤ

یہی وہ برتاؤ ہوتا ہے جس کی بناء پر بچی اپنا ہر دکھ درد ماں باپ کے ساتھ بانٹتی ہے۔یہی محبت وشفقت کا برتاؤ اس کی زندگی میں بغاوت ونفرت کو داخل ہونے نہیں دیتا۔وہ ابتداء سے انتہا تک اپنی اپنے والدین کی اور بطور مسلم اسلام کی عزت پر آنچ آنے نہیں دیتی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہوجاتے اور ان

---

[1] تحفة المودود

[2] صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب استحباب صلاة النافلة فى بيته

کو خوش آمدید کہتے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی نشست کے پاس بٹھاتے یہاں تک کہ وہ مرض الموت کے وقت گھر میں داخل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خوش آمدید کہا اور آپ رضی اللہ عنہا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔[1]

والدین سراپا محبت، شفقت، حفاظت، دل جوئی، قربانی کا پیکر ہوتے ہیں اور یہ والہانہ جذبات اپنی بچیوں کے لئے رکھتے ہیں جوان کے مستقبل میں ان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر انہی بنیادی نکات سے لاپرواہی برتی جائے تو ایسی بچیاں ہی بغاوت پر سر ابھارتی ہیں جس کا نقصان پورے معاشرے کو اٹھانا پڑتا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور کتنے ہی والدین ایسے ہیں جو نہ صرف اپنے جگر گوشوں کی تعلیم و تادیب کو نظر انداز کرتے ہیں بلکہ ان کے ہر جائز و ناجائز خواہشات میں ان کی معاونت کر کے انہیں دنیا و آخرت میں گمراہ اور بدبخت بنا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کا احترام کر رہے ہیں حالانکہ وہ غلط تربیت کر کے ان کی تذلیل کر رہے ہوتے ہیں خود بھی ان اولادوں (خواہ بچہ ہو یا بچی) کے فوائد سے محروم رہتے ہیں اور انہیں بھی دنیا و آخرت کی سعادت سے محروم کر دیتے ہیں اگر آپ اس قسم کے بچوں کو جانچیں گے تو دیکھیں گے کہ عموماً یہ اپنے والدین کی غلط تربیت کی وجہ سے فساد کا شکار ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری کا یہ طوق والدین کے کندھوں پر رکھا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنے ماتحت کے بارے میں جوابدہ ہے۔''[2]

امانت میں خیانت...... دشمن کو دعوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔ اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے

[1] ابو داؤد: کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام

[2] بخاری: کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القریٰ والمدنی، مسلم: کتاب الخراج والامارة والفیٔ، باب مایلزم الامام

اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔'' (سورۃ الانفال:27,28) یہ اولادیں، یہ بچیاں اللہ کی امانت ہیں اور اس امانت کی حفاظت کے لئے مکمل توجہ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ ان اموراور اسباب سے بچا جا سکے جو اس امانت میں خیانت کا باعث بن جاتے ہیں اس نعمتِ امانت کی عمارت کو انسان خود کھڑا کرتا ہے۔لیکن اپنی ذمہ داری سے لا پرواہی اس طویل خوبصورت عمارت کے تعبیر خواب کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ ذراسی لا پرواہی اس امانت میں زوال و بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ کیونکہ آپ کے ساتھ ساتھ ایک دشمن بھی ہر موقع پر موجود رہتا ہے جسے صرف ایک موقع کی تلاش رہتی ہے اور وہ موقع آپ نے اسے خود دیا۔

ابلیس

وہ شیطان ملعون پیدائش کے وقت بھی اس نومولود کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''ہر بچہ کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹھوکا دیتا ہے اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے۔''[1]

اسی آفت سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی راہنمائی کردی ہے۔ارشادی باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں اور جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔'' (التحریم:6)

لیکن والدین اپنی لا پرواہی کی بناء پر اس ذمہ داری کی ادائیگی میں سستی کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن وہ دشمن پھر ایسی بچیوں کی تربیت خود کرتا ہے اور یوں معاشرے میں لڑکیوں کی بغاوت کی ابتداء ہوتی ہے۔ ابلیس کی یہ اللہ تعالیٰ سے جنگ ہے جس میں ناچاہتے ہوئے بھی ہمارا تعاون ابلیس ہی کو حاصل ہوجاتا ہے اس کا اصل مقصد کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: (اس نے) ''کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں

---

[1] بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وانی اعیذها بک ...

کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔'' (الحجر:39)

''**لاغوینھم**'' اغوا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب راہ راست سے بھٹکانا گمراہ کرنا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج دے کر کہا تھا کہ میں انہیں اغوا (گمراہ کرونگا) کروں گا۔

نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی شیطان اس مشن میں سرگرم عمل ہے ہمارے والدین کی پیدائش کے بعد سے ہی اس کے حربے عام ہیں۔ سیدنا آدم وحوا علیہما السلام بھی اس حربہ کا شکار ہوئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔ (الاعراف:20)

ابتداء سے ہی نافرمانی اور بے حیائی کو فروغ دینا اس کا مقصد ہے۔ تا کہ انسانوں کی عقلیں سلب کرلے اور ان کو ذہنی طور پر اغواء کرلے اس طور پر کہ انہیں نہ اللہ کی نافرمانی کا خوف رہے نہ ہی حیا ان کا جز ہو۔

عورت کا فتنہ

پھر اس اغوا کاری میں اس کی آلہ کار ہیں جس کے بارے میں یہ حدیث ہماری راہنمائی کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہونگے جن کے چہرے تو انسانوں جیسے ہونگے لیکن دل شیطان کے ہونگے۔''[1]

اور ان ہی شیطان دل والوں نے جن کا سرپرست ابلیس ہے ابتداء سے ہی بیرونی محاذوں کے ساتھ ساتھ جسمانی، روحانی اور ایمان کو مفلوج کرنے کی سازشیں جاری رکھے ہوئے ہیں اور اس کے لئے جہتوں اور طبقات میں اپنا ''ابلیسی جال'' بچھا رکھا ہے اور اس جال کا سب سے بڑا نیٹ ورک جس فتنہ کو ظہور دیتا ہے وہ ''عورت کا فتنہ'' ہے۔ جس کا اشارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے بھی ہمیں ملتا ہے۔ فرمایا:

[1] معجم الأوسط: للطبراني، باب الميم من اسمه محمد

''میرے بعد مردوں کے لئے جوسب سے نقصان دہ فتنہ ہوگا وہ عورتوں کا فتنہ ہے۔''[1]

اور یہی فتنہ بنی اسرائیل کے زوال کا باعث بنا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''تم ڈرو دنیا اور عورتوں سے بے شک بنی اسرائیل میں فتنہ کی ابتداء عورتوں سے ہی ہوئی تھی۔''

آزادانہ دجالی میڈیا کا قیام

میڈیا پر''عورت کے فتنہ'' کے حوالے سے سب سے زیادہ کام کیا گیا ہے۔کیسے ان عورتوں کو گھروں سے باہر نکالا جائے؟ کیسے ان کی نسلوں میں بغاوت برپا کی جائے، کیسے ان سے وہ کرائیں جو اللہ کو ناپسند ہو، ان کو ایسا کیا کھلائیں جو ان کے اپنے ایمان کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ان کی نسلوں کو بھی تباہ کرے۔ ہر طریقہ کو جانچا گیا اور پھر 1897ء میں سوئزرلینڈ کے شہر باسل میں 300 یہودی، دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے تھیوڈور ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہوکر پوری دنیا پر دجال کی حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا یہ منصوبہ پوری دنیا کے سامنے 19 پروٹوکولز کی صورت میں لایا گیا تھا جس میں طے ہونے والے چند نکات یہ تھے۔ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی باگ کو اپنے قبضہ میں رکھیں گے ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو موثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہم ان کو اس قابل چھوڑیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر لوگوں تک پہنچ سکے ہم ایسا قانون بنائیں گے کہ کسی ناشر اور پریس والوں کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ پیشگی اجازت لئے بغیر کوئی چیز چھاپ سکیں۔ ہمارے قبضے میں ایسے اخبارات اور رسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید وحمایت حاصل کریں گے خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا انقلاب کی حامی۔حتیٰ کہ پھر ہم ایسے اخبارات کی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں ہم یہودی ایسے دانشوروں، ایڈیٹروں، نامہ نگاروں کی حوصلہ افزائی کریں گے جو بد کردار ہوں اور ان کی بھی جو خطرناک مجرمانہ ریکارڈ رکھتے ہوں گے۔ہم ذرائع ابلاغ کو خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ کنٹرول کریں گے۔ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو

[1] بخاری: كتاب النكاح باب ما يتقى من شؤم المرأة

دیکھنا ہوگی اس میں بنیادی کردار عورت کو ادا کرنا ہوگا جس میں اسے برہنہ کر کے سامنے منظر عام پر لایا جائے گا۔[1] یہود کو یہ دجال متعارف کرائے ہوئے عرصہ ہو گیا اور آج ہماری نسلوں کی گردنیں تک اس میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔ دنیا کے 80٪ لوگ اس جال میں آ گئے ہیں پوری دنیا کی انسانی عقلوں کو پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعہ ماؤف کر کے ان کو اس سحر میں جکڑ لیا ہے جس کی بنا پر لڑکیوں میں سے وہ عنصر ختم ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں رکھا ہے یہ نظام عورت کے بغیر ادھورا ہے اس لئے عورتوں میں بغاوت کی آبیاری یہود کا پہلا حربہ ہے۔ جس کے لئے اس میڈیا میں دو شعبوں کا قیام کیا گیا ہے۔ (۱) تفریح کے نام پر شہوات (۲) خبروں کے نام پر شبہات کو ترویج دینا۔

تفریح کے نام پر شہوات کی ترویج

انسانی معاشرے کے لئے بنیادی اجزاء میں سے ایک ''حیا'' ہے۔ جس قوم سے یہ صفت اٹھ جاتی ہے وہ اپنی موت آپ مر جاتی ہے اور اس کے افراد بکری کے ریوڑھ کی مانند ہوتے ہیں۔ چنانچہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر تفریح کے نام پر یہود نے ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ اور موبائلز پر حیا سوز اور اخلاق باختہ مواد پر مشتمل تباہی و بربادی کا جو سامان مہیا کیا ہے اس نے پورے انسانی معاشرے کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ عورت کی آزادی کے نام پر تحریکیں چلا کر ان کو بغاوت کر کے باہر لے کر آنے کے بعد پھر ان سب چیزوں میں عورت کو بطور آلہ استعمال کیا گیا مثلاً ماڈلنگ کے لئے الگ الگ شعبوں کا قیام کیا جاتا ہے جس کے لئے یہود ایسے اداروں کی سرپرستی کرتے ہیں اور نوجوان نسل کو Talent کے نام پر ابھارا جاتا ہے۔ یا پھر اس بات کو ایک Advertisment سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ عورت کے استعمال کی ذاتی چیزوں کا Advertisment اس کو کھلے عام میڈیا پر پیش کرنا اور اس کے ذریعہ دوسری صنف کے جنسی جذبات کو ابھارنا اور تمام عورتوں کے لئے ایسی پروڈکٹس کو منظر عام پر لانا جو ان کے ذاتی استعمال کی ہیں اور تمام عورتوں کے Sub Contious میں یہ Message Convey کیا جارہا ہوتا ہے کہ اس کو استعمال کرو اور بے حیائی کو فروغ دو اور کھلے عام اپنے حسن کا مظاہرہ کرو اس سارے ماحول میں بنیاد عورت کو حاصل ہے۔ کیوں یہودی تنظیمیں ایک ایک Advertisment کے لئے لاکھوں، اربوں روپے خرچ کر دیتی

[1] بی بی سی رپورٹ

ہیں یہ سوچنے کا مجھے اور آپ کو خیال نہیں حالانکہ عورت کے لئے اس دنیا میں رونق لفظ معروف ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے حیا کو ایمان قرار دیا ہے: ''حیا اور ایمان ساتھ ساتھ ہیں ان میں سے اگر ایک بھی اٹھ جائے تو دوسرا خود بخود اٹھ جاتا ہے''[1]

اور جب معاشرے سے یہ خیر رخصت ہو جائے تو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو''[2] اور جب ایمان نہ رہے تو زندگی کا مقصد پھر یہی ہوتا ہے جس کا آئینہ نبی ﷺ نے دکھایا: ''میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو نعمتوں میں پروان چڑھیں گے اور وہ کھاتے پیتے رہیں گے ان کا مقصد زندگی میں رنگا رنگ کھانے اور طرح طرح کے لباس پہننا ہوگا وہ سنوار سنوار کر باتیں کریں گے۔ وہ میری امت کے شریر ترین لوگ ہوں گے''[3] یہی یہود کا مقصد تھا جس میں ان کی کامیابی کی سیڑھی ہماری اپنی مسلمان عورتیں بنیں۔

خبروں کے نام پر شبہات کا پرچار

یہ وہ جال ہے جس کی وجہ سے اچھے خاصے سمجھدار انسان کو مخبوط الحواس بنا دیا گیا ہے۔ آج صحیح، غلط، حق و باطل کا معیار یہ نیوز چینلز اور ان پر نشر کئے جانے والے پروگرامز اور خبریں کرتی ہیں، حیرت کی بات ہے وہی عورتیں جو بے حیائی کا پیکر بنی ہوتی ہیں۔ منافقت کا لبادہ اوڑھ کر دین کی نشر و اشاعت میں مصروف بھی نظر آتی ہیں۔ مسلمان کو دین سے ہٹایا نہیں جا سکتا اسی بنا پر یہود نے دین کے نام پر ہی بگاڑ پیدا کیا جس کی بنا پر ہماری لڑکیاں اور عورتیں دونوں ہی چیزوں کو صحیح سمجھتی ہیں وہ دین کو ایک الگ کنارے پر اور دنیا کو الگ کنارے پر رکھتی ہیں اور جس کی طرف بھی رخ کرتی ہیں ان کا اپنا فہم یہی ہوتا ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔ میڈیا ہی وہ قوت ہے جو ہماری عورتوں کو تیار کرتا ہے خواہ وہ دنیا کا معاملہ ہو یا دین کا خصوصاً عورتوں نے اسی میڈیا کو اپنا عالم اور پیشوا بنایا ہوا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سمندر میں کچھ شیاطین قید ہیں جنہیں سلیمان علیہ السلام نے باندھ رکھا ہے قریب ہے کہ وہ نکل آئیں گے اور لوگوں پر قرآن پڑھیں گے۔''[4] یا پھر ایسی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، کتاب الایمان

[2] صحیح ابن حبان: کتاب الرقائق، باب الحیاء

[3] کتاب الزھد

[4] صحیح مسلم

خبروں کو اشاعت کرنا جس میں مسلمانوں کا ایمان، حیا، وقت، جان، مال سب ضائع ہو خصوصاً عورتوں میں فضول خرچی کی سوچ پیدا کرنا مثلاً بازار، شاپنگ، ہوٹل، پارٹیز، کپڑے، جیولری، جدید فیشن، سائن بورڈ، چلتے پھرتے ذرائع ابلاغ ۔۔۔۔لڑکیوں میں بغاوت پیدا نہیں ہوگی تو کیا ہوگا اور والدین کا بالکل آنکھیں بند کر لینا اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جانا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خوف کا اظہار سالوں پہلے کیا تھا: ''میں تمہارے بارے میں جس چیز سے سب سے زیادہ خوف محسوس کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم علم کے مقابلے میں اس بات کو ترجیح دو گے جس منظر کو تم دیکھ رہے ہو گے اور تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔''[1] یہی وہ بنیادی ذرائع ہیں جس سے عورتوں میں بغاوت پھیلائی گئی۔

(1) فواحش ومنکرات کی اشاعت

میڈیا کے ذریعے ہر ایسے مواد کو پھیلایا گیا جس میں نبی کریم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی کی گئی ہو تاکہ اور لوگ بھی یہی طریقہ اختیار کریں زنا، قتل، چوری جیسی خبروں کو منظر عام پر لانا نت نئے فیشن پھیلانا تاکہ بیمار دل لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں کیوں کہ یہ انسانی فطرت ہے جو خبر اس کی خواہش کے مطابق ہو جب وہ سنتا ہے، جائے خبر تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مدینہ منورہ میں جب واقعہ افک پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ایسی خبروں کی بلا تحقیق اشاعت سے نہ صرف روکا بلکہ ان کو سخت ڈانٹ کے انداز میں واقعہ کی ابتداء میں ہی نہ رُکنے کی وجہ سے سخت مذمت کی کہ اس واقعہ کو اپنے پختہ ایمان کی بنا پر ہاتھ اور زبان سے روکا کیوں نہیں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اگر اللہ کا فضل تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔'' (سورہ النور: 14 تا 16)

اشاعت فاحشہ کا کردار ادا کرنے میں یہ سب چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

---

[1] منصف ابن ابی شیبہ

(۱) ریڈیو، ٹی وی، سائن بورڈ جس کے ذریعہ خبریں ہی نہیں آج عملاً مظاہرے پیش کئے جاتے ہیں۔
(۲) ماڈلنگ جو اس کام میں بڑھتی ہوئی ترقی کے ایک اہم آلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔
(۳) کلب، تھیٹر، سینما ہال اور اس طرح کی دیگر رقص و سرور کی محافل اس میں دن بدن اضافہ اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی اس کا زور وشور سے اہتمام۔
(۴) روزنامہ اخبارات (جن میں ایک صفحہ روز کی بنیاد پر ایسی فواحشات کے لئے مخصوص) خواہ وہ نجومیوں کا کاروبار ہو جو ایمان کو ختم کرے یا ایسا مواد ہو جو حیا کی دھجیاں بکھیر دے۔
(۵) تجارتی اعلانات (تعجب کہ جس میں فلم سے زیادہ عریانیت کے مناظر خصوصی عورتوں کے استعمال کی اشیاء۔)
(۶) فلم ڈرامہ سیریل جو ہر گھر کی زینت بن چکا ہے۔
(۷) مخلوط تعلیم اور غیر شرعی نصاب تعلیم
ان ہی ساری چیزوں پر ابھارا گیا اور آج ہماری نسلیں اس میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔

2 خلوت کو عام کرنا

پھر خلوت کو عام کرایا گیا اس کیلئے انہوں نے اداروں سے لے کر ہر شعبہ میں اسے متعارف کرایا۔ بوائے فرینڈ، گرل فرینڈ کے نام کے یہ دجالی Tags اسی میڈیا نے متعارف کرائے۔ یہ حرام رشتے حتیٰ کہ Cartoons تک میں بھی یہ متعارف کرایا گیا تاکہ ہر عمر کی نسل اس قبضے میں آجائے۔ جنسی خواہشات اور جذبات کو اس طرح ابھار کر مسلمانوں کی نسلوں کو خرابی اور پستی میں ڈال دیا گیا۔ نوجوان نسل سے لے کر ہر طبقہ اس سازش کا کلی طور پر شکار ہے۔ مرد وزن کا آپس میں ناچنا گانا، ثقافت، سیاست، سیاحت ہر میدان میں عورت کے ذریعہ برپا کرایا گیا فتنہ جس کا اختتام جبری زنا پر جا کر ہوا۔ ایک ہندی میگزین کے مضمون نگار KK Gupta نے معاشرہ کو اس طرف متوجہ کرانا چاہا تھا وہ لکھتا ہے:

”آج ہمارا ملک جو زنا بالجبر کے لئے ایک تجربہ گاہ بنتا جا رہا ہے اس کی طرف توجہ دینے کی جلد ضرورت ہے ورنہ ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔“[1]

---

[1] بی بی سی رپورٹ

کئی سالوں پہلے جب نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر نکلے دیکھا راستے میں مردوزن اکھٹے چل رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ''ایک طرف ہوجاؤ کیونکہ تمہارے لئے راستے کے وسط میں چلنا درست نہیں ہے تمہارے لئے راستہ کے ایک طرف چلنا لازم ہے۔''[1]

راوی کہتے ہیں اس کے بعد عورتیں دیوار سے چمٹ کر اس طرح چلتیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے اٹک جاتا۔ اس حکم کے بعد نبی اکرم ﷺ نے دومزید قدم اٹھائے۔

1. مسجد کے دروازے کو عورتوں کے لئے خاص کر دیا۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اسی مناسبت سے حدیث نقل کی ہے۔ ترجمہ: فرمایا، اگر ہم اس دروازے کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دیں (تو بہتر ہے)۔[2]
2. نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ تھوڑی دیر بیٹھے رہتے تاکہ عورتیں اس عرصے میں اپنے گھر روانہ ہوجائیں اور راستہ میں دونوں جنسوں کا اختلاط نہ ہونے پائے۔ جب مساجد اور ان کی طرف آنے والے جہاں خالص عبادت کے جذبوں سے آنے والوں کو یہ حکم دیا گیا تو دوسری جگہیں جہاں شرم وحیا کی قید نہیں وہاں مردوزن کا اختلاط یا خلوت کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ اس خلوت سے نا صرف مسلمان گھرانوں میں فساد برپا ہوا بلکہ ان کی اپنی نسلوں میں بھی شرم وحیا کے جنازے نکلے۔

3 نظر سے بدکاری

جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے

اس نظر کے اندر جنسی جذبات وشہوت اور زنا کا پیش خیمہ ہے اسی لئے شریعت نے اسے نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کے برخلاف باطل نظر سے نظر ملانا سکھاتا ہے اور Boldness کے نام پر ابھارتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کیا خوب لکھا ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب فی مشی النساء مع الرجال

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال فی الطریق

”نظر سے انسان کے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے اب اگر اسے دور کر دیا تو اس کے بعد کی شرم وندامت سے آرام پا گیا لیکن اس سے اگر چھٹکارا حاصل نہ کیا تو پھر یہی چیز وسوسہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کا دفاع کرنا پہلے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے پھر اگر اسے دور کر دیا تو فبہا ورنہ آگے بڑھ کر یہی وسوسہ شہوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر اب بھی اس کا علاج کر لیا تو قدرے غنیمت ورنہ یہی بدکاری کے ارادے میں تبدیل ہوجاتا ہے جس کا دور کرنا پہلے سے کہیں زیادہ مشکل ہوجاتا ہے اب اگر اس ارادے کو ختم کر دیا تو بہت خوب ورنہ یہ ارادہ عزم یا ارادہ جازمہ بن جاتا ہے جس کا دور کرنا مشکل ترین ہوتا ہے بلکہ انسان اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہے۔“[1]

(4) حلال رزق کی روک تھام ایمان کی بربادی

یہ اس طرز پر کیا جاتا ہے کہ والدین کے لئے باہر کی دنیا میں ان کے بیمار دلوں کی سروریت کے لئے بہت سی چیزیں رکھ دی گئی ہیں۔ پارک، بازار، پارٹیز، سوشل نیٹ ورک اور کچھ نہیں تو ونڈو شاپنگ یعنی دین ودنیا کی ہر ذمہ داری سے بالاتر ہوکر باہر ان سے فتنہ برپا کرایا جاتا ہے جس کی بنا پر والدین اولاد کی تربیت سے لے کر ہر قسم کی ذمہ داری سے بریٔ الذمہ ہیں اس میں جو جدید حربہ استعمال کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عورتوں کی باہر مشغولیت کے باعث کھانے پینے کی اشیاء کو بازاروں میں متعارف کرایا گیا۔ کسب حلال کے ساتھ طیب اشیاءِ غذا سے مسلمانوں کو محروم کرنا۔ کیمیائی، حیاتیاتی اور جراثیمی غذائیں کھلانا تاکہ (۱) مسلمانوں کی اجساد برباد ہوجائیں۔ (۲) مسلمانوں کے ایمان برباد ہوجائیں۔ جو چیزیں بازاروں میں یہ یہود لے کر آئے ان کی کچھ چیزیں درج ذیل ہیں۔

(1)Genetically Modified System: جینٹک طریقے سے تبدیل شدہ اناج، مچھلی مویشی وغیرہ۔

(2)Artificial Fishrey، Artifical Animal Husbandry، Artificial Poultry Farming

(3)Hi-Tech cultivation مصنوعی کاشت کاری

(4)Commercialization پانی، ہوا اور مٹی کی ہائی ٹیک

---

[1] التبیان: ص404

(5)Hi-Tech Seeds اورHybird

(6)Semi Prepared Foods

(7)Fast Food

(8)Cold Soft Drinks

(9)Sweeping Drive

(10)Essence & Flavours

(11)Condenced Milk & Powders

(12)Cosmetics Items

(13)Deep Freezers Things

(14)X-Ray PET، MRI

5 لباس

ایسے لباس کی زیبائش جس میں سب کچھ عیاں ہو، تنگ، باریک، ریشم اور خوشبودار ہو، مردوں کے مشابہ ہو، کفار و ہنود کی ثقافت کا مظہر ہو، زینت خوبصورتی سب کا منبع غیر مرد ہوں جو تمہیں سراہیں تم سے فائدہ اٹھائیں یہ اسی بغاوت کی آبیاری ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کی تین عورتوں کا ذکر فرمایا۔ بنی اسرائیل میں تین عورتیں تھی (جو ایک ساتھ باہر نکلتیں) ان میں سے دو عورتیں لمبی تھیں جو از خود نمایاں تھیں البتہ تیسری عورت کوتاہ قد تھی جو ان دونوں کے درمیان چھپ جاتی تھی، چنانچہ اس نے لکڑی کے دو پیر بنوائے (جس سے اسکی اونچائی بڑھ گئی) اور ایک انگوٹھی بنوائی اور اس میں اچھی سے اچھی خوشبو یعنی مشک بھر دی اور اس پر ایک ڈھکن لگالیا پھر جب وہ باہر نکلتی اور کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس سے گزرتی تو انگوٹھی کے ڈھکن کھول کر حرکت دیتی اس طرح خوشبو پھیلتی (لوگوں کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوتی) اور اس طرح یہ تیسری عورت مردوں کے لئے فتنہ وفساد کا سامان بنی۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان ماؤں، بیٹیوں، بہنوں کو خوب تربیت دی ہے۔

---

[1] صحیح ابن خزیمۃ: کتاب الامامۃ فی الصلاۃ، باب جماع ابواب الصلاۃ النساء فی الجماعۃ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی آرائش کو (سوائے محرم کے) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔''(النور:31)

ترجمہ:''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''(سورۃ الاحزاب:59)

معاشرہ پر بغاوت کے اثرات

ان چیزوں سے ایمان کی بربادی مقصود ہے کہ حلال اور طیب رزق جو انہیں شعوری طور پر زندہ رکھتا ہے اس نعمت کو چھین لیا گیا کیونکہ اب جنگ اسلحہ سے نہیں بلکہ ابلیس اور یہود کے جراثیمی کیمیاوی، حیاتیاتی اسلحوں سے ہوگی۔ ایسی نسلیں جن کا کھانا حلال ہو نہ پینا حلال ہو جن کی صبح شام اپنے معاشرے، اپنے گھر ہر جگہ اللہ اور رسول کے ساتھ بغاوت کے مظاہرے دیکھ کر ہوئی ہو ان سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ ان میں بغاوت کی آبیاری نہ ہوئی ہو حالانکہ وہ ان کی گھٹی میں ڈالی گئی ہے۔

ان سارے عناصر کے بعد معاشرے میں جو وبال برپا ہوا اس کی چند ایک جھلکیاں یہ ہیں۔ چند سال قبل صراخ الفطرہ:75،76 میں یہ خبر شائع ہوئی تھی، ایک علاقے میں سات لڑکوں نے ایک ہوٹل کے سامنے سے رات دو بجے دو لڑکیوں کو اغوا کیا کچھ دور جا کر ایک جانبی سڑک پر بیس آدمیوں کی موجودگی میں یکے بعد دیگرے زنا بالجبر کیا وہ فریاد کرتی رہیں لیکن بے حس بے غیرت مرد کھڑے رہے اور کسی کی رگ انسانیت نہیں پھڑکی۔

چند سال قبل فرانس کے شہر گولن کی رہنے والی عورت نے روتے ہوئے پولیس کے سامنے اخبار نویسوں سے کہا آج کے بعد سے میں اپنی بیٹی کے بارے میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی اور دنیا کی ہر ماں کو پیغام دیتی ہوں کہ کسی بھی ڈاکٹر کے پاس اکیلے علاج کے لئے نہ بھیجیں وجہ دریافت کرنے پر معلوم

ہوا فیملی ڈاکٹر جو معروف لفظ ہے ہمارے ہاں ایسے ہی کسی ان کے فیملی ڈاکٹر نے چیک اپ کے بہانے اس کی بیٹی کو لوٹا کر وہ کیا کہ اس کی بیٹی کو اپنی عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ یہ باطل میڈیا ہی آج بناوٹی رشتے بنا کر پیش کرتا ہے جبکہ اسلام نے محرم اور نامحرم ہر رشتے کو بیان کیا اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ لڑکی جب اپنے گھر واپس ہوئی تو اس کی حالت دگر گوں تھی اور اس قسم کے بناوٹی انکلوں کے بارے میں اس کے نظریات بدل چکے تھے۔

ہندوستانی کمیٹی کے صدر نے (انوکھی کہانیاں، ص:24) میں کہا اگر ہندوستان میں چھیڑ چھاڑ، زنا بالجبر اور اغوا کے واقعات اس کثرت سے پولیس ریکارڈ میں ہیں تو نہ جانے حقیقت میں کتنے ہوں گے اس سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک روشن خیال انسان جس نے اپنے گھر کا ایک حصہ اپنے دوست کو کرایہ پر دے دیا جبکہ وہ خود کسی اور شہر میں رہا کرتا تھا اور اس کے بیوی بچے اس گھر میں رہا کرتے تھے کچھ دنوں بعد جب وہ واپس آیا تو اس کی بیوی اور دوست کے درمیان تعلقات کچھ اور ہی رخ اختیار کر چکے تھے پھر اس نے برہمی کا اظہار کیا لیکن معاملہ بہت آگے نکل چکا تھا کہ اس کی بیوی اپنا سارا زیور، گھر کے کاغذات، بینک میں جمع شدہ رقم لے کر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہوگئی اور اپنے بچوں اور پورے خاندان کو ذلت میں چھوڑ گئی۔ یہ واقعہ ہندوستان کے ایک شہر میں پیش آیا اس مرد کی زبان پر اکثر یہ فقرہ رہا کرتا تھا'' آپس میں پردہ نہیں ہوتا''

روزانہ کی بنیاد پر پوری دنیا میں لاکھوں عورتیں خودکشی کرتی ہیں لاکھوں عورتوں کو طلاق دے دی جاتی ہے جس کے پیچھے یہی سارے بنیادی عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر نوال السعداوی ایک لمبے عرصہ تک پردہ نشین خواتین کے رویہ پر معترض تھیں علی الاعلان ترک حجاب کا حکم دینے والی اب کہتی ہیں۔ ''لندن کی گلیوں میں عورتوں کو دیکھتی ہوں جو قریب قریب ننگی ہیں وہ تجارتی مال کی طرح اپنے جسموں کی نمائش کر رہی ہیں لباس کا کام قدرتی آب و ہوا سے حفاظت کرنا ہے نہ کہ جنسی ترغیبات کے پیغامات نشر کرنا، اگر ایک عورت انسانی نقطہ نگاہ سے خود کو دیکھے نہ کہ سامان تجارت کے طور پر تو اس کو اپنے جسم کی نمائش کی چنداں ضرورت نہیں۔ (مجلة المجتمع شمارہ932)

خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی   خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی

بغاوت کا اعلاج

تقویٰ کی آبیاری

ایسا خوف کہ دل و دماغ میں راسخ ہو کہ ایک دن اپنی زندگی کے ہر لمحے کا بارگاہ الٰہی میں جوابدہ ہونا ہے اچھا برا جو عمل ہوگا ویسا بدلہ پانا ہے اس تقویٰ کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد شامل حال ہو جائے گی۔ اللہ ابلیس کے مقابلہ میں برھان عطا کر دے گا جو بصیرت کو کھول دے گا۔

ترجمہ: یقینا جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (الاعراف:201)

دین الٰہی کی معرفت کا حصول

جس طرح کلمہ پڑھ کر انسان دین میں داخل ہوتا ہے، اس طرح کچھ اقوال و افعال ایسے ہیں جس کے کرنے سے غیر شعوری طور پر اسلام کی حدوں کو توڑ کر اپنے ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگ فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہوئے تھے اور عنقریب فوج در فوج نکل جائیں گے۔''[1]

ضرورت اس اَمر کی ہے کہ دین الٰہی کی معرفت حاصل کی جائے ان امور کو بھی جانا جائے جن پر اسلام کا دارو مدار ہے اور ان کو بھی جن سے اسلام سے خروج ہو جائے۔ کلمہ طیبہ کے تقاضوں کو جانا جائے قرآن و حدیث کی مدد سے فرقان کا حصول کیا جائے تاکہ حق و باطل کی اس کشمکش میں سینے میں موجود چھوٹی سی اسکرین قرآن و سنت کی مدد سے ان کا مقابلہ کرے جس کی جدت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (الانفال 29)

---

[1] مسند احمد: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ

آج بھی ہو ابراہیم سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

فتنوں کے بارے میں آگاہی

جب تک معلوم ہی نہیں کیا جائے گا کہ خیر کیا ہے، شر کیا ہے تو اس سے بچا کس طرح جا سکتا ہے! سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے اور میں شر کے بارے میں سوال پوچھتا اس خوف سے کہ کہیں یہ شر مجھے نہ آ پکڑے۔''

حرف آخر

" العمل بلاعلم ضلال، والعلم بلا عمل وبال"
عمل بلاعلم کے گمراہی ہے لیکن علم عمل کے بغیر انسان پر وبال ہے۔

عورت کے اندر ناشکری، ذکر کی کمی، اللہ کا ڈر نہ ہونا، معصیت، انا اور دنیا کی حوس ہوتی ہے اللہ سے دعا ہے۔

''رب اجعلني لك شكارا لك ، ذكارا لك رهابا لك مطواعا اليك مخبتا اواها منيبا''[1]

ترجمہ: اے میرے رب مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیری نہایت شکر گزار تیرا بہت ذکر کرنے والی، تجھ سے بہت ڈرنے والی، تیری انتہائی فرمانبردار، تیرے آگے جھکنے والی، گڑگڑانے والی، تیری ہی طرف متوجہ ہونے والی بن جاؤں۔

اسلام اپنی ہر بیٹی، بہن، ماں سے یہی کردار، یہی صفات چاہتا ہے۔ ان صفات کے اپنانے سے باطل کی تمام کوششیں خاک میں مل سکتی ہیں اسی لئے اس نے ہمیں ان تمام صفات سے دور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح معنوں میں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ ہم اپنے مرتبہ کو پہچانیں اور اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی ایمان وحیا سے آبیاری کریں۔ اسوہ ابراہیم علیہ السلام پر عمل کرتے

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الدعا، باب دعاء رسول الله ﷺ

ہوئے اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے تڑپ کر اللہ سے دعائیں مانگیں کیونکہ یہی اولادیں ہمارا سرمایہ ہیں اور ہمارے گناہگار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اپنے اس سرمایہ کو ضائع کردیں۔ ساری حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے جو وحدہ لاشریک ہے جس کی حفاظت کا دائرہ ابلیس اور اس کے ہر دشمن سے پناہ کے لئے کافی ہے اور درود وسلام ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جن کے ذریعہ ہم تک دین حق پہنچا کر ہماری راہنمائی کی گئی ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین و سلم

محترم جناب محمد طاہر نقّاش کا شمار جماعت کے نامی گرامی صحافیوں میں ہوتا ہے۔عرصہ دراز سے دعوت وجہاد کے قافلے سے وابستہ ہیں۔اوراپنی زندگی کواسی میدان کیلئے وقف کردیا ہے۔آپ کے کالم ہفت روزہ ''غزوہ'' میں تسلسل سے چھپتے رہے ہیں۔سلگتے معاشرتی مسائل کو خوبصورت تربیتی واصلاحی پیرائے میں تحریر کرنے کے ملکہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا۔اور قبول عام بھی دیا ہے۔ اللہم زدفزد۔حال ہی میں ان کے کالموں کا مجموعہ ''قلم کے آنسو'' دوجلدوں میں شائع ہوا ہے۔البیان کی یہ خصوصی اشاعت چونکہ اسلامی ثقافت ومعاشرت سے متعلق تھی اس لئے میں نے اپنے شاگرد رشید جناب حافظ مقصوداحمد کے توسط سے موصوف سے دوکالموں کو بغرض افادہ عام (پردے میں رہنے دو۔اورعشقیہ تحریریں پاؤں کی زنجیریں) البیان کی اشاعت خصوصی میں شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے بخوشی اس پر رضامندی ظاہر کردی۔ فجزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیرالجزاء۔ انہ ولی التوفیق۔

(خالد حسین گورایہ مدیر سہ ماہی البیان کراچی)

ہر انسان کو اپنے ننھیال اور دودھیال سے جبلی طور پر محبت ہوتی ہے۔ ایسے ہی مجھے بھی چک نمبر 143 گ ب (تحصیل سمندری) سے اور اس کے باسیوں سے بہت محبت ہے، کیونکہ یہ میرا ننھیال ہے۔ بچپن میں سمندری شہر سے اس گاؤں کے' سائیکل پر ہفتہ میں دو چکر تو لازمی لگتے تھے۔ کبھی کبھی ڈاٹسن ڈالے پر بھی جانا پڑتا تھا۔ میں تھوڑی دیر گاؤں میں ٹھہرتا اور نانی جان سے مل کر واپس سمندری آجاتا۔ ایک دفعہ ایسے ہی ڈالے میں بیٹھا' واپس آرہا تھا' راستہ میں ایک بے پردہ خاتون سوار ہوئیں۔ ابھی مزید تھوڑا سا سفر کیا تھا کہ ایک لڑکا بھی سواریوں کے ساتھ گاڑی کے پیچھے لٹک گیا۔ ہر سواری کو اپنے سٹاپ نہ گزر جانے کا خوف تھا اور وہ کنڈیکٹر کو اپنا سٹاپ یاد دلا رہے تھے کہ کہیں بھول کر گزار نہ دینا اور ہمیں پھر پیچھے کی طرف اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے پیدل سفر کرنا پڑے۔ وہ لڑکا مسلسل ٹکٹکی باندھ کر اس خاتون کو بٹر بٹر اور ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا' جو ایک لائن میں اپنی سیٹ پر برقعہ پہنے براجمان تھی۔

عورت حیران ہو کر دیکھ رہی تھی اور شرمندہ ہو کر چھوئی موئی بنتی چلی جا رہی تھی کہ بدمعاش دیدے پھاڑ پھاڑ کر مجھے کیوں دیکھ رہا ہے۔ لڑکا تھا کہ اس کے کبھی کبھار غیرت اور حیرت سے اس دیکھنے کو بھی کچھ اور مطلب و معانی پہنا رہا تھا۔ وہ اس کے دیکھنے پر ہلکا سا مسکرا دیتا اور کبھی کبھار محبت بھرے نغمے اور اشعار اپنی ہی ترنگ میں آہستہ آہستہ گنگنانے لگتا۔ باقی سواریاں یہ سب تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں مگر مسلسل خاموش تھیں۔ کچھ لوگ آپس میں دبے دبے لفظوں میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکا تو اس خاتون کے پیچھے ہاتھ دھو کر ہی پڑ گیا ہے۔ جب ایک سیٹ خالی ہوئی تو لڑکا فوراً کو اندر لپکا اور سیٹ پر بیٹھ کر اپنے سامنے گھورنے لگا۔ کنڈیکٹر نے یہ منظر دیکھ کر اس سے پوچھا: جوان کہاں جاؤ گے' کون سے سٹاپ پر اتاروں تجھے؟ نوجوان نے بغیر عورت کے چہرے سے نظریں ہٹائے کہا جب میرا سٹاپ آجائے گا تو تجھے بتا دوں گا۔ اب وہ اللہ کی بندی خاتون شرمندگی پریشانی اور پشیمانی کی بنا پر پسینے میں بھیگی چلی جا رہی تھی۔

یہ مکروہ کھیل و تماشا چلتا رہا حتیٰ کہ گوجرہ موڑ کا سٹاپ آیا اور وہ عورت تیزی سے اٹھی تاکہ اپنے سٹاپ پر اتر جائے۔ یہ صورتحال دیکھ کر یہ نوجوان بھی اس کے پیچھے پیچھے اتر گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ خالق کائنات نے عورت کو عورت بننے کا حکم دیا ہے، عورت کا معنیٰ ہی ایسی چیز ہے جو تمام اطراف سے مکمل طور پر ڈھانپی گئی ہو اور چھپائی گئی ہو۔ جب چھپائی جانے والی چیز کو ظاہر کر دیا جائے اور وہ ظاہر کرنے والی بذات خود عورت ہی ہو تو پھر نتیجے تو ایسے ہی نکلیں گے۔

اسلام نے عورت کو پردہ کا حکم دیا ہے۔ اسے حکم دیا ہے کہ وہ اپنی زینت کو چھپا کر رکھے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ چہرہ عورت کے زینت والے مقامات میں سے سب سے زیادہ اہم ہے۔

اس لئے ہر بہن کو چاہئے تو یہ کہ وہ چہرے کو سب سے پہلے چھپائے۔ وقت کے گزرنے اور جدید ترقی یافتہ دور کی آمد نے شرعی پردے کے بھی جدید اور نت نئے اسلوب اور ڈھنگ متعارف کروائے ہیں۔

ایک گمراہ عورت کا پلکنگ کرکے، بھنویں بنا کر، کاجل و سرمہ لگا کر، پھر ابرو پر مختلف شیڈز لگا کر، آنکھوں میں ڈیلوں پر سرخ ڈورے بنا کر' تھریڈ نگ کے لوازمات اپنا کر، یہ سارے آنکھوں کی تزئین و آرائش اور حسن و جمال کو چار چاند لگانے والے جتن کر کے گھر سے باہر نکلنا۔۔۔۔۔اور پھر چاروں طرف آنکھیں گھما گھما کر۔۔۔۔۔۔

مٹکا مٹکا کر دیکھنا۔۔۔۔مستی اور خرمستی میں ہنس ہنس کر غیر محرموں دکانداروں وغیرہ سے باتیں کرنا۔۔۔۔اور پھر فتنوں کے آتش فشاں پھٹا کر واپس آنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ''۔۔۔۔۔میں تو مکمل پردہ میں ہوں'' کیا ایسی عورت کو مندرجہ بالا لوازمات یا اس سے کچھ کم کو اپنانے والی عورت کو ہم ''پردہ دار'' کہہ سکتے ہیں؟ یہ نادان فتنے کی جڑ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ بننے سنورنے کے اتنے مرحلے طے کرنے کے بعد ہی کیوں بازار جاتی ہیں؟ عورت تو ایسے تباہ کن لوازم کے بغیر بھی مکمل فتنہ ہے۔ ایسی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانیہ کہا ہے۔ آپ نے تین دفعہ فرمایا: جو عورت (دوسروں تک پہنچنے والی) خوشبو لگا کر بازار سے یا چوک سے گزرتی ہے وہ زانیہ ہے، زانیہ ہے، زانیہ ہے۔ لفظ ''عورت'' کے معنی پر کبھی غور کیا ہے آپ نے؟ اس کا معنی ہے ایسی خاتون جس کے جسم کا کوئی بھی حصہ کوئی غیر محرم مرد نہ دیکھ سکے' حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی، وہاں کا بھی پردہ کرے چہ جائیکہ وہ پورا چہرہ ہی ننگا لئے پھرے یا کچھ جاذب نظر اور پرکشش حصہ بنا سنوار کر اس کی نمائش کرتی پھرے اور فتنے کے دروازے کھولتی پھرے۔ نگاہوں کے فتنے سے کون واقف نہیں؟ نگاہوں کے تصادم سے ہی تو بہنوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ ناکامی ہوتی ہے۔ بے باک اور عریاں نگاہوں سے شیطان تیر کا کام لیتا ہے۔ برق شرربار کا کام لیتا ہے، خنجر پیکار کا کام لیتا ہے۔ نظر کا تیر جب کمان سے نکلتا ہے تو جگر کے پار ہو جاتا ہے، آدمی کو شیطان ورغلاتا ہے اور وہ اللہ کی نافرمانی کر کے کفر کے ارتکاب تک پہنچ جاتا ہے۔

اصل اور شرعی پردے کے تقاضوں کو پورا کرنے والے یا ان کے قریب ترین لباس پہننے سے آج کل نفرت کی جانے لگی ہے۔ جدید دور کے تقاضے بھی جدید ہی سمجھے جانے لگے ہیں۔ ٹوپی برقعہ یا دیگر تسلی بخش حجاب کے لوازمات کو اپنانے والوں کو بنیاد پرست، رجعت پسند، جاہل اور پسماندہ ذہنوں اور عملوں کے مالک سمجھا جاتا ہے اور انہیں حقیر جانا جاتا ہے۔ سر پر علامتی دوپٹہ رکھ کر چہرہ اس لئے ننگا رکھا جاتا ہے کہ بقول بعض الناس اس میں خاتون محترم باوقار، مہذب، سلیقہ شعار یافتہ اور ''اچھی'' نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ توانا، صحت مند اور جوان نظر آتی ہے۔ میں نے ایک دفعہ اپنی ایک عزیزہ کو کہا کہ آپ ٹوپی برقعہ اوڑھ کر گھر سے باہر جایا کریں۔ یہ آپ کیلئے زیادہ بہتر اور ساتر ہوگا۔ وہ تڑاخ سے بولی: میں کوئی بوڑھی ہوگئی ہوں جو قبر نما ٹوپی برقعہ پہن کر کارٹون بن جاؤں۔ میں نے فوراً

کہا: ہاں !۔۔۔۔۔تو یہی وہ جوان خوبصورت اور کڑی چڑی نظر آنے کی شیطانی خواہش ہے جس نے تمہیں غیر محفوظ کر دیا ہے۔تمہاری عزت و ناموس کے تحفظ کو مشکوک بنا دیا ہے۔

میرے کلاس فیلو اور دوست ابراہیم ظہیر آف چیچہ وطنی بتاتے ہیں کہ میری بھانجیاں کراچی میں ٹوپی برقعہ پہن کر سکول جاتی ہیں۔کبھی ان کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید بوڑھی عورتیں چلی جا رہی ہیں اور توجہ نہیں دیتے۔یہی تو ہم چاہتے ہیں کہ وہ بحفاظت سکول جائیں اور واپس آئیں۔ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کوئی انہیں جوان ہوتے ہوئے بھی بوڑھی سمجھتا ہے' بلکہ اس میں ہی بہتری ہے۔ پردے کے اس انداز سے وہ کسی بد بخت کی شرارت سے تو محفوظ ہو گئیں۔لیکن آج کل ہماری بچیوں پر تو یہ خبط سوار ہے کو وہ جوان اور بھرپور نظر آئیں۔اس شیطانی خواہش کی بار ہا ان کو بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔

ایک معزز و محترم بہن نے ایک دفعہ فون پر پوچھا کہ جب ہم بازار سے گزرتے میں تو راستے میں کھڑے اوباش لوگ ہمیں اس انداز سے دیدے پھاڑ کر دیکھتے ہیں جیسے ابھی کچا کھا جائیں گے۔وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ میں نے کہا: بہن! مجھے اس بات کا قطعاً علم نہیں کہ وہ یہ مذموم حرکت کیوں کرتے ہیں۔ممکن ہے کہ ان کی اپنی بیٹیاں یا بہنیں نہ ہوں۔۔۔۔۔البتہ میرا ایک اندازہ ہے کہ آپ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین اور قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سراپا فتنہ بن کر اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہوئی باہر نکلتی ہوں گی؟ میری بات کاٹ کر بہن کہنے لگی: یہ عذاب اور فتنے والی بات کیا ہوئی؟ میں نے وضاحت کی کہ ضرور آپ ''ڈاکو پردہ'' کرتی ہوں گی' الو کی طرح آنکھیں گھماتے ہاتھ نچاتے باہر نکلتی ہوں گی' نہ ہاتھوں پر دستانے اور نہ پنڈلیاں ڈھکی و چھپی ہوئی ہوں گی۔جن کے دل میں غلاظت کے جراثیم ہیں' شیطان ان لوگوں کو اس دین کی باغی اور فتنہ پرور خواتین کے پیچھے لگا دیتا ہے۔آپ آج ہی قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے ہاتھوں' پاؤں اور آنکھوں کا مکمل پردہ کریں' نگاہیں نیچی کر کے کھلا و کشادہ اور سادہ برقعہ و لباس پہن کر عفت و عصمت کی متوالی' شرم و حیاء کی رکھوالی بن کر نکلیں۔اللہ آپ کی ذات میں وہ تقدس رکھ دے گا کہ وہی لوگ آپ کو دیکھ کر ادب و احترام سے نظریں جھکا لیں گے اور لوگوں کو راستے سے ہٹائیں گے کہ بہن کو گزرنے دو۔آپ تجربہ کریں اور اگر پھر ناکامی ہو تو مجھے اطلاع دیں۔الحمد للہ! آج تک اس معزز بہن کی شکایت دوبارہ نہیں آئی۔

ایسا پردہ یعنی ڈاکو پردہ جیسا رویہ اختیار کرنا نادان دیندار لوگوں کی مجبوری ہے۔وہ بھولے بھالے نادان ہیں' نہیں سمجھتے کہ یہ پردہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے پردہ کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔وہ جدید ماڈرن فیشن ایبل بھی رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اوپر کسی قسم کا بے راہ روی و دین سے دوری وغیرہ کا الزام بھی نہیں آنے دینا چاہئے لہٰذا یا وہ اپنی ناقص سمجھ کے مطابق درمیانی راستہ اختیار

کرتے ہوئے آنکھوں کی بدکاری وزناکاری کے مرتکب اس پردے کو اختیار کر لیتے ہیں کہ اس فیشن ایبل ماڈرن پردے سے ہم دونوں طرف چل جائیں گے اور قابل قبول ہوں گے۔ حالانکہ یہ دورخی پالیسی آدمی کو کسی گھاٹ کی نہیں رہنے دیتی۔ ہر مومن مسلمان یک رنگ ہوتا ہے دورنگ نہیں، اسی لیے شاعر نے کہا ہے:

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

اوراس پردے کے متعلق دوسرے شاعر نے کھل کر یہ بات کہہ دی ہے کہ:

عجب پردہ ہے کہ چلمن میں چھپے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ماڈرن دینداروں کے ماڈرن پردے کی ایک جھلک ان کے خوشنما، دیدہ زیب، خوبصورت لباسوں سے بھی نظر آتی ہے۔ طرح طرح کے ڈیزائن، بیل بوٹے، نقش نگار، مختلف تصایر اور اللہ جانے کیا کیا پرکشش انداز اپناتے ہیں وہ اپنے لباسوں پر، کہ دیکھنے والے کھنچتے چلے آتے ہیں۔ حالانکہ ایک مومنہ بہن کے کپڑے اتنے شفاف بھڑکیلے ڈیزائن دار نہیں ہونے چاہئیں کہ جو دوسروں کے لیے کشش اور توجہ کا باعث بن سکیں، بلکہ ایسے سادہ ہوں کہ ''روشن خیال خواتین وحضرات'' دیکھتے ہی کہہ اٹھیں کہ کوئی دیہاتن، مولوی یا دور سے آئی ہوئی خاتون جا رہی ہے۔ لیکن کیا کریں اپنی بچیوں کی تربیت میں رہ جانے والے نقص کی بنا پر جب ہم ان سے اس طرح کی تربیت کے تقاضوں کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر اللہ اور اس کے رسول کے فرامین کا مذاق اڑاتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ بابا جان، ابا جان، بھائی جان وغیرہ! وہ آپ کا دور اور تھا، یہ دور اور ہے۔ یہ ترقی، تعلیم جدید تہذیب اور روشنی اور روشن خیالی کا دور ہے، گھٹن اندھیرے، پرانی فکریں اور قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ دنیا چاند پر پہنچ چکی ہے اور آپ ہیں کہ پرانی رسموں کو ابھی تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ پردہ آدمی کی فکر ونظر میں ہونا چاہیے، اس کے باطن میں دل ودماغ میں ہونا چاہیے، ظاہر کی کوئی حیثیت نہیں۔

وہ بوڑھے والدین کا اس مسئلہ میں اس طرح مذاق اڑاتی ہیں کہ جس طرح وہ پرانے زمانوں کے غیر تہذیب یافتہ، جاہل، اجڈ بدھو لوگ کوئی احمقانہ وبے وقوفانہ باتیں کر رہے ہوں۔ اب وہ صرف یہ نہیں کہ پاؤں ننگے رکھتی ہیں بلکہ شلوار ٹخنوں سے اتنی اونچی رکھتی ہیں کہ جیسے ابھی دریائے راوی پار کرنا ہو اور بازو آدھے سے زیادہ ننگے رکھتی ہیں۔ گریبان کشادہ اور کھلا رکھتی ہیں۔ اوپر سے اس کو ایک لاکٹ سے مزین کر کے سراپا فتنہ بن جاتی ہیں۔ یوں ان کی زینت ظاہر ہوتی ہے، اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور اس کے عذاب کا کوڑا برستا ہوا کسی نہ کسی ناخوشگوار واقعہ کی صورت میں

سامنے آجاتا ہے۔
دو ماہ قبل میں نے مکہ مکرمہ سعودیہ میں کچھ معزز و محترم بہنوں کو سڑک پر جاتے دیکھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے برقعے وغیرہ تقریباً 5 یا 6 انچ تک زمین پر گھسٹتے چلے جارہے ہیں اور گندے ہورہے ہیں۔ میں نے چونکہ پاکستان کا ماحول دیکھا تھا لہٰذا دیکھ کر سوچنے لگا کہ ٹھیک ہے، مان لیا کہ انہوں نے آنکھوں کا، ہاتھوں اور پاؤں بلکہ پورے جسم کا بھرپور پردہ کر رکھا ہے، ان کا ناخن بھی نظر نہیں آرہا لیکن یہ کوئی مہذب بات تو نہیں کہ اب ان کے برقعے زمین پر مٹی کوڑے وغیرہ میں گھسٹتے جارہے ہیں۔ شاید یہ جاہل، بدّو یا گنوار عورتیں ہیں!!۔۔۔۔۔ میں ایسی باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میرے دماغ میں ایک جھماکا ہوا، میرے دماغ کے پردہ سکرین پر منظر ابھرا کہ چودہ سو سال قبل صحابیات کو جب رسول اللہ ﷺ نے لباس میں پردے کا حکم دیا تو محمد رسول اللہ ﷺ کی ان صحابیات طیبات نے اس انداز سے پردہ کرنا شروع کر دیا کہ ان کی چادریں اور اوڑھنیاں زمین پر گھسٹنے لگیں۔ وہ محبوب کائنات سرور عالم ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں: آقا! ہم جب بازار میں ضرورت کے تحت نکلتی ہیں تو جس چادر سے ہم نے اپنے پاؤں کو چھپایا ہوتا ہے وہ گندگی میں زمین پر گھسٹ کر گندی و ناپاک ہو جاتی ہے، ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان چادروں کو چھوٹا کرلیں یا اوپر اٹھالیں، تاکہ وہ زمین پر گھسٹ کر گندا نہ ہوسکیں۔ تو رسول اللہ نے ان کی یہ شکایت سن کر ان کو سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، اگر ایک گندی جگہ سے کپڑا رگڑ کھا کر گزرتا ہے تو دوسری صاف جگہ پر رگڑنے سے وہ گندگی صاف ہوجائے گی۔ لہٰذا تم انہی کپڑوں، چادروں اور اوڑھنیوں میں نماز پڑھو، میں ان کو چھوٹا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔
جب میرے دل و دماغ میں یہ منظر گھوما تو مجھے بہت شرمندگی ہوئی اور میں نے ان پاکباز معزز و محترم بہنوں کے متعلق غلط خیال دل میں لانے پر اللہ سے معافی مانگی کیونکہ یہ تو محمد عربی ﷺ کی پاک سرزمین کی رہنے والی پاکیزہ دختران اسلام ہیں۔۔۔۔۔ یہ تو صحابیات طیبات کے پاکیزہ و معطر اسوہ کو عملی طور پر اپنی زندگی میں اپنا رہی تھیں، کہ کوئی ان کے پاؤں ایڑی یا ٹخنے کو بھی نہ دیکھ سکے ان کا یوں کپڑا گھسیٹ کر مکہ کے بازاروں میں چلنا تو ان پاکباز صحابیات کی یادوں کو تازہ کرتا ہے جنہوں نے براہِ راست آقائے دو جہاں محمد رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کی تھی واللہ! یہ جاہل بدو اور گنوار عورتیں نہیں بلکہ مومنات، طیبات، محسنات و عابدات اور وہ روشن خیال، مہذب پاکیزہ اور معطر و مطہر سیرت کی علمبردار ہیں۔۔۔۔ کہ عالم اسلام تو ان پر فخر کرتا ہے۔
میری نادان بہن! کبھی تو نے سوچا ہے کہ پردے کا حکم تجھے کس نے دیا ہے؟ اگر علم نہیں تو سن لے پردے کا حکم تجھے تیرے خالق و مالک رب کائنات نے دیا ہے۔ تو اس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے کیا ثابت کر رہی ہے۔ یاد رکھ! اگر تو ڈاکوؤں کے سے رواجی پردے سے جان چھڑا کر اللہ تعالیٰ

کے احکام پر عمل پیرا ہوگی تو اسی میں تیری عزت تیری کامیابی و کامرانی ہے۔ تجھے پاکیزہ ماحول میں مکمل پردہ میں جب تیرے بیٹے، تیرے بھائی، تیرے عزیز اور تیرا خاوند دیکھے گا تو سب تیری عزت کریں گے، تجھ پر فخر کریں گے تیسری سیرت کو عملی طور پر اپنائیں گے، لوگ دوسروں کے سامنے تیرے پردے کی مثال دیا کریں گے، زمانہ میں دنیا تیری پاکیزگی کی قسمیں اٹھائے گی، تیری بچیاں بڑے فخر سے تیری پیروی کریں گی۔۔۔۔ دنیا ہی اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں جنت بن جائے گی، آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔ جنت کی حوریں تجھ پر فخر کریں گی اور تیری سرداری میں جنتوں میں چند ساعتیں گزارنا اپنے لیے سعادت تصور کریں گی، اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ جو سارے جہانوں کی سب سے بڑی دولت ہے، تجھے مل جائے گا اور اگر تو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرے گی، اس کے احکامات کو پس پشت ڈالے گی، فیشن کی دلدادہ بن کر فتنے بر پا کرے گی، جدید تہذیب کے تیزاب میں گر کر دوسروں کو بھی برباد کرے گی ۔۔۔۔ معاشرے میں لچر غلط بیہودہ فحش افکار اور تبصروں کا باعث بنے گی۔۔۔۔ بدنظری کے زنا کا باعث بنے گی۔۔۔۔ لوگوں کے نیک اعمال سلب ہونے اور برائی میں مبتلا ہونے کا سبب بنے گی۔۔۔ تو پھر کان کھول کر سن لے! بدنامیاں، الزام تراشیاں، بہتان، ذلتیں، رسوائیاں، دشنام طرازیاں، تیرا مقدر اور نصیب ٹھہریں گی، بیہودہ آوازے تجھ پر کسے جائیں گے، ہر کوئی تیری طرف دیکھ کر احترام سے آنکھیں نیچے کرنے کی بجائے تجھے کھا جانے کو دوڑے گا۔۔۔۔ فتنے، فساد برپا ہوں گے۔۔۔۔ بدکاریاں جنم لیں گی۔۔۔۔ فحاشی کی بھٹی بھڑکے گی۔۔۔ تو پتہ ہے پھر کیا ہوگا۔۔۔؟۔۔۔۔

ہاں تو ایسے لوگوں کے لیے جو امت مسلمہ یعنی اللہ کے مومن بندوں اور بندیوں میں (نظر بازی وغیرہ کے ذریعہ سے) فحاشی پھیلنے کا سبب بنتی ہیں۔۔۔۔ مالک کائنات، خالق کائنات، رازق کائنات، آسمانوں اور زمینوں کے مالک نے ان کے لیے دھکتی ہوئی۔۔۔۔ شعلے مارتی ہوئی۔۔۔۔ بھڑکتی ہوئی۔۔۔۔ سلگتی ہوئی۔۔۔۔ چیر کر دلوں تک پہنچ جانے والی۔۔۔۔ آگ کا دردناک اور اذیت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اب انصاف کا ترازو تیرے ہاتھ میں ہے۔۔۔۔ فیصلہ تو نے کرنا ہے۔۔۔ کہ کیا تو حوروں کی معزز و محترم سردار اور جنتوں کی وارث بننا چاہتی ہے یا کہ اللہ کے احکام کی باغی۔۔۔ اللہ کی دشمن۔۔۔۔ بھڑکتی جہنم کی خریدار۔۔۔۔ فیصلہ اپنے عمل کے ذریعے اب تو نے کرنا ہے۔ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لے:

ابھی تو سانسوں کی آمدورفت جاری ہے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

عشقیہ تحریریں۔۔۔۔۔
پاؤں کی زنجیریں!

محمد طاہر نقاش

جان سے پیارے محبوب

سلام محبت!

آپ کے جانے کے بعد نہ جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے؟ پتا نہیں آپ نے مجھے کیا کر دیا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہوں۔ ہر وقت آپ کے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ ہواؤں میں اڑتی رہتی ہوں۔ جب آپ ہمارے گھر سے چلے جاتے ہیں تو آپ کے جلد واپس آنے کا انتظار کرتی ہوں۔ آپ شام سے پہلے یعنی سورج ڈھلنے سے پہلے ہی آ جایا کریں۔ آپ سے بات ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن آپ کے موجود رہنے اور آس پاس ہونے سے دل کو سکون ملتا ہے۔ اتنی ملاقاتوں کے بعد بھی آپ کے دوبارہ جلد ملنے کا اشتیاق پہلے سے بڑھ جاتا ہے' اور آپ کے ساتھ مستقبل کے متعلق بنائے گئے سہانے منصوبے پورے ہونے کی شدت سے منتظر رہتی ہوں' کہ جب ہم ایک جان ہو کر ایک علیحدہ گھر میں اپنی جنت بنائیں گے۔ میرے متعلق آپ نے اپنے جن بے قابو ہونے والے جذبات کے متعلق لکھا ہے' میرے جذبات اس سے قدرے زیادہ شدت والے ہیں لیکن میں کھلے عام اظہار نہیں کر سکتی' اس لئے کہ صنف نازک ہوں اور مرد کی نسبت اپنے جذبات کی شدت پر زیادہ کنٹرول اور ضبط رکھتی ہوں۔ فی الحال کھل کر اظہار نہیں کر سکتی۔ اگلی آدھی ملاقات تک کے لئے اللہ حافظ۔

آپ کی جان

M-T

۔۔۔۔ الامان والحفیظ۔۔۔۔۔ اللہ کی پناہ! یہ خط ایک مذہبی بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑکی کا اپنے محبوب کے نام ہے۔ مجھے ملنے والی معلومات کے مطابق یہ لڑکی بالکل سادہ طبیعت اور کورے اور شفاف دماغ

کی مالکہ تھی لیکن جب سے سکول کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اکیڈمی گئی ہے اور چند ہندوستانی فلمیں دیکھی ہیں، اس کے اندر نہ جانے کیوں غیر محسوس سی عجیب وغریب تبدیلیاں رونما ہوتی چلی گئیں۔ اس کے لکھے گئے خطوط ومکالمات میں سے یہ ایک نارمل اور مہذب خط ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کورے کاغذ کی طرح صاف شفاف دل ودماغ رکھنے والی لڑکی اس طرح بے باک و بے حیاء ہوجاتی ہے کہ اسے اخلاقیات، شرم وحیاء اور اسلامی اقدار کی پامالی ذرہ بھر نظر نہیں آتی۔ جہاں خوف خدا، صحیح اسلامی تربیت اور اچھے ہم نشینوں کی عدم دستیابی کے فقدان کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے، وہاں بڑے محرکات میں سے مخلوط تعلیمی اداروں کا ماحول، پرنٹ میڈیا، رسائل وجرائد اور اخبارات کی غلط رہنمائی بھی ہے۔۔۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر الیکٹرانک میڈیا پوری قوم میں تباہی کا زہر پھیلا رہا ہے۔ خاندان اور والدین نے جس بچی کی تربیت 16 سال کی لگاتار کوشش اور محنت سے کی ہوتی ہے، ٹی وی کا ڈرامہ اور فلم اس کے اثرات صرف ایک گھنٹہ میں ختم کردیتے ہیں۔

اس کا عملی مشاہدہ مجھے فیصل آباد میں ہوا، جہاں ایک عالم دین کی بیوہ اپنے بیٹے سے ایک عرصہ تک صرف اس لئے ناراض رہی کہ وہ گھر میں ٹیلی ویژن کیوں لایا؟ اس نے گھر میں سب سے گفتگو بند کردی اور کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن ایک اصلاحی موضوع پر بنایا گیا ڈرامہ نشر ہونے والا تھا کہ اس کے بیٹے نے زبردستی اسے ٹی وی کے سامنے لاکر بٹھا دیا اور کہا کہ اماں جان! ایک دفعہ جو ہم دکھانے لگے ہیں یہ دیکھ لو، پھر جو آپ فیصلہ کریں گی ہم ویسا ہی کریں گے۔ بوڑھی اماں نے وہ خاندانی کہانی پر مشتمل ڈرامہ دیکھا تو انہیں اچھا لگا، اور پھر کیا ہوا۔۔۔؟ تجسس پیدا ہوا۔۔۔ اب کچھ عرصہ گزرجانے کے بعد حال یہ ہے کہ بچے ٹی وی کے سامنے بیٹھیں یا نہ بیٹھیں اماں جی سب سے پہلے وہاں موجود ہوتی ہیں۔۔۔ استغفر اللہ۔

بالکل اسی طرح آج کل لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کو ہندو صلیبی تہذیب وثقافت کے تیزاب میں گھلایا جارہا ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ ایسی غیر شرعی اور غیر اخلاقی عشقیہ داستانوں اور کہانیوں وغیرہ کی حوصلہ شکنی کرنے اور ان کی عبرت ناکی اور انجام بد ظاہر کرنے کی بجائے، ایسے لوگوں کو ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں، لوگ جن سے متاثر ہوکر اپنی زندگی کی راہ عمل متعین کرتے ہیں۔ جب سے ٹی وی کی نشریات شروع ہوئی ہیں آج تک کوئی بتا سکتا ہے کہ کوئی ایسا ڈرامہ پیش کیا گیا ہو کہ جس میں لو سٹوری نہیں تھی، یہاں تک کہ تاریخ پر بنائے گئے ڈراموں میں مجاہدین کے ساتھ بھی یہ چیز منسوب کی گئی۔۔۔ یقیناً انہی فلموں ڈراموں سے تربیت پانے والی دوشیزائیں خط لکھتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں لاتیں کہ یہ خطوط کل ان کے گلے کا پھندا بھی بن سکتے ہیں۔ وہ ان تصاویر وخطوط کے ذریعہ

بلیک میل اور بدنام کی جاسکتی ہیں۔ یہ عشقیہ تحریریں ان کے پاؤں کی زنجیریں بن سکتی ہیں۔ان کوایسی سولی پرلٹکاسکتی ہیں کہ جونہ ان کومرنے دے اورنہ زندہ رہنے دے۔

ایسی تحریریں اوباش لڑکے اکثر اپنے دوستوں میں مزے سے پڑھ کرسناتے ہیں کہ دیکھو میں نے پانچواں شکار کرلیا ہے۔اگرایسی تحریریں منظرعام پرآ جائیں تولوگ عبرت پکڑنے کی بجائے ان کوچٹخارے لے لے کر پڑھتے اورایسے بیہودہ تبصرے کرتے ہیں کہ متاثرہ خاندان کا دل چاہتا ہے زمین پھٹ جائے یا آسمان سروں پر آ گرے اور ہم اس میں دب کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوجائیں۔ کچھ لڑکیاں ایسی تحریروں کا عبرتناک انجام جانتی بھی ہوتی ہیں لیکن لکھتے وقت وہ اس شیطانی دھوکے میں رہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوگا۔

اب میں اندرون شہر میں ہونے والے ایک دوسرے واقعہ کا تذکرہ کردوں' شاید! آپ سمجھ جائیں۔۔۔۔ چند ماہ قبل کی بات ہے کہ محلے میں جھنڈیاں، قمقمے،شامیانے اور دیگرڈیکوریشن کا سامان سج چکا ہے۔گھر کے ایک کمرے میں سمٹی سمٹائی' شرماتی ہوئی دلہن شرم سے نظریں جھکائے بیٹھی ہے۔سہیلیاں ڈھولک بجارہی ہیں۔دوسرے دن بارات آنی ہے۔ ہرکوئی مناسب اور بہترین ساتھی ملنے پر مبارکباد دے رہا ہے۔سب لوگ تیاریوں میں مصروف ہیں کہ اچانک اگلے دن آنے والے دلہا کا والد پریشانی کے عالم میں گھر میں داخل ہوتا ہے۔سب لوگ یکدم حیران و پریشان اورششدرو متعجب ہیں کہ بزرگ بےوقت کیوں آ گئے ہیں' بارات سے ایک دن پہلے ہی!!۔۔۔۔ضرورکوئی گڑ بڑ ہے۔سب اس کوتکریم دیتے ہیں' عزت دیتے ہیں' بیٹھک میں بٹھا کرمٹھائی اور چائے پیش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں لیتا اور پریشانی وفکرمندی سے کوئی بات کرنے کے لئے قوت جمع کررہا ہے۔۔۔۔لیکن مُٹھیاں بھینچتے ہوئے۔۔۔۔۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے۔۔۔۔ پہلو بدلتے ہوئے ۔۔۔۔وہ یکدم بولتا ہے کہ۔۔۔۔ باقی لوگ کمرہ سے باہر چلے جائیں' میں لڑکی کی والدہ اور ماموں سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔سب کے جانے کے بعد وہ غصے سے چیختا ہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ۔۔۔ہم کل بارات لے کرنہیں آئیں گے ۔۔۔۔۔ ہماری طرف سے صاف جواب ہے' ہم شادی نہیں کریں گے۔۔۔اپنی بیٹی کے لیے وہی لڑکا ڈھونڈیں جس کے ساتھ اس کا معاشقہ تھا۔۔۔۔بچی کی ماں یہ الفاظ سن کر چکرائی ،گرتے گرتے سنبھلی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگی کہ ہمارا قصور کیا ہے جو آپ ہمیں رسوا کرنے پہ تلے ہوئے ہیں؟۔۔۔۔لڑکے کا والد کہنے لگا: رسوا ہم نہیں بلکہ ہم دونوں خاندانوں کو تمہاری لڑکی کررہی ہے' یہ لو دیکھ لو اپنی آنکھوں سے۔۔۔۔ یہ کہتے ہی اس نے چند خطوط ان کے سامنے پھینک دیے۔۔۔اٹھا کر پڑھا گیا تو یہ ان کی لاڈلی کے اپنے محبوب کے نام محبت بھرے'

ملاقاتوں کے تذکروں سے بھرے اور اکٹھے جینے مرنے کے پروگراموں پر مشتمل خطوط تھے۔۔۔
والدہ نے اپنا دوپٹا اتار کر پاؤں میں رکھتے ہوئے آنسوؤں بھری التجا آمیز نگاہوں سے تکتے ہوئے کہا: بھائی جان! ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں' اسے معاف کر دیں' اس سے بھول ہو گئی' اپنے گھر جائے گی تو آپ کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ ملے گا۔۔۔ لڑکے کا والد غصے اور نفرت سے اٹھا اور یہ کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا کہ اسے اپنے پاس رکھیں یا اس کے عاشق کے حوالے کر دیں' ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم چچوڑی ہوئی ہڈی کو اپنے دستر خوان تک پہنچنے نہیں دیتے' اگر انجانے میں پہنچ جائے تو اسے باہر پھینک دیتے ہیں۔
لڑکی کا ماموں سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔۔۔ ماں چکرا کر گرتی ہے۔۔۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور خون بہنے لگتا ہے۔۔۔ والد کو باہر سے اصل معاملہ کی اطلاع ملتی ہے۔۔۔۔ وہ بھاگم بھاگ لڑکے کے والد کو روکتا ہے اور اپنی پگڑی اس کے پاؤں میں رکھ کر التجا کرتا ہے کہ ہماری عزت و آبرو کا پاس رکھیں۔۔۔ لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔۔۔ ڈھولک پیٹنے والی سہیلیاں بھی اٹھ کر ایک ایک کر کے نکل جاتی ہیں۔۔۔ اور یوں سارے محلے میں خبر پھیل جاتی ہے۔۔۔ اب سارا گھر قبرستان کی تصویر بنا ہے۔۔۔۔ ہر کوئی رو رہا ہے۔۔۔ کوئی گھر سے باہر نہیں نکل رہا کہ کسی کو کیا جواب دیں گے؟ ۔۔۔ تھوڑی دیر بعد والد کو دل کا دورہ پڑنے کی خبر آتی ہے۔۔۔ آج بھی وہ لڑکی ٹی بی کے مریض کی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی کسی جیون ساتھی کا انتظار کر رہی ہے لیکن کوئی اس کا ہاتھ تھامنے والا نہیں۔ اب سنا ہے کہ اس کے گھر والوں نے مکان بیچ کر نقل مکانی کر کے کسی نامعلوم جگہ جا ڈیرا لگایا ہے اور ایسے ہی زندگی کی سانسیں پوری ہو رہی ہیں۔
یوں ایک تو لڑکی والوں کا خاندان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اس کے اس عمل سے اس کی باقی بہنوں اور بھائیوں کے لیے بھی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی ان کا رشتہ لینے نہیں آتا کہ شاید یہ بھی ایسی ہی ہوں۔ کئی سمجھدار والدین اپنی بیٹی کو یہ باور کروانے کے بعد کہ یہ بیج تم نے بویا ہے اب اس کی فصل بھی تم ہی کاٹو' بدنامی سے بچنے کے لیے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر اس کی پسند کی جگہ اس کا رشتہ کر دیتے ہیں۔
یاد رکھیں!۔۔۔ شریعت سے بغاوت کر کے، قرآن کے حکم کی مخالفت کر کے۔۔۔ ایسی لڑکیاں کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکتیں۔ اگر خوش قسمتی سے ان کا گھر بس بھی جائے' آنگن میں خوشیاں بسیرا کر بھی لیں تو ان کا پرانا محبوب ہمیشہ یہ سوچ کر اس کے پیچھے لگا رہتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی لیکن ظالم سماج نے اس کو مجبور کر کے اور جگہ شادی کر کے مجھ سے جدا کر دیا۔ وہ لڑکی کے والدین اور سسرالیوں

کے خلاف ایسے جذبات کا شیطانی اظہار کرتے انتقاماً گنگناتے پھرتے ہیں:

زندہ رہیں گے پیار کے دشمن چاہے جہاں بھی جاؤ
اپنی بولی یہ نہ سمجھیں کیسے انہیں سمجھاؤ
جو کرنا ہے جلدی کر و اے ظلم کے پہرے دار و!
اپنے زہریلے تیروں کو میرے سینے میں مار و

وہ کسی نہ کسی طرح اس سے ملنے اور اس کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔۔۔۔ جو آخر تباہی کا باعث بن جاتا ہے اور اس کا ہنستا بستا گھرانہ جہنم زار بن جاتا ہے۔۔۔ اس صورت حال کے بعد وہ مرنے کی خواہش اور تمنا کرتی ہے تو اس کو موت نہیں آتی ۔۔۔۔ جینے کی کوشش کرتی ہے تو دنیا اسے جینے نہیں دیتی۔۔۔۔ اپنے غموں، دکھوں اور تکلیفوں کو بانٹنے کے لیے کسی کے پاس جاتی ہے تو وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔۔۔۔ نفرت کرتا ہے۔۔۔ تھوکتا ہے۔۔۔۔ ملتا ہے تو بھی حقارت سے پیش آتا ہے۔۔۔۔ لوگ اپنی خواتین، بچوں اور خاص طور پر اپنی بچیوں کو اس کے سائے سے بھی دور رکھتے ہیں۔۔۔ اگر اس کی اولاد ہو تو وہ بڑی ہو کر نہ صرف اس کی باغی ہوتی ہے بلکہ اس سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات تو اس کو طعنوں کے تیر مارتی ہے جس سے تنگ آ کر یہ بوڑھی عورت زبان حال سے پکار اٹھتی ہے:

ایسے جینے سے بہتر تھا مر جاتی میں
ایسا جینا تو مجھ کو گوارا نہیں

اور پھر اسی کشمکش میں زندگی گزر جاتی ہے۔۔۔۔ سکون کی متلاشی۔۔۔۔ دکھوں کی ماری۔۔۔ زمانے بھر کی ستائی۔۔۔ یہ جان۔۔۔۔ لحد میں سو جاتی ہے۔ دنیا کہتی ہے کہ اب مرنے کے بعد اس کو سکون نصیب ہوا ہے۔۔۔۔ ورنہ دنیا والوں نے تو بڑھاپے تک اس کا جینا محال کیے رکھا۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ کسے معلوم کہ اب بھی وہ سکون میں ہے یا کہ اپنے کیے کی۔۔۔۔ اللہ کے فرامین سے بغاوت کی ۔۔۔۔ سزا بھگت رہی ہے۔۔۔ سکون کب ملے گا اسے !!؟۔۔۔۔ کب ملے گا؟۔۔۔۔۔ شاید۔۔۔ روز قیامت۔۔۔۔ یا شاید کبھی نہیں!!۔۔۔۔



آزادیٔ اظہارِ رائے

کے شرعی اصول وضوابط



خالد حسین گورایہ
مدیر ریسرچ کونسل
المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
کراچی

اہل عقل وفہم کے ہاں
ایک مسلّمہ امر ہے کہ علماء ، حکماء ،
مفکرین جب بھی ''آزادیٔ اظہارِ رائے'' پر لب کشائی
کرتے ہیں تو سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اظہارِ رائے کی یقیناً
کوئی حد یا باؤنڈری ہونی لازمی ہے، تاکہ فتنہ وفساد اور معاشرتی عدمِ توازن کے نظام کو
کنٹرول کیا جاسکے۔ ہاں اس کی قید کے پیمانے ہر ایک کے ہاں مختلف ہیں بعض لوگ اس پر عرفِ عام،
یا معاشرتی اقدار کی روک لگاتے ہیں، بعض اسے آئین وقانون سے مقید کردیتے ہیں، اور بعض دیگرے یہ کہتے ہیں
کہ جہاں دوسرے کے مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہے، اس کی دل آزاری ہوتی ہے وہاں آپ کی آزادی ختم ہوجاتی ہے۔ بعض نے
اخلاقی فساد و بگاڑ کو آزادیٔ رائے کی حد بندی بتایا ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی بھی ذی عقل انسان اس حقیقت کا انکاری نہیں ہے کہ
آزادیٔ رائے کو لازماً کسی حد وقید میں رکھنا ضروری ہے۔ رائے میں مادر پدر آزادی کا مطلب محض شر وفساد کی آبیاری ہے۔

اسی مسلّمہ ضابطہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہر قوم، ملک، نسل اور آبادی نے اپنے معتقدات، اپنی عادات واعراف، اور مصالح وقوانین کے تحفظ کیلئے اس آزادی کو ایک دائرہ تک محدود رکھا ہوا ہے۔

آزادیٔ کا تطوراتی مفہوم

انسان آج سے نہیں بلکہ ہزاروں سالوں سے اس دنیا میں بس رہا ہے، ہر دور میں اس نے اپنی آزادی کیلئے کچھ قاعدے وضع کئے مگر اس کی فلاح اور کامیابی محض اسلام کے دئے گئے ضابطہ آزادی سے ہی ممکن ہو پائی ہے۔ کرہ ارض پر قدیم ترین تہذیبوں میں مصری تہذیب نمایاں ہے۔ قدیم مصری تہذیب میں آزادی کا جو تصور پایا جاتا تھا وہ بعینہ اپنی اُسی پرانی شکل میں جدید دنیا میں بھی موجود ہے اگرچہ انداز، کردار، واطوار بدل گئے ہیں اغراض ومقاصد واہداف وہی پرانے ہیں۔

مصر کی عہد قدیم کی آزادی کچھ ایسی ہوا کرتی تھی کہ محض فرعون کو آزادی تھی! فرعون اکیلا ہی جو چاہتا، جب چاہتا اور جس کیفیت سے چاہتا کرتا تھا، ہاں رعایا کو کوئی آزادی نہیں تھی بلکہ وہ وقت کے بادشاہ کے اشارے کے تابع تھے جسے انہوں نے خدائی درجہ دے رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی آزادی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾[غافر: 29]

’’فرعون نے کہا، میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں‘‘۔

یعنی وہ بزعم خود سمجھ رہا تھا کہ میری ہی رائے صحیح ہے باقی سب غلط۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾[هود: 97]

’’پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں‘‘۔

فرعونی تہذیبوں میں فرمانروا ہی سیاہ وسفید کے مالک ہوا کرتے تھے، اِبلاغ وترسیل کے تمام ذرائع پر حکومت اور بالانشیں طبقوں کا مکمل کنٹرول تھا۔ اخبارات اور صحافیوں کے پیروں میں حکومت اور مقتدر طبقے نے پابندیوں کی زنجیر ڈالی ہوئی تھی، وہ کوئی ایسا مواد مشتہر نہیں کر سکتے تھے، جس میں حکومت اور فرماں روائے وقت یا حکومتی اہل کاروں کی پالیسیوں پر جرح وتنقید کی گئی ہو۔

آج کے دور میں آزادیٔ اظہار رائے کے حوالے سے فرعونی تہذیب کا ترجمان کمیونسٹ نظریۂ

ابلاغ ہے جو اشتراکیت کے عروج کے دنوں میں کافی موضوعِ بحث رہا۔ کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ میں اظہارِرائے اور فکر ونظر کی آزادی کو حکومت کی پالیسیوں کی تشہیر تک محدود کر دیا گیا تھا۔ ذرائع ابلاغ اس بات کے پابند تھے کہ وہ عوام میں جا کر انھیں حکومت اور پارٹی کی پالیسیوں سے آگاہ کرائیں اور مملکت کے بنیادی نظریے یعنی کمیونزم کی تشہیر کریں اور اس نظریے کو اپنانے کے لیے عوام کی ذہن سازی کریں۔ مطلب یہ کہ کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ بھی کسی نہ کسی شکل میں مقتدرانہ نظریۂ ابلاغ کا ہی چربہ تھا۔ اس میں بھی عوام مجبور ومقہور اور مہر بہ لب تھے۔

مغربی فکر وسوچ پر بھی یہی اصول پندرہویں سولہویں صدی تک حاوی رہا اور تمام ذرائع ابلاغ ودیگر حکومتی تحویل میں رہے۔ افلاطون نے اسی نظریے کو پسند کیا اور کہا: "اگر ریاست میں اختیارات کو بہت سے افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو ریاست کا زوال شروع ہوجاتا ہے، اس لیے حاکم کو چاہیے کہ ریاست کے انتظام میں عوام کے عمل دخل کو محدود کر دے۔"[1]

عالم حاضر اور مغرب کی فکری آزادی

فرعونی آزادیٔ اظہار رائے کے مقابلے میں یورپ میں اس کے بالکل برعکس نظریے نے جنم لیا اور وہ تھا مادر پدر آزادی کا نظریہ۔ جہاں فکر ونظر کی اور کردار وعمل کی مکمل آزادی دے دی گئی۔ اظہار کی آزادی کی آڑ میں ذرائع ابلاغ کے سرکش گھوڑے کو ایسا بے لگام چھوڑ دیا گیا جس نے ایمانیات کے ساتھ انسانوں کی اخلاقیات کو بھی پیروں تلے روند کر رکھ دیا۔ یہ نظریہ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کے طور پر تاریخ میں جانا گیا، چونکہ اس عہد میں سائنسی دریافتوں نے انسان کو عقلیت کا سبق سکھایا تھا اور وہ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی اس کو اپنی زندگی میں روبہ عمل لاتا تھا، اس لیے انھوں نے ماقبل کے نظام حکومت میں عائد قید وبند سے آزادی کے لیے ایک ایسے نظریے کا سہارا لیا، جس میں فرد کو ساری آزادی میسر تھی۔ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کو امریکی حکمرانوں نے خوب شہہ دی اور سب سے پہلے امریکی دستور میں یہ ترمیم کی گئی کہ کانگریس کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی، جس سے تحریر وتقریر اور ذرائع ابلاغ کی آزادی پر حرف آتا ہو۔ کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے حکمراں طبقوں نے اس نظریہ کو اپنے ملکوں میں خوب پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مقتدرانہ نظریہ ابلاغ میں تمام

---

[1] تاریخ صحافت، افتخار کھوکھر، ص: 188

اختیارات ریاست اور حکمراں طبقے کو حاصل تھے، اس کے برعکس آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ میں ہر فرد کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ جو چاہے، جس طرح چاہے اور جس کے خلاف چاہے تقریر اور تحریر کے سہارے اس کا اظہار کرسکتا ہے۔ مملکت یا حاکم وقت کو اس کے دست و بازو کو پکڑنے اور اس کو مہر بہ لب کرنے کا حق نہ ہوگا۔ [1]

یہ جرأت اس انتہا کو پہنچ گئی کہ مقدس مقامات، شخصیات، انبیاء کرام بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ انہوں نے عظیم الشان ہستی جناب محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی جسارت کی، جبکہ اس سے قبل دیگر انبیاء کرام جناب یوسف علیہ السلام، جناب عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی شخصیات کے فلمی کردار پیش کیے۔ یہ سب کچھ اسی آزادیٔ اظہار رائے کے فلسفے کو بنیاد بنا کر ہوتا رہا، وا عجبا !

آزادی اظہار رائے کا یہ ناسور جب مغرب کے رگ و ریشہ میں رچ بس گیا تو یہ نظریہ مغرب نے محض اپنی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ دیگر اقوامِ عالم کو بھی اس کے ذریعے مسخر کیا۔ اور آج آپ اندازہ کرسکتے ہیں مسلمانوں و دیگر اقوام عالم کی مغرب کے سامنے بے بسی کی وجہ یہ شتر بے مہارانہ آزادی ہے۔ مغرب نے ایسے شاطرانہ طریقے سے امم عالم کو فکر و نظر اور اظہار رائے میں آزاد کیا کہ اس وقت دنیا میں بالعموم اور عالم اسلام میں بالخصوص جتنی بھی سورشیں برپا ہیں، جتنی بھی افراتفری اور بے یقینی کی کیفیت ہے سب اس آزادی اظہار رائے اور میڈیا کی شتر بے مہار آزادی کے باعث ہے۔

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اوّل ، دیتے ہیں شراب آخر

عالم حاضر میں اس بے لگام آزادی کے باوجود چونکہ انسانی فطرت سے تو ہر مسلم و کافر کا پالا پڑتا ہے، اس سے خلاصی ممکن نہیں لہذا ہر قوم و ملک کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ آزادیٔ اظہار رائے پر (چاہے وہ جزوی ہو) روک لگائی جائے ورنہ کوئی قوم اس کے بغیر نہ ترقی کرسکتی ہے نہ فساد کو کنٹرول کرسکتی ہے۔ اسی فطری ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے جدید تہذیب نے بھی کچھ ایسے قوانین و اصول وضع کیئے ہیں جن کی رو سے ان کے ہاں چند مسائل پر گفت و شنید کرنا، کسی قسم کی رائے کا اظہار کرنا شجرہ ممنوعہ قرار پاتا ہے۔

---

[1] تلخیص از: تاریخ صحافت ص 187 تا 200

جیسا کہ قوانین بین الاقوام اس کے شاہد ہیں۔

یورپی کنونشن کا چارٹر (مجریہ 1950، روم) آزادی اظہار رائے کی روک کو قانونی حیثیت بھی عطا کرتا ہے۔جس کی رو سے

''آزادئ خیالات کے ان حقوق پر معاشرے میں موجود قوانین کے دائرہ کار کے اندر ہی عمل کرنا ہوگا، تاکہ یہ آزادیاں کسی دوسرے فرد یا کمیونٹی کے تحفظ، امن وامان اور دیگر افراد یا کمیونٹی کے حقوق اور آزادیوں کو سلب کرنے کا ذریعہ نہ بنیں۔''

مزید برآں اسی چارٹر کے سیکشن 1، آرٹیکل 10 کی شق اول ودوم میں یہ بھی درج ہے کہ

''آزادئ اظہار کے حوالے سے ملکی قوانین پامال نہیں کئے جائیں گے، تاکہ جمہوری روایات علاقائی سلامتی، قومی مفادات، دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور باہمی اعتماد کو نقصان نہ پہنچے۔''

''آزادی اظہار کا یہ تصور فرض شناسی اور ذمہ دارانہ رویے سے مشروط ہے۔''

''آزادئ اظہار کا حق نہایت حزم واحتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیئے، اس کے ذریعے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ملک میں معاشرے کی اخلاقی اقدار، دوسروں کی عزتِ نفس، اور ان کے بنیادی حقوق کو گزند پہنچائے۔''

آزادئ اظہار کا یہ حق انٹرنیشنل کنونشن آن سول اینڈ پولیٹکل رائٹس ICCPR کے ذریعے بھی محدود کردیا گیا ہے۔[1]

ہیومن رائٹس کمیشن کے ایک مشہور کیس Faurisson VS France کا عدالتی فیصلہ ملاحظہ ہو:

''ایسے بیانات پر جو یہودیت دشمن جذبات کو ابھاریں یا انہیں تقویت دیں، پابندیوں کی اجازت ہوگی، تاکہ یہودی آبادیوں کے مذہبی منافرت سے تحفظ کے حق کو بالا دست بنایا جاسکے۔''

ہولوکاسٹ پر لب کشائی کرنا بہت سے ممالک میں قابل سزا جرم ہے۔حتیٰ کہ بعض یورپی ممالک میں ہولوکاسٹ کے انکار پر 20 سال قید کی سزا مقرر ہے۔

سابق الذکر ان دونوں نظریات کو بعین عدل دیکھا جائے تو یہ افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔کسی مہذّب

[1] مزید تفصیلات کے لئے روزنامہ پاکستان لاہور میں شائع کردہ مضمون ''نسلی ومذہبی منافرت اور عالمی قوانین'' از آغا شاہی، ملاحظہ فرمائیں۔

سماج اور انسانی معاشرے میں نہ تو کسی فرد کو مکمل اظہار کی آزادی دی جاسکتی ہے کہ وہ شُترِ بے مہار بن جائے اور آزادی اظہار کے پردے میں دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنے، حرمات ومقدّسات کی پامالی کا مرتکب ٹھہرے اور لوگوں کی نجی زندگی کے بارہ میں لب کشائی کرے۔ اور نہ ہی انسانوں کی فکرو نظر کی آزادی کو بے جا قانون واصول کا سہارا لے کر اس طرح قید وبند کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے فطری اور پیدائشی حق کے لیے بھی آواز بلند نہ کرسکیں۔

اسلام اور آزادئ اظہار رائے

ہر مسلمان کلمہ شہادت ''أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم'' پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا معترف بنتا ہے۔ عبودیت کا مطلب ہوتا ہے بندگی، غلامی گویا کہ بندہ یہ اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ میں اپنی تمام زندگی تیری غلامی میں بسر کروں گا۔ اب غلامانہ زندگی کیسی ہوتی ہے؟ ہر ذی شعور فرد اس سے بخوبی واقف ہے۔ زمانہ حاضر میں جہاں انسان نے مادی زندگی میں ترقی کی ہے اس ترقی کو بنیاد بنا کر حضرت یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ شاید اخلاقی، تہذیبی، مذہبی، ثقافتی اقدار بھی بدل چکے ہیں اس لئے ان میں بھی تبدیلی ضروری ہے۔ انہی اقدار میں ایک آزادی اظہار رائے بھی ہے۔ میڈیا کی ترقی اور عروج کے بعد ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسے اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنی رائے میں آزاد ہے، جو چاہے کہے! جیسا چاہے عقیدہ رکھے! لوگوں کو اس کا قائل کرے اور اپنی سوچ وفکر کا ہمنوا بنائے۔

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مغرب نے حریت پر قانونی ضابطے لاگو کئے مگر دینی اور اخلاقی ضابطوں سے لوگوں کو آزاد کردیا۔ اسی بنیاد پر مغرب میں دین کو دنیا سے الگ کردیا گیا اور ''أعطوا مالقيصر لقيصر وما لله لله'' کا نعرہ لگایا۔ مگر اسلام میں حریت اور آزادی کا مفہوم لوگوں کو مخلوقاتِ کائنات کی عبودیت سے نکال کر اللہ رب العزت کی عبودیت میں لگانا ہے۔ اس لئے واقعہ قادسیہ کے موقع پر جب رستم نے مغیرہ بن شعبہ سے پوچھا کہ آپ لوگ ہمارے علاقوں میں کس لئے آئے ہیں تو آپ فرمانے لگے ''الإخراج

العباد من عبادة العباد إلی عبادة الله ''[1]

لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگانے آئے ہیں۔

اسلام کرہ ارض پر موجود ادیان و مذاہب، تہذیبوں اور ثقافتوں پر آزادیٔ اظہار رائے کی حفاظت ورعایت کے تمام اعلیٰ ضابطوں کے تعین میں سبقت لے جا چکا ہے۔ اس لئے کہ یہ فطری دین ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے صحیح اور حقیقی آزادی محض وہی ہے جو باری جل وعلا نے اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ واضح فرمادی ہے۔ لیکن جہالت کے انتشار کے باعث لوگ آزادی کو اس کے اصل مفہوم سے ہٹا کر اور سمت لے گئے ہیں۔

مغربی فکر میں آزادیٔ رائے کو محض اس پیرائے میں محصور کر دیا گیا ہے کہ آپ سے کسی کو نقصان یا تکلیف نہ پہنچے۔ انہوں نے یہ ضابطہ متعین کیا کہ '' آپ کی آزادی میرے نقصان کی حد پر ختم ہو جاتی ہے''۔

اس حوالے سے سگریٹ نوشی کی مثال لے لیجئے! مغربی نظریہ کے مطابق آپ اپنے گھر میں آزاد ہیں چاہے جتنی مرضی شگریٹ نوشی کریں، ہاں آپ باہر مجمع میں کسی اور کے سامنے سگریٹ نہ پئیں کیونکہ اس سے دوسرے کو تمباکو کی آمیزش سے تکلیف ہوتی ہے۔

بہت سے مسلمان بھی شخصی آزادی کا مفہوم اچھی طرح نہیں سمجھ پائے اور وہ بھی مغربی فکر کی مغلوبیت ومرعوبیت کے باعث آزادی کا دائرہ کسی دوسرے کے نقصان پر محدود کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو چاہے جتنا نقصان پہنچا سکتا ہے پہنچائے غیر کو اس سے کوئی قدغن نہیں لگنی چاہئے۔

اسی ضابطے کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ کہنے لگ گئے ہیں کہ میرے سامنے کفریہ کلمات مت کہیں، ہاں تنہائی میں آپ جو مرضی کریں! اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کریں آپ آزاد ہیں۔ والعیاذ باللہ

الغرض مغربی آزادی کسی دوسرے کے نقصان سے مقید ہے۔ جہاں کسی غیر کو زک پہنچے آپ کی آزادی کا دائرہ وہاں ختم۔ اس لئے انہوں نے اعتقادات میں آزادی دے رکھی ہے۔ کہتے ہیں آپ جو چاہیں عقیدہ رکھیں، کسی پتھر، درخت، بجلی کے پول، جسے چاہتے ہیں اسے خدا بنائیں۔ یہودی ہوں، عیسائی ہوں، بدھ مت ہوں، سکھ ہوں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اس طرح کی اعتقادی

---

[1] البدایة والنهایة :ج 7 ص 43-44

آزادی کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اِلٰہ واحد کے سامنے جھکیں، خود کو اس کے سپرد کر دیں کیونکہ وہی ان کا مالک، خالق اور رازق ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[آل عمران: 85]

''اور جو شخص اسلام (فرمانبرداری) کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے کتنی قوموں کو شرک کے باعث صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب۔ اسلام کا اس حوالے سے ضابطہ واضح ہے۔ وہ کفر اور الحاد کی آزادی نہیں دے سکتا۔ ہاں اسلام ہر کسی کو اسلامی آداب کے اندر رہتے ہوئے اظہار رائے کی آزادی دیتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس کا واضح شاہد ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیا اور لوگوں کو حقِ مہر میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا، ایک عورت نے آپ سے کہا کہ آپ حق مہر میں مغالبے سے کیوں منع فرما رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝﴾[النساء: 20]

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور تم نے اسے خواہ ڈھیر سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم اس پر بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اس سے مال لینا چاہتے ہو؟''

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ''أصابت المرأة وأخطأ عمر'' عورت نے صحیح کہا اور عمر سے غلطی ہوئی۔ پھر آپ نے دوبارہ خطبہ دیا اور اپنی سابقہ رائے سے رجوع کیا۔

نامور عالم دیں حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں ''خلفاء راشدین نے اپنے کو تنقید سے بھی بالاتر نہیں سمجھا اور اظہارِ رائے پر قدغن نہیں لگائی۔ وہ پانچوں وقت خود عام لوگوں کی امامت کراتے اور جمعہ وعیدین کے موقعے پر لوگوں سے براہِ راست خطاب فرماتے۔ یُوں ہر شخص کے لیے ان پر تنقید کرنا اور ان کو روکنا ٹوکنا ممکن اور آسان تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کا عوام کی دسترس سے بالا رہنا یا انہیں اظہارِ رائے سے محروم رکھنا یہ اسلام کے نظامِ خلافت سے مطابقت نہیں رکھتا'' (1)

(1) اسلامی خلفاء وملوک اور تاریخ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ ،ص 12

اہل علم فرماتے ہیں " الغرب قید الحریة فقط أن لا تضر بالآخرین ، فالحریة في الإسلام قیدها أیضا ألا تضر بنفسك " [1] مغرب نے آزادی کو محض اس اصول سے مقید کیا ہے کہ آپ کسی اور کو نقصان نہ دیں جبکہ اسلام نے اسے اس ضابطہ سے مقید کیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو بھی نقصان نہ دیں۔ اسلام کو آپ کی صحت، آپ کی جان، آپ کی عزت اور آپ کے مال کی حفاظت آپ سے زیادہ عزیز ہے۔

جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" لا ضرر ولا ضرار "[2] ''نہ کسی کو ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ بدلے میں''۔

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لا ضرر ولا ضرار ، من ضار ضره الله ، ومن شاق شق الله علیه "[3]

''جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے اللہ اس کو نقصان پہنچائے اور جو دوسرے پر سختی کرے اللہ اس پر سختی کرے''۔

اسلام میں مطلق العنان نام کی کسی قسم کی آزادی نہیں، بلکہ ہر آزادی کو مقید کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قید کے بغیر صالح اور فاسد کی تمیز ممکن نہیں۔ ایک مسلمان کو یہ بات تصور میں بھی نہیں لانی چاہئے کہ اسے مادر پدر رائے کی آزادی دی جائے!۔ اسلام کہتا ہے کسی اور کو بھی نقصان نہ دو اور اپنی ذات کو بھی نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس لئے اسلام نے شراب، سگریٹ نوشی، جوا، سود، خنزیر کھانے سے منع کیا کہ اس سے انسان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچتا ہے۔ الغرض اسلام انسانیت سے ہمدردی رکھتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نادانی میں جب آزادئ رائے کی بات کرتے ہیں، تو اس میں کفر کی آزادی بھی دے جاتے ہیں، یعنی حریت فکر، اور حریت کفر دونوں اصطلاحوں کو یکجا کر جاتے ہیں اسلام نے فکر کی آزادی دی ہے لیکن کفر کی نہیں مگر بعض ناداں نام نہاد مسلمان حریت فکر کو بنیاد بنا کر حریت کفر کی بھی اجازت دے دیتے ہیں۔

---

[1] مفهوم الحریة بین الإسلا م والجاهلیة ، للشیخ علي بن نایف الشحوذ .ص 18

[2] سنن ابن ماجه : کتاب الأحکام ، باب من بنى فى حقه مایضر بجاره

[3] المستدرک علی الصحیحین : کتاب البیوع

الغرض ہم مسلمان ہیں ایک مسلم کی حیثیت سے سوچیں کہ کیا ہم رائے کے اظہار میں آزاد ہیں؟ یا شرعی طور پر ہم پر کچھ پابندیاں ہیں جنہیں خاطر میں لانا ضروری ہے۔

اسلام میں آزادیٔ اظہارِ رائے کے اصول وضوابط

پہلا اصول: اسلام نے کس میدان میں اظہار رائے کی آزادی دی ہے؟

جو بھی حکم، فیصلہ، یا مسئلہ شرعی نصوص سے ثابت ہو، چاہے اس کا تعلق عبادات ومعاملات سے ہو یا حدود وتعزیرات سے یا پھر خانگی اور عائلی معاملات سے اس بارے میں اسلام نے حکم دیا ہے کہ اس کے خلاف اظہار رائے کی کوئی گنجائش نہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا﴾ [الأحزاب : 36]

’’اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ سزاوار نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ان کے بارے میں) کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو (وہ اپنی رائے کو دخل دیں اور) اس معاملے میں ان کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے۔اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کسی فیصلے پر رائے زنی تو کجا اس سے متعلق دل میں کجی رکھنا بھی انسان کو ایمان سے دور کردیتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء : 65]

’’پس (اے پیغمبر) تمہارے رب کی قسم، یہ (کبھی) مومن نہیں (ہو سکتے) جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں یہ تمہیں حَکَمْ نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور (دل وجان سے اس کو) تسلیم نہ کرلیں۔‘‘

قرآن وسنت کے دلائل اور ائمہ سلف کا اتفاقی فیصلہ ہے کتاب وسنت کے کسی فیصلے پر نقد کرنا اسے رد کرنا جائز نہیں جو ایسا کرے گا گویا وہ حق سے نکل گیا اور اس نے اللہ اور رسول ﷺ سے آگے

بڑھنے کی کوشش کی جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾[الحجرات: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کیونکہ) وہ (سب کچھ) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔''

تمام آراء کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا جو ان کے موافق ہوگی لے لیا جائے گا جو مخالف ہوگی اسے رد کردیا جائے گا۔

امام ابوالزناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" إن السنن لا تخاصم ، ولا ينبغي لها أن تتبع بالرأي والتفكير ، ولو فعل الناس ذلك لم يمض يوم إلا انتقلوا من دين إلى دين ، ولكنه ينبغي للسنن أن تلزم ويتمسك بها على ما وافق الرأي أو خالفه".[1]

شرعی ثوابت وسنتوں سے متعلق تنقید وتردید کی کوئی گنجائش نہیں۔اور یہ کسی طرح بھی روانہیں کہ رائے محض اور پراگندہ فکر سے ان کی بیخ کنی کی جائے،اگر لوگوں کو اس کی آزادی دے دی گئی تو ایک دن بھی ایسا نہیں گزرے گا کہ لوگ ایک دین سے دوسرے دین میں منتقل ہوجائیں گے،مگر شرعی سنن کے حوالے سے ضروری یہ ہے کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے چاہے وہ رائے کے موافق ہوں یا مخالف''۔

اس لئے اسلام میں اظہار رائے کو کتاب وسنت اور اجماع امت کے ماتحت کیا گیا ہے کوئی بھی انسان اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت کسی مصلحت کو بنیاد بنا کر ایسے نتائج لاتا ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو گویا اس نے شریعت اسلامی سے ناگواری کا اظہار کیا اور اسے خوش دلی سے قبول نہیں کیا۔[2]

اس لئے اہل علم نے یہ قواعد وضع کئے ہیں کہ:(لا اجتهاد في موارد النص)[3]نصِ شرعی کی

---

[1]الفقيه والمتفقه ، للخطيب البغدادي 392/1

[2]بيان الدليل على تحريم التحليل ، ص 250

[3]شرح القواعد الفقهية ، للزرقا ص 147

موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں۔

(وان ما عارض النص فاسد الاعتبار)[1] جو بات بھی نصِ شرعی کے خلاف ہوگی وہ ناقابلِ اعتبار ہوگی۔

مگر صد افسوس ہم اگر اس وقت مسلم معاشرہ کا جائزہ لیں تو اس میں شرعی ثوابت کو بھی طعن وتنقید اور رائے کی نذر کردیا جاتا ہے۔جس میں شرعی حدود، ایک سے زائد شادیاں، خواتین کی وراثت کا مسئلہ، خواتین کی آزادی، پردے کے مسائل وغیرہ، شرعی نصوص سے ثابت شدہ ان تمام معاملات کو زیر بحث لاکر اسے مختلف طریقوں سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو قطعاً غیر شرعی عمل ہے اور انسان کو کفر میں بھی مبتلا کرسکتا ہے!۔

دوسرا اصول | صاحب رائے کون ہونا چاہئے؟

رائے کے اظہار کرنے والے کیلئے اسلام نے کڑی شرط لگائی ہے کہ وہ صاحب علم ہونا چاہئے اگر کوئی علم سے ہٹ کر بات کرتا ہے اس کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔوْلًا﴾[الإسراء: 36]

’’اور (دیکھو،) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگو۔ (یاد رکھو،) کان، آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) باز پرس ہونی ہے۔‘‘

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ١١٦؁ۭ﴾[النحل: 116]

’’اور نہ کہو جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، کہ اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔ (یاد رکھو،) جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں۔‘‘

اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جو شخص جس فن کا ماہر ہے وہ اسی فن میں بات کرے، اپنے فن

---

[1] آداب البحث ، للشيخ محمد الأمين الشنقيطي ، 2/ 129

سے ہٹ کر اگر اس سے رائے لی جائے تو اسے چاہئے کہ اس بات کو اس فن کے ماہرین کے سپرد کر دے۔ جیسے طب کے مسئلہ میں کسی انجینئر کی بات کی کوئی حیثیت نہیں تو اسی طرح شرعی مسئلہ میں کسی غیر عالم اور کسی دنیاوی فن کے ماہر کی رائے کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ "یشرع الحجر علی المتطبب الجاهل"[1] اطائی معالج پر پابندی لگانا ضروری ہے۔ اگر دنیاوی شعبہ جات کے لوگ ایک دوسرے کے شعبہ کا احترام کرتے ہیں تو پھر شرعی معاملات ومسائل میں اس احترام کو کیوں درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا؟ کیا دین اتنا ہی لاوارث ہے کہ جسے جو من میں آئے وہ کہہ دے۔ اللہ کے بندو اللہ کا خوف کرو۔ جو شعبہ سب سے حساس ہے اس میں غلط رائے زنی انسان کو کفر تک لے جا سکتی ہے ہم نے اسے اتنا ہی ارزاں بنا کر ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کیلئے میدان کھول دیا ہے کہ وہ شرعی مسائل میں بانگ دہل اپنی جہالت جھاڑتا پھرے۔ میڈیا کی شتر بے مہاری کے باعث ہمارے چینلوں پر مذہبی پروگرام چند مسخروں ، بھانڈوں ، مداریوں ، گویوں ، اداکاروں اور کاسہ برداروں کے حوالے کر دئے گئے ہیں۔ بقول ڈاکٹر ضیاء الدین "مذہب کے نام پر روایت اور دین کے نام پر خرافات بانٹنے کا سلسلہ ہر جگہ جاری ہے۔ نہ ایمان نہ عقیدہ، نہ کعبہ، نہ امام، نہ مقتدی، نہ رمضان، نہ امان۔ سارے فُقرے، بھوکے ننگے، چھٹل کارتوس، بڑے عمامے، کھوکھلے سر، چینلوں پر آنے کے شائق ، رونمائی کی ہوس کے مارے ہوئے منافق ، ستر برس میں سترہ برس کے دکھائی دینے کے شوقین، حلق سے قاف نکالنے اور حلق تک افطاری ٹھونسنے والے شکم پرور، دین کو مداری کی مرضی سے موڑنے توڑنے اور جوڑنے والے کاریگر، پیسے لے کر فتوے دینے والے چھابڑی بردار، سب چینلوں پر جمع ہیں، جبکہ اصل علماء مساجد اور مدارس میں عبادت اور تدریس میں مصروف ہیں۔[2]

یہ مختصر سا نقشہ ہے جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اس وقت میڈیا پر دینی معاملات میں رائے دینے والے کن صفات ومعیارات کے حامل ہیں۔ الّا ماشاء اللہ

اسلام نے رائے کے حوالے سے علم کے ساتھ ایک ضابطہ یہ بھی متعین کیا ہے کہ اظہار رائے میں ارادہ خیر وحق ہونا چاہئے۔ نہ کہ محض اظہار رائے اور خود نمائی کا جذبہ۔ فرمان نبوی ﷺ ہے "جو اللہ

---

[1] القواعد النورانیه الفقهية ، ص 151، 152

[2] روزنامہ امت، اشاعت 27 جولائی 2013

اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''۔ [1]

تیسرا اصول | رائے کے نتائج کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے

بسا اوقات اس طرح کی صورت حال بن جاتی ہے کہ رائے دہی اصلاً تو جائز ہوتی ہے اس میں کوئی شرعی مخالفت نہیں ہوتی لیکن حالات اس طرح کے درپیش ہوتے ہیں کہ اس موقع پر اظہار رائے سے فتنہ کے درآنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اور اس کے درپردہ بہت سے مفاسد اور نقصانات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کا بنیادی مقصد و مدعیٰ فساد و نقصانات کا خاتمہ ہے لہٰذا اس بنا پر کچھ مواقع و محل ایسے ہوتے ہیں کہ رائے جائز ہونے کے باوجود اس کے اظہار سے گریز کرنا چاہئے۔ اسی بنا پر اہل علم نے ایک قاعدہ وضع کیا ہے (سد الذرائع المفضية إلى الفساد) جو بھی ذرائع فساد پر منتج ہوتے ہیں انہیں روکا اور ختم کیا جائے گا۔

شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں

* پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کو محض اس وجہ سے قتل نہیں کیا تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے ہی لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مفتی حضرات کو وصیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" على المفتی ان یمتنع عن الفتویٰ فیما یضر المسلمین ویثیر الفتن بینهم، وله ان یمتنع عن الفتوى إن كان قصد المستفتي كائناً من كان نصرة هواه بالفتوى وليس قصده معرفة الحق واتباعه ". [2]

''مفتی کو چاہئے کہ ایسا فتویٰ دینے سے گریز کرے جو مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے یا ان کے مابین فتنہ و شر انگیزی کا باعث بنے۔ ایسی صورت میں وہ قطعاً فتویٰ صادر نہ کرے چاہے مستفتی کوئی بھی ہو اس سے اس کی غرض اپنی خواہش اور رائے کی نصرت ہے نہ کہ حق کی پہچان اور اس کی اتباع۔''

---

[1] بخاری : کتاب الأدب ، باب من كان يؤمن بالله ----

[2] مجموع الفتاوی، 28/198

اظہار رائے کے نتیجہ کے حوالے سے وقت کا بہت اہم کردار ہوتا ہے کہ انسان جب اپنی رائے دے رہا ہے اس وقت ماحول اور حالات کیسے ہیں؟ اس کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ میں جن لوگوں سے مخاطب ہوں کیا میری بات صحیح سمجھ بھی پائیں گے یا نہیں؟

صحابہ کرام سے بھی متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے مسائل میں خاموشی اختیار کی اور اظہار رائے سے اجتناب کیا۔

✵ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لایا اور کہنے لگا کہ فلاں آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں کی بیعت کرلوں گا۔ یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں آج رات لوگوں سے خطاب کروں گا اور انہیں ایسے لوگوں کے بارے میں متنبہ کروں گا جو ان کی خلافت ہتھیانے کے چکر میں ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جب یہ بات سنی تو عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ ہرگز ایسا نہ کیجئے گا!۔ کیونکہ یہ حج کا موقع ہے جس میں کم عقل، ہنگامہ پرداز اور عامۃ الناس بھی اکٹھے ہیں۔ اور جب آپ خطاب کیلئے کھڑے ہوئے تو یہ لوگ آپ کی مجلس پر حاوی رہیں گے، مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ آپ کوئی ایسی بات کہہ دیں جو صحیح طرح ان کو سمجھ نہ آئے اور یہ لوگ اسے لے اڑیں اور اسے اس کا صحیح مقام نہ دیں۔ لیکن آپ جب مدینہ منورہ تشریف لے جائیں تو وہ دار ہجرت وسنت ہے، وہاں آپ علماء اور اشراف کو جمع فرما کر جو کہنا چاہیں کہہ دیجئے گا وہ لوگ آپ کی بات سمجھ بھی لیں گے اور اسے اس کا جائز مقام بھی دیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ہاں: اگر میں مدینہ بخیر وعافیت پہنچ گیا تو یہ بات میں اپنے سب سے پہلے خطبے میں کہوں گا۔۔۔[1]

چوتھا اصول: اختلافی معاملات میں کسی کو اپنی رائے کا پابند مت بنائیں

شریعت کے کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ نص قرآنی ہوتی ہے نہ واضح حدیث اور نہ اجماع امت سے کوئی چیز ثابت ہوتی ہے۔ اہل علم اپنی ذہنی صلاحیت واستعداد کے مطابق اجتہاد کر کے مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ بطور تقلید ہر ایک کو اسی عالم کی رائے کا پابند بنانے کی

---

[1] مسند احمد حدیث 391. یہ واقعہ مختصر اصحیح بخاری میں بھی منقول ہے۔

کوشش کرتے ہیں یہ روش صحیح نہیں ۔ بلکہ ایسے امور میں وسعت ہے انسان جس مسئلہ کو اقرب الی الدیل سمجھے اس پرعمل پیرا ہوجائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا نزلت بالمسلم نازلة فإنّه يستفتي من اعتقد أنه يفتيه بشرع الله ورسوله من أي مذهب كان، ولا يجب على أحد من المسلمين تقليد شخص بعينه من العلماء في كل ما يقول، ولا يجب على أحد من المسلمين التزام مذهب شخص معين غير الرسول صلى الله عليه وسلم في كل ما يوجبه ويخبر به، بل كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولو فتح هذا الباب لوجب أن يعرض عن أمر الله ورسوله، ويبقى كل إمام في أتباعه بمنزلة النبي ﷺ في أمته وهذا تبديل للدين)[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی مسلمان کو کوئی مسئلہ درپیش آجائے تو وہ اس کا حکم کسی ایسے اس عالم دین سے دریافت کرلے جس کے بارے میں اسے گمان ہو کہ یہ عالم دین اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت سے ہی فتویٰ دے گا چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذھب سے ہو۔اور کسی بھی مسلمان کیلئے ہر مسئلہ میں کسی خاص عالم ومخصوص مذھب کی تقلید ضروری نہیں ۔ کسی بھی مسلمان کیلئے یہ روانہیں کہ وہ کسی خاص مذھب کو منتخب کرکے اس کی پیروی کرے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہو اور آپ ہی نے واجب قرار دیا ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے علاوہ ہر شخص کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور رد بھی کیا جاسکتا ہے ۔ اور اگر تقلیدِ رجال کا دروازہ کھول دیا گیا تو اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین سے اعراض کی صورت میں نکلے گا اور امت کا ہر امام، مقتدا اور

[1] مجموع فتاوى 20/208-216

پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر فائز ہو جائے گا جو کہ دین میں تبدیلی کے مترادف ہے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

" ليس لأحد أن يلزم أحداً بقبول قول غيره ولو كان حاكماً."[1]

''کسی کیلئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر کے قول کا کسی کو پابند بنائے چاہے وہ حاکم وقت ہی کیوں نہ ہو''

پانچواں اصول: رائے کے اظہار سے کسی کو نیچا دکھانا مقصود نہ ہو بلکہ مخلصانہ نصیحت مراد ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ". [2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے! ہم نے عرض کیا کہ کس چیز کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی''۔

اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث ان چند احادیث میں سے ہے جس پر فقہ کا مدار ہے۔

محمد بن اسلم الطوسی فرماتے ہیں یہ حدیث دین کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔

عامۃ المسلمین کو نصیحت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جس چیز کو خود ناپسند سمجھتا ہے اپنے بھائی کیلئے بھی اسے ناپسند سمجھے، ان سے شفقت کا برتاؤ کرے، چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام کرے۔ ان کی خوشی پر خوش ہو اور ان کے غم پر غمگین ہو، اگرچہ اس سے اسے دنیاوی معاملات میں کوئی گزند بھی پہنچے تو اپنے بھائی کی بھلائی کی خاطر اسے برداشت کرے۔

ابن علیہ ابو بکر المزنی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوقیت اور فضیلیت ملی وہ نماز، روزے کی وجہ

---

[1] فتاوى ابن تيمية (387/35)

[2] صحيح مسلم : كتاب الايمان ، باب بيان أن الدين النصيحة

سے نہیں ۔ بلکہ اس چیز سے ملی جوان کے دل میں جاگزیں تھی ۔ پھر فرمایا: ان کے دل میں اللہ کی محبت تھی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے نصیحت اور اچھی رہنمائی کا جذبہ تھا۔"[1]

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مومن پردہ پوشی کرتا ہے اور خیر خواہی اور نصیحت کرتا ہے۔ جبکہ فاجر پردہ دری، مذمت اور بے حرمتی کرتا ہے۔"[2]

چھٹا اصول: رائے کسی طرح بھی بری تشہیر لعن وطعن، بہتان اور گمراہی پر مبنی نہ ہو

اسلام کسی طرح بھی اظہار رائے میں کسی کی بری تشہیر، طعن، کسی کو گالی گلوچ، کسی پر بہتان درازی اور کسی کو گمراہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، کہ آزادئ رائے کو بنیاد بنا کر اس طرح کے کام انجام دیے جائیں۔

جبکہ ہمارے معاشرے میں جس رائے میں مذکورہ بالا معاملات نہ پائے جائیں اسے مؤثر ہی نہیں سمجھا جاتا۔ نام نہاد مناظرات سے لیکر ٹی وی کی اسکرین پر نمایاں ٹاک شو کے سیٹ (Set) پر براجماں اصحاب تک میں غالب اکثریت اس شرعی اصول کو پامال کرجاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

" لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلا اللَّعَّانِ وَلا الْفَاحِشِ وَلا الْبَذِيءِ "[3]

"مومن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے نہ لعن کرنے والا نہ فحش گوئی کرنے والا ہوتا ہے۔ نہ زبان درازی کرنے والا"۔

کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اظہار رائے کے نام پر فساد فی الارض کا مرتکب ٹھہرے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا﴾ [الإسراء: 53]

---

[1] جامع العلوم والحکم، ص 235

[2] جامع العلوم والحکم، ص 236

[3] جامع الترمذی: کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة

ترجمہ: اور (اے پیغمبر،) میرے (فرماں بردار) بندوں سے کہہ دو کہ (مخالفین سے کوئی بات بھی کہیں تو) ایسی کہیں کہ وہ (اخلاق کے اعتبار سے) بہترین ہو۔ کیونکہ شیطان (سخت بات کہلوا کر) لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

بلکہ اسلام نے بیشتر مقامات پر زبان کو کنٹرول رکھنے کا حکم دیا ہے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

" هَلْ يُكَبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي النَّارِ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ" [1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کو روک کر رکھو (معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم جو کچھ بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہمارا مؤاخذہ کیا جائے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (پیار سے ڈانٹتے ہوئے) فرمایا معاذ! تمہاری ماں تمہیں روئے، لوگوں کو ان کے چہروں کے بل جہنم میں ان کی دوسروں کے متعلق کہی ہوئی باتوں کے علاوہ بھی کوئی چیز اوندھا گرائے گی؟''

خلاصہ کلام

اسلام کا آزادئ اظہار رائے کا فلسفہ مغرب اور نظریہ استبداد (فرعونی فکر) سے بالکل مختلف ہے۔ اور عین عدل کے مطابق ہے۔ اسلام نے اظہار رائے کی آزادی دی ہے اور اس میں عین عدل کے تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اس کے ایسے ضوابط متعین فرمائے ہیں جن سے انسان کا ایمان بھی محفوظ رہتا ہے، معاشرہ بھی پرامن رہتا ہے، اور انسان شخصی نقصانات، باہمی کینہ، بغض وعداوت سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ حق کا متبع بنائے انہ ولی التوفیق

و صلى الله تعالى على نبينا محمد

[1] جامع الترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة

غیر اسلامی تہوار

شرعی میزان میں



ابوریان المدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی

انسانیت کی دنیا وآخرت میں کامیابی کا ضامن صرف دین اسلام ہے۔اوراس کی آفاقی تعلیمات کا محور منافع کا حصول اور مفاسد کا ازالہ ہے۔اسلام نے ان اسباب وذرائع کو اختیار کرنے کا حکم اور ترغیب دی ہے جس سے انسان کے دین، جان ومال یا اس کی عزت وآبرو اور سوچ وعقل محفوظ رہ سکے۔اسی طرح ان تمام نقصان دہ امور سے منع فرمایا ہے جو اس کے ایمان، جان ومال یا اس کی عزت وآبرو اور سوچ وعقل کو نقصان دیں۔اس سب کا اعلیٰ وارفع ترین ہدف اللہ رب العالمین کی رضا، اس کی خوشنودی اور اس کی لازوال نعمت اور فضل عظیم جنت کا حصول ہے جس کیلئے باری جل وعلا نے جن وانس کو پیدا کیا ہے،فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[الذاریات: 56]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''

چنانچہ دین اسلام کی تعلیمات میں کئی مقامات پر ان دو اصولوں کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، مثال کے طور پر شراب اور جوئے کی حرمت کی وجہ قرآن کریم میں اس انداز سے بیان ہوئی کہ یہ دشمنی، نفرت پھیلانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے بھی روکتے ہیں جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[المائدہ: 90]

''اے ایمان والو! یہ شراب اور یہ جوا یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں لہذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو''۔

نیز فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾[المائدہ: 91]

''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو''؟

کفار جو کہ اسلام اور اہل اسلام کے بدترین دشمن ہیں، وہ مقابلے میں اپنے باطل اور کفر پر مبنی دین کو اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد اور کوشش کر رہے ہیں جس میں رفتہ رفتہ شدت آتی جارہی ہے۔لہٰذا روز اول سے ہی شیطان اپنی پوری طاقت، زبردست وسائل اور منظم

گروہوں اور چیلوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ان کے دین اسلام، جسے قرآن کریم میں صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے تعبیر کیا گیا ہے، سے ہٹانے کے لیے مسلسل جدو جہد کرتا چلا آ رہا ہے اور تا قیامت بتقاضۂ ابتلاء بشریت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ قرآن کریم نے شیطان اور اس کے اختیار کئے جانے والے تمام ہتھکنڈوں اور اس کے دھوکے میں آئے ہوئے لوگوں، قوموں کی نشانیاں اور صفات وعلامات اور ان کا دنیا میں بھیانک انجام اور آخرت میں بدترین سزا کو بھی بیان کر دیا تا کہ ہدایت کے متلاشی عبرت پکڑ کر اُن کے راستے پر چلنے سے گریز کریں اور دنیا و آخرت کے خسارے اور تباہ کاریوں سے بچ جائیں۔ ایسے گروہوں واقوام کا قرآن کریم میں بالعموم کفار ومشرکین اور بالخصوص یہود ونصاریٰ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو بھی قرآن کریم نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک وہ ان کی ملت، دین، تہذیب و ثقافت کو نہ اپنا لیں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ [البقرة:120]

''اور یہود ونصاریٰ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک کبھی خوش نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگیں''

ان قوموں کی چالیں کتنی خطرناک ہیں اس کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کو پڑھنا لازم قرار دیا ہے اور یہ وہ سورت ہے جس کے اختتام پر ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کا تذکرہ ہے۔ صحیح حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' سے مراد یہودی اور ''اَلضَّآلِّيْن'' سے مراد عیسائی ہیں۔ اور ان ہی سے بچنے کی ہمیں تلقین کی گئی ہے کیونکہ یہ ہمیشہ اہل اسلام کیلئے شر ہی سوچتے ہیں خیر نہیں۔ اسلام اور مسلمان سے نسبت رکھنی والی ہر شے کا وجود ان کیلئے نا قابل برداشت ہے چاہے وہ قرآن کریم ہو یا دیگر شعائر اسلام جن میں حدود اللہ، شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بیت المقدس پر حملہ، یا حرمین کے حوالے سے ان کے خطرناک عزائم الغرض ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ [سورة آل عمران آیت 118]

''اور جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے''۔

کفار کی جنگ کا ایک اہم حصہ نظریاتی جنگ ہے جو وہ مسلمانوں سے مختلف محاذوں پر مختلف انداز

سے لڑ رہے ہیں۔جس کے ذریعے وہ ہمارے افکار، عقائد، دینی وثقافتی اقدار کو ٹارگٹ کر رہے ہیں۔ کفر کے نظریاتی ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار غیر اخلاقی تہوار ہیں جو اپنی تاثیر، فساد اور نقصانات و بگاڑ کے اعتبار سے مسلمانوں کو وہ نقصان دے رہے ہیں جو کہ شاید وہ عسکری جنگ کے ذریعے بھی نہ پہنچا سکے ہوں۔ماضی میں ان تہواروں کا دائرہ محدود ہونے اور پھر مسلمانوں کی دین پر استقامت اور غلبہ وقوت کے اعتبار سے امت مسلمہ پر ان کا اثر انتہائی قلیل اور کمزور تھا،مگر آج معاملہ برعکس ہوجانے کی وجہ سے اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

زیر نظر مضمون کفار کے غیر اسلامی تہواروں کی شرعی حیثیت، ان کے مفاسد واضرار اور امت مسلمہ پر اس کے اثرات اور ان کے نقصانات و مفاسد کو شرعی ومنطقی دلائل کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔

غیر اسلامی تہواروں کی حرمت کے اسباب

ذیل میں سب سے پہلے میں غیر اسلامی تہواروں کی حرمت کے ان اسباب کو بیان کیا جاتا ہے، جن کے پیشِ نظر ایسے تمام تہوار حرام قرار پاتے ہیں۔

پہلا سبب || ایمان کی حفاظت

سب سے بنیادی اور کلیدی وجہ جس کی بنا پر ان تہواروں کو منانا حرام ہے، وہ ایمان کی حفاظت ہے۔یعنی ایمان کے ضائع ہونے یا کھوجانے کے خدشے کی وجہ سے ان کفار کی نقالی اور ان کے تہوار منانے کو شریعت نے حرام قرار دیا۔لہٰذا بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسے تمام امور سے دور رہیں جو ہمیں ایمان سے دور اور کفر کے قریب کر دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[سورة المائدة : 5]

”اور جس نے بھی ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا، اس کا عمل برباد ہوگیا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے کفار کی راہ کا انتخاب تمام

اعمال کے ضائع ہونے اور آخرت میں خسارہ کا سبب بن سکتا ہے۔ایمان کی اللہ ارحم الراحمین کے ہاں کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے مگر ایمان سے محرومی (جو کہ سب سے بڑا فتنہ ہے) کو انسانی جان کے قتل سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت نمبر 217 میں ہے کہ

﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾

اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

کفار کی بھی سب بڑی خواہش، کوشش اور سازش یہی ہے کہ اہل ایمان کو اسلام سے کفر کی طرف لوٹا دیں اگرچہ اس کے لیے انہیں قتال وخونریزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾[البقرۃ :217]

''اور یہ لوگ تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے۔حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں''

اس آیت میں کفار کی مسلمانوں کے بارے میں گھناؤنی سوچ کی قلعی کھولی گئی ہے کہ جو قوم اگر طاقت رکھے تو ہمیں اسلام سے کفر کی طرف پھیرنے کے لیے جنگ وقتال سے بھی گریز نہ کرے جس کے مظاہر دنیا بھر میں دیکھے بھی جا رہے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ جس چیز پر عالمی طور پر توجہ دی گئی وہ اپنے بے ہودہ وفرسودہ تہواروں کو مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ مسلم امت اپنی دینی غیرت وحمیت سے یکسر محروم ہو جائے۔اور ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر محاذ پر پوری قوت، بھرپور طاقت کے ساتھ انتہائی منظم ومربوط پلاننگ کے ساتھ کفر وشرک، الحاد و لادینیت، اباحیت اور نفس پرستی جیسے فتنوں کو مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔اور مسلمان قوم اس دلدل میں اس قدر پھنستی چلی جا رہی ہے کہ سال کے 365 دنوں میں سے شاید ہی کوئی دن ہو کہ جس دن کسی نہ کسی نام پر کوئی نہ کوئی تہوار یا یادگار دن نہ منائی جائے!حتیٰ کہ بعض مرتبہ ایک دن میں دو دو تہوار منائے جاتے ہیں اور اس کے لیے کھیل وتفریح، سیاحت وثقافت، کلچر وآرٹ، فلاحی اور سماجی سرگرمیوں کے نام پر ہر تہوار کو ترقی وروشن خیالی، جدت وضرورت، حقوق سے آگہی وشعور کے خوشنما الفاظ اور فحاشی و موسیقی کے پرکشش انداز میں منایا جاتا ہے اور اس کی ترویج میں میڈیا بھی خوب حصہ ڈالتا ہے۔جس کا

لازمی نتیجہ یہ نظر آرہا ہے کہ آج کا نام نہاد مسلمان اپنے دین سے دور بلکہ باغی ہوتا جارہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل کفر کے تہوار منانا مسلمان کے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لئے شریعت نے انہیں ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

دوسرا سبب || غیر مسلموں کے تہوار منانا اسلام کے عقیدہ ''الولاء والبراء'' کے منافی ہے

ولاء اور براء سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کسی سے محبت، دوستی اور رشتہ داری کے تعلقات استوار کریں۔اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی دشمنی قائم کریں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[المجادلہ:22]

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔آپ کبھی انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی لگائیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی یا کنبہ والے ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعہ انہیں قوت بخشی ہے۔اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی اللہ کی جماعت ہے۔سن لو! اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدۃ: 57)

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے اور کافروں میں سے ایسے لوگوں کو دوست نہ بناؤ، جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق بنا رکھا ہے اور اگر تم

مومن ہوتو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

یہاں اللہ تعالی نے کفار سے دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور آخر میں اس عمل کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے اور ایمان کا حصہ بتلایا۔لہٰذا کفار کے تہوار منانا جہاں کفار سے مداہنت (نرم رویہ) کو جنم دیتی ہے وہاں یہ کفار سے دلی محبت کے ساتھ ان سے دوستی کی طرف لے جانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے جو کہ عقیدہ الولاء والبراء کے منافی ہے اور اگر یہ دوستی حدود و قیود سے آزاد کر دی جائے تو پھر یہ ایک مسلمان کو اسلام سے کفر کی طرف لے کر جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾[النساء: 89]

''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ویسے ہی کافر ہوجاؤ جیسے وہ خود ہوئے ہیں تا کہ سب برابر ہوجائیں۔لہٰذا ان میں سے کسی کو آپ دوست نہ بناؤ تا آنکہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آجائیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو جہاں انہیں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو۔اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست یا مددگار نہ بناؤ''

اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کافروں کے ساتھ میل جول اور ان کی نقالی، ان سے دوستی کا تصور اور ان کی عادات ورسومات کی تقلید کا تصور تو وہاں آتا ہے جہاں آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی (دلی چاہت) موجود ہو جبکہ مومن کی دوستی اور قلبی محبت کے مستحق صرف اور صرف مومنین ہی ہوسکتے ہیں۔جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَھُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾[المائدہ: 55]

''(اے ایمان والو!) تمہارے دوست صرف اللہ، اس کا رسول اور ایمان لانے والے ہیں جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں''

تیسرا سبب || غیر اسلامی تہواروں میں شرکت نفس پرستی، خواہش پرستی کا عنصر پیدا کرتی ہے

ان تہواروں میں ایک خرابی یہ ہے کہ ان میں مشغولیت سے نفس پرستی، خواہش پرستی کا عنصر انسان

میں بڑھتا جاتا ہے جس سے شریعت نے روکا ہے کیونکہ خواہش پرستی رفتہ رفتہ دین سے دوری کا سبب بن جاتی ہے۔شریعت کے مقابلہ میں نفس کی پیروی کرنا ایسی خطرناک بیماری ہے کہ یہ انسان کو نہ صرف دین سے دور کر دیتی ہے بلکہ بعض حالات میں ضعف اعتقاد،علم اور عمل کے اعتبار سے کمزور شخص کو بے حس و بے خوف کر دیتی ہے اور ایسے شخص سے حرام وحلال، جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور وہ بظاہر نام کا مسلمان رہ جاتا ہے جبکہ حقیقت میں خواہشات کا پجاری بن چکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو الہ (معبود) کا درجہ و مقام دیا ہوا ہے جیسا کہ سورۃ الجاثیہ آیت نمبر 23 میں اللہ ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ﴾

''بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو الٰہ بنا رکھا ہے''

نبی کریم ﷺ نے آخری زمانہ کے حوالے سے پیش گوئی کی ایک کیفیت یوں بیان فرمائی کہ لوگوں میں حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جائے گی چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

'' لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ، يَسْتَحِلُّونَ الحِرَ وَالحَرِيرَ، وَالخَمْرَ وَالمَعَازِفَ '' [1]

میری امت کے کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال کر لیں گے۔

بہر حال ان خواہش پرست کفار کی چاہت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو بھی اسی آگ کا ایندھن بنا دیں جس میں وہ جلیں گے (اعاذنا الله منها) جیسا کہ سورۃ نساء آیت نمبر 27 میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾

اور جو لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے ہٹ کر دور تک چلے جاؤ۔

شہوات کی پیروی کرنے والے جس جال میں مسلمانوں کو الجھا کر ان کے دین وایمان کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں وہ جال تہواروں ورسومات کا جال ہے (اعاذنا الله منه)

---

[1] صحيح البخاري :كتاب الاشربه

چوتھا سبب || اسلام گناہوں کی درجہ بندی میں علانیہ گناہوں کو برائیوں کی بدترین صورت سمجھتا ہے

اسلام جس طرح نیکیوں کی ادئیگی کی چند کیفیات اورصورتوں میں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ مثال کے طورنماز جسے اگرکوئی شخص پہلے وقت میں ادا کرنے کے ساتھ اگرانفرادی طور پرادا کرے گاتواس کا اجراس نماز سے کم ہوگا جواس نے باجماعت ادا کی ہوگی جیسا کہ کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"فَضْلُ صَلاَةِ الجَماعة عَلَى صَلاَةِ الوَاحِدِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً" [1]

اکیلے نماز ادا کرنے کے مقابلہ میں باجماعت نماز ادا کرنا پچیس درجے افضل ہے۔

اس میں جوحکمت پوشیدہ نظرآتی ہے وہ یہ کہ اجتماعی شکل میں اللہ کے ہاں عاجزی وانکساری کے اظہار سے ایک روح پرور ماحول اورفضا پیدا ہوتی ہے وہیں دیگرلوگوں کوبھی اس سے نیکیوں کی ترغیب بھی ملتی ہے۔اسی طرح بدی کی سزا یا گناہ کی قباحت بھی اس کے مرتبہ اور کیفیت اور معاشرہ پراس کے اثرات کے اعتبار سے ہے یعنی اگر گناہ انفرادی طور پر یا محدود پیمانے اور مخفی انداز میں ہے تو بعض مرتبہ ایسے گناہ پرسزا کے ہونے والے اثرات کم ہونے کی وجہ سے صرف ترہیب دی جاتی ہے۔ اگر گناہ اپنے ذاتی اور صفاتی اعتبار سے اجتماعی اور وسیع پیمانے اورفخریہ اوراعلانیہ ہونے کے ساتھ دوسری برائیوں کی ترویج اور حوصلہ افزائی اور پھر مزید برائیوں اور منکرات کا سبب بھی ہوتو شریعت اس گناہ پر نہ صرف اس کی سخت سزا دیتی ہے (چاہے وہ جسمانی اعتبار سے ہو یا آفات و بلاؤں کی شکل یا پھر دنیامیں اس شخص کی نیکیاں ضائع اورآخرت میں جہنم کے عذاب کی وعید ملے) بلکہ اس گناہ کی طرف لے جانے والے اسباب وذرائع سے بھی روکتی اور حوصلہ شکنی کرتی ہے، مثال کے طور پر زنا جیسا قبیح وشنیع فعل شریعت نے اس کوحرام کرنے کے ساتھ اس کے ممکنہ اسباب اور مقدمات (یعنی اس کی طرف لے جانے والے اعمال) کوبھی حرام کردیا، جیسے غیرمحرم عورتوں کی طرف دیکھنا یاان کے ساتھ خلوت اختیار کرنا وغیرہ۔اسی لیے قرآن کریم میں زنا کے قریب لے جانے والے اعمال چاہے وہ ظاہری ہوں یا مخفی ان سے ہمیں روک دیا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام آیت: 151 میں ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾

---

[1] صحيح البخاري :كتاب التفسير، باب قوله ان قران الفجر كان مشهودا

”اور یہ کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ یہ کھلی ہوں یا چھپی ہوں“

کفار کے یہ غیر اسلامی اور غیر اخلاقی تہوار بھی کئی ایک برائیوں اور فساد کا سبب ہیں، اس لیے شریعت نے ہمیں ان کی نقالی اور تشبیہہ سے روکا ہے کہ یہ جہاں اجتماعی برائیوں کا فخریہ اور اعلانیہ اظہار ہیں وہاں یہ دوسری برائیوں، منکرات کو قوت دینے اور معاشرے پر اثر انداز ہونے کے مواقع پیدا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

پانچواں سبب || غیر اسلامی تہواروں کو اپنانا ذہنی غلامی کا اعتراف ہے

کسی بھی ظالم قوم یا ملک وریاست کی دوسرے ملک پر جارحیت کی ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں بسنے والی قوم کو ذہنی وجسمانی اعتبار سے غلام بنا دیا جائے تاکہ اس ملک اور اس کے وسائل سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اور کوئی بھی غیرت مند قوم یہ نہیں چاہے گی کہ وہ ذہنی یا جسمانی طور پر محکوم ہوں۔ اسی طرح مسلمان قوم کی دینی واسلامی غیرت وحمیت کا تقاضہ ہے کہ ہم کسی طور دوسری اقوام کی محکومیت نہ ہی جسمانی طور پر قبول کریں اور نہ ہی ان کی تہذیب یا تہواروں کو اختیار کرکے ذہنی محکومیت قبول کریں۔ اصل غلامی ذہنی غلامی ہے، یہی دراصل پھر انسان کو جسمانی غلامی پر آمادہ اور قائل کرلیتی ہے آج اس ذہنی غلامی ہی کے اثرات ونقصانات ہیں کہ ہمارا سسٹم، روایات، عادات ہمارا انداز، ہمارا لباس سب کفار کی تقلید کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

لہٰذا اسلام کی ان تہواروں کو منانے سے روکنے کی اہم اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس قبیح، مذموم تہواروں کی آڑ میں یہ ہمیں جسمانی غلام تو نہیں بنا سکتے مگر وہ اس کے ذریعے ہمیں متاثر کرکے ذہنی غلام بنانا چاہتے ہیں جو کہ جسمانی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اسی ذہنی غلامی کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ پر یہود ونصاری کی طرف سے مسلط ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ»، قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ: اليَهُودَ، وَالنَّصَارَى قَالَ :فَمَن [1]

”تم لوگ ضرور اپنے سے پہلی امتوں نقش قدم پر چلو گے (یہاں تک کہ) اگر وہ دو ہاتھ چلیں گے

[1] صحيح البخاري

توتم بھی دو ہاتھ چلو گے وہ ایک ہاتھ چلیں گے توتم بھی ایک ہاتھ چلو گے وہ ایک بالشت چلیں گے توتم بھی ایک بالشت چلو گے حتی کہ اگر وگوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے توتم بھی داخل ہو گے، صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود ونصاری ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اور کون!؟۔''

کفار کے پے در پے فکری حملے مسلمانوں کو ذہنی اپاہج کرنے کیلئے ہی کئے جارہے ہیں اور یہ غیر اسلامی تہوار ہمارے معاشرے کی سوچ کو بالعموم اور اسلامی تعلیمات و اقدار اور تہذیب سے ناآشنا قوم کے نوجوان لڑکوں اورلڑکیوں کے ذہنوں کو کتنا آلودہ اور پراگندہ کررہے ہیں۔اور کس قدر ان کے خیالات اورافکار کفار ومشرکین کے تہواروں کے اسیر اور ذہنی غلامی قبول کر کے انتہائی سطحی اور محدود ہونے کے ساتھ منفی ہو چکے ہیں کہ کوئی بھی عمل چاہے اس کا تعلق اسلام کے عقائد وایمانیات کے ساتھ کیوں نہ ہو، یا وہ کوئی اہم واجب اور حقوق کی ادائیگی ہو یا اخلاق اور شرم وحیا سے اس کا مضبوط اور گہرا تعلق بھی ہومگر اس کے چھوڑنے یا چھوٹ جانے سے چاہے اس کی بنیاد کچھ بھی ہو ان کے ہاں کوئی معنی اور اہمیت نہیں رکھتا مگر اس کے برعکس کفار کی عادات اور روایات ،تہوار اور رسومات ہمارے خوشی کے مظاہرے یا غم کے مواقع پر بھی چھوٹ جائے تو اسے یہ نادان طبقہ اپنی جہالت اور پسماندگی کے ساتھ اسے اپنے لیے شرمندگی اور عار بھی تصور کرتا ہے۔

یہ کیسی دردمندانہ بات ہے کہ ہم اپنی معاشرتی زندگی میں کفار کے عمل سے اس قدر متاثر ہو چکے ہیں کہ ان کی فرسودہ ، گھٹیا اور چھوٹے پن کی علامت کسی حرکت وانداز کو چاہے وہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو اسے کرنا کوئی معرکہ گردانتے ہیں، اور اسلام کی اعلی اقدار، بلند سوچ اور وسیع نظری کی حامل کوئی ایمان کی علامت پر مبنی اصولی بات یا ضروری عمل جو نفع اور مصلحت کے اعتبار اجتماعی فائدہ ہی کیوں نہ دیتی ہو ہم اسے غیر ضروری اور معمولی گردانتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں! نتیجتاً کفار کے کلچر کی نقالی اور تہواروں اور رسومات کی تقلید کے بغیر آج ہمیں ہمارا نظام فرسودہ، تعلیم غیر معیاری، نصاب ادھورا، کھیل وتفریح بے مزہ ،شادیاں سادہ و بے رونق ،لباس بے ڈھنگ انداز غیر سنجیدہ، افکار وخیالات پسماندہ غرض کہ ہر چیز اور عمل جو کفار ومشرکین بالخصوص ہندوانہ عادات، روایات اور رسومات کے لایعنی و بے فائدہ و بے قاعدہ امتزاج اختلاط کے بغیر ہو ادھورا و ناقص اور بے رنگ نظر آتا ہے۔ یہاں اس کی ایک مثال انگریزی زبان کی لے سکتے ہیں کہ ہم اپنی مادری زبان کے بعد اگر کسی زبان کو ترجیحی بنیادوں

پر سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ عربی زبان نہیں بلکہ انگریزی ہوتی ہے۔ آخر کیوں؟ ایسا فرق اور بحران کس لیے؟ ہمارے معاشرے کی ایک بزرگ تربیت یافتہ، دیندار، متحرک اور ذمہ دار شخص جو بچپن سے ہی اچھے ماحول سے وابستہ ہو وہ اور ایسا شخص جو قرآن کریم کا دس فیصد ترجمہ اور عربی زبان کا دسواں حصہ بھی نہ جانتا ہوگا خود کو برتر و بہتر سمجھے گا اور معاشرہ بھی اسے کوالیفائیڈ تصور کرے گا۔ یہ سب مغرب کے بوسیدہ و ناکارہ معاشرے کا اثر ہے جو ہماری ثقافت میں نظر آتا ہے؟

اہل کفر کی ثقافت کے پھیلاؤ کا بنیادی سبب انڈین اور مغربی فلمیں ڈرامے اور ان کے کلچر کی ہمارے ہر چوراہے پر موجودگی ہے۔

بہر حال غیر مسلم اقوام کی تمام اقسام کی محکومیت و غلامی سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ اللہ کی توحید اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

مختصراً یہ کہ یہی وہ مفاسد اور محرومیاں اور فکری عمل کی زوال پذیری، ذہنی و فکری غلامی، منفی سوچ اور جمود وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے ایسے اعمال کو ناجائز قرار دیا ہے۔

غیر مسلموں کے مختلف تہواروں کے مفاسد کا جائزہ

بعون اللہ و توفیقہ غیر اسلامی تہواروں کو منانے اور اپنانے سے ممانعت کے اسباب اور اس کے مفاسد و اثرات کے بعد اب ہم ان تہواروں کے شرعی و اخلاقی مفاسد و اضرار کو ان شاء اللہ دلائل شرعیہ اور عقلیہ کے ذریعے ثابت کریں گے ویسے تو کفار و مشرکین کے تہواروں کی کثرت کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ شاید ان کی تعداد سال کے تین سو پینسٹھ دنوں سے بھی زیادہ ہو، مگر ہم صرف چار تہواروں کو بطور مثال کے ذکر کریں گے۔ یہ وہ تہوار ہیں جو کہ امت مسلمہ کے بالعموم اور ہمارے پاکستانی اور معاشرے کا بالخصوص نہ صرف حصہ بنتے جا رہے ہیں بلکہ اس میں مضر و منفی اثرات اور نقصانات دیگر تہواروں کے مقابلے میں کافی زیادہ ہیں، ان تہواروں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

ویلنٹائن ڈے

یہ ایک ایسا تہوار ہے کہ جس دن نوجوان لڑکے، لڑکیاں ایک دوسرے کو محبت کے پیغام دیتے ہیں اور تحائف کا تبادلہ کیا جاتا ہے، رقص و سرور کی محفلیں قائم کی جاتی ہیں، جو کہ سراسر مغرب سے مسلمان اقوام کی طرف منتقل ہوا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کے نام پر فحاشی و عریانی اور آوارگی کی آگ کو ایندھن

فراہم کرنے والی یہ گھٹیا رسم اور تہوار منانے والی قوم کی اولادیں دوسروں کو کیا محبت کا پیغام دیں گی جو حقیقی طور پر خود اس سے محروم ہوں۔ ایک نامعلوم باپ کے تصور کے ساتھ جنم لینے والی قوم کے یہ افراد جانوروں سے تو محبت کریں اور انہیں ہر دم اپنے ساتھ رکھیں لیکن اپنے والدین کو بڑھاپے میں اولڈ ہوم میں لاوارث چھوڑنے والے حقیقی پیار و محبت کے اصولوں سے نا آشنا، محروم تکلفات اور مصنوعیت کا شکار یہ اجنبی مرد و عورت سال میں ایک مرتبہ جس غیر اسلامی، غیر فطری، غیر اخلاقی اور شرم وحیا سے عاری تہوار کو مناتے ہیں، اسے ویلنٹائن ڈے کہتے ہیں۔

ویلنٹائن ڈے کی تاریخی حیثیت

اس قبیح و مذموم تہوار کہ جس نے مغربی معاشرے کی فحش و انتہائی بدنام تہذیب کی کوکھ سے جنم لیا، ہر سال فروری کے مہینے کی چودہ تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ جس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نامی رومی پادری کو ایک راہبہ سے عشق ہوگیا اور عیسائی روایات کے مطابق راہبوں اور راہبات کا آپس میں نکاح ممنوع تھا اور اس عشق کے نشے میں مدہوش راہب نے اپنی اخلاقی حد سے تجاوز کرتے ہوئے راہبہ کو اپنی جنسی خواہشات کے جال میں پھنسانے کے لیے ایک من گھڑت اور جھوٹی کہانی کچھ یوں سنائی کہ اسے خواب میں بتایا گیا ہے کہ چودہ فروری کا دن ایسا ہے کہ اگر اس میں کوئی راہب اور راہبہ بغیر نکاح کے آپس میں جنسی تعلقات استوار کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں، راہبہ نے اس پر یقین کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنا منہ کالا کرلیا۔[1]

اس خود ساختہ محبت پر مبنی تہوار مرد و عورت کے جنسی جذبات اور خواہشات کو برانگیختہ کرنے والے لوازمات اور ناپاک جنسی عزائم و بے ہودہ خیالات کے تصورات کے ساتھ اس قبیح مظہر/قبیح عمل کو بظاہر آپس میں پھولوں کے تبادلہ کی آڑ میں منایا جاتا ہے۔

ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت

ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت اور اس کی مزید برائیوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

1- سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے منانے میں کفار سے تشبیہ اور ان کی تقلید ہے جو کہ شرعاً

[1] بحوالہ: غیر اسلامی تہوار بے حیائی کا بازار، صفحہ: 37

ممنوع اور حرام ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ "[1]

''جس نے کسی قوم سے مشابہت کی تو وہ ان میں سے ہے''

2۔اس تہوار کو منانا حیا کے منافی ہے اور یہ ایمان کے لیے بھی خطرہ ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ " [2]

''حیا ایمان کا حصہ ہے''

بہرحال انسان کو برائیوں، منکرات، بے حیائی اور اخلاق رذیلہ سے روکنے والی رکاوٹ اور حد فاصل، مضبوط آہنی دیوار، صفتِ حیا ہی ہے۔جس کے کھو جانے کے بعد انسان سیئات ومنکرات بالخصوص اخلاقی برائیوں کا مرتکب ہوجاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ " [3]

''جب تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو''

3۔اس تہوار کی تیسری قباحت یہ ہے کہ جہاں ایک طرف اس کے منانے سے فحاشی وعریانی، جنسی آوارگی کا خود ایک مظہر ہے تو دوسری طرف یہ قبیح و مذموم صفت زنا جیسے گھناؤنے فعل کی طرف لے جانے کا ایک بہت بڑا سبب بھی ہے قرآن کریم میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾(الانعام:151)

''اور یہ کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ یہ کھلی ہوں یا چھپی ہوں''

اور اسی طرح وہ لوگ جو ایک طرف اس تہوار کو اگرچہ نہ بھی مناتے ہوں مگر وہ اس کی ترویج وانتشار کا معاشرے میں بالخصوص اگر ایمان والوں میں فحاشی کا سبب بن رہے ہوں اور وہ اس کو پسند بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے نہ صرف آخرت بلکہ دنیا میں بھی عذاب ہے جیسا کہ سورۃ النور کی

---

[1] سنن أبي داود:كتاب اللباس ,باب في لباس الشهرة

[2] سنن النسائي:كتاب الايمان وشراعه با ب ذكر شعب الايمان

[3] مسند أبي داود الطيالسي2/ 15

آیت:19 میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

''جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ اور (اس کے نتائج کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

4- اس تہوار کے منانے میں فضول خرچی اور مال مصرف کا ناجائز اور غلط استعمال ہے کیونکہ اس تہوار کو منانے والے بعض اوقات بہت سے مالی حقوق جو کہ ان کے اہل خانہ کی طرف سے ان پر واجب الاداء ہوتے ہیں اس مد سے ضروری رقم کو اس مذموم تہوار کے لوازمات وتقاریب اور تحائف و دیگر غیر ضروری اشیاء پر ضائع کر دیتے ہیں اور ایسی فضول خرچی سے اسلام نے ہمیں سختی سے روکا ہے اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ (بنی اسرائیل:27)

''کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے۔''

اور اس مال کے تصرف اور استعمال کے بارے میں قیامت کے روز سوال کیا جائے گا۔

بسنت

دوسرا تہوار بسنت کا ہے جو ہمارے معاشرے میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا چلا جارہا ہے یہ وہ ہندوانہ تہوار ہے جو کہ ہر عیسوی سال کے فروری کے مہینے میں گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں پتنگ بازی کر کے منایا جاتا ہے جو کہ اس تہوار کی اصل بنیاد ہے اگرچہ منانے والوں کی اکثریت شاید اس حقیقت سے واقف نہ ہو۔

اسلامی اقدار کی دھجیاں بکھیرنے والا ہندوانہ کلچر اور روایات کا حامل یہ تہوار دراصل ہندوستان کا ہتھیار بھی ہے، سب سے زیادہ جانی نقصان اسی تہوار سے ہی ہمارے معاشرے کو پہنچتا ہے، جو ہمارے خلاف اس کی یک طرفہ جنگ میں استعمال ہو رہا ہے، جس میں پتنگ بازی ہلڑ بازی، بے پناہ فائرنگ، کانوں کے پردے پھاڑ میوزک، شراب وکباب اور رقص وسرور کی محفلیں اس مذموم تہوار کا

لازمی حصہ اور جزء لاینفک تصور کی جاتی ہیں۔

تاریخی حیثیت

تاریخی پس منظر کے اعتبار سے ایک کثیر الاشاعت روزنامے کی رپورٹ کے مطابق دوسو برس قبل لاہور کے ایک ہندو طالب نے رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی جرأت کرتے ہوئے دشنام طرازی کی، چنانچہ جرم ثابت ہونے پر مغلیہ دور کے قاضی نے اسے موت کی سزا سنائی چونکہ اس نے خود بھی اقرار جرم کرلیا تھا تو فیصلہ پر عمل درآمد کے نتیجے میں اسے پھانسی پر چڑھایا گیا اور ہندوؤں نے اس واقعہ کو ایک یادگار کے طور پر بسنت کا نام دے کر پتنگ بازی کے تہوار اور رسم سے منسوب کردیا۔[1]

ایسا گستاخانہ واقعہ اور قبیح پس منظر رکھنے والی یہ ہندوانہ فضول رسم ایک ایسی مخرب الاخلاق عادت ہے جو پتنگ اڑانے کے ساتھ اس محفل میں شریک لوگوں کی عقل اور شرم و حیا کو بھی اڑا دیتی ہے بلکہ نشہ کی مانند اس تماشے کے لیے غربت اور مہنگائی کی چکی میں پسی اور بحران زدہ معیشت کے بوجھ تلے دبی ہوئی اس قوم کے کروڑوں روپے اس تہوار کی جلتی بھٹی میں پھونک دیئے جاتے ہیں۔

شرعی حیثیت

جہاں تک کہ اس کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اسے منانا قطعی طور پر جائز نہیں بلکہ حرام اور ایک خطرناک ترین عمل ہے کیونکہ ایک طرف یہ خالصتاً ہندوانہ رسم ہے اور مشرکین کا شعار ہے اور کفار و مشرکین کے رسم و رواج کی مشابہت اسلام میں حرام ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

﴿وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾[2]

''اور جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے''

نیز دوسری طرف رسالت مآب ﷺ کی شان میں ایک گستاخانہ واقعہ کا پس منظر بھی رکھتی ہے۔ اس کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ یہ غیروں کا تہوار ہے لیکن گستاخی کی اس

---

[1] بحوالہ روزنامہ نوائے وقت 4 فروری 1994

[2] سنن ابی داود :کتاب اللباس، باب فی لباس الشھرۃ

نسبت نے اس کے خبث میں اور اضافہ کر دیا ہے، ایک مسلمان کے لیے اس تہوار کو منانا انتہائی قابل نفرت اور نا قابل تصور ہونا چاہیے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کچھ نام نہاد دانشور، مفکر، سیاست دان اور فنکار اس کو بھی تفریح کا نام دیتے ہیں اور کبھی اسے موسم سے منسوب کرنے کی کوشش لا حاصل کرتے نظر آتے ہیں جبکہ اس ہندوانہ رسم وتہوار ''بسنت'' کو دنیا کی واحد ہندوازم کی علمبردار ریاست ہندوستان کے اسکولوں کے نصاب میں بطور کہانی کے شامل کیا گیا ہے اور پھر کیوں کر اس تہوار کو مسلمان ہونے کے ناطے منایا جاسکتا ہے؟

اور پھر جس قوم اور ملک کی طرف یہ تہوار منسوب ہے اس کی تاریخ صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف جنگ ان کی نسل کشی، سازشوں، ظلم و زیادتی اور تباہی و بربادی بالخصوص قرآن کریم، شعائر اسلام اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی جیسے واقعات سے بھری پڑی ہے بلکہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، کشمیر پر غاصبانہ قبضہ اور ناجائز تسلط اور وہاں کے لوگوں کے جان ومال عزت وآبرو کا لٹیرا دشمن پاکستان سے ایک سے زائد جنگیں لڑنے والا ہمارے وجود کے خاتمے کے درپے اور بے چین عیار ومکار ہندو ہمیں زمین سے لگائے اور ہم اس کا پھریرا (پتنگ) ہوا میں اڑا کر اس کا گھٹیا تہوار منائیں۔۔۔؟ کشمیر و پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں کھلا کھلم خطرناک و ناپاک عزائم رکھنے والا ہمارے خلاف اپنی دولت کو فوجی طاقت میں اضافے اور ہمارے خلاف جنگی مہم جوئی میں خرچ کرے اور فکری شر پسند عناصر ہمیں اپنی دولت کو ان کے تہواروں میں صرف وخرچ کرنے کی باتیں کریں۔

دوسری قباحت: قیمتی جانوں کا ضیاع

بسنت کی ایک خطرناک خرابی و برائی جو کہ اسے دوسرے تہواروں ورسموں سے منفرد رکھتی ہے وہ یہ کہ ہر سال سب سے زیادہ جانی نقصان بسنت کے منانے سے ہوتا ہے اور بلامبالغہ بیسیوں افراد پتنگ کی ڈوروں، بجلی کی گری و ٹوٹی تاروں کے کرنٹ لگنے، چھتوں سے گرنے پتنگیں لوٹتے ہوئے گاڑیوں سے ٹکرانے، ٹھوکر لگنے اور دیگر وجوہات کی بنا پر ہلاک وزخمی ہوجاتے ہیں۔ لہذا یہ تہوار ہندوانہ وکافرانہ ہونے کے ساتھ ظالمانہ، مجرمانہ، وحشیانہ اور سفاکانہ بھی ہے جس کے منانے سے انسان اپنی اور دوسروں کی جانوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہلاکت میں دھکیلتا ہے جبکہ اللہ

ارحم الراحمین کا فرمان مبارک ہے کہ:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾[البقرة آیت 195]

اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

تیسری قباحت: مسلمانوں اور پڑوسیوں کو ایذاء وتکلیف دینا

ایک اچھے مومن مسلمان کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ ہر ایسے عمل سے دور بھی رہتا ہے کہ جس پر چلنے سے اس کے کسی مسلمان بھائی بالخصوص پڑوسی کو کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ''

حقیقی مسلمان (تو) وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

مگر بسنت کا یہ تخریبی تہوار ان اخلاقی اصولوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے شور شرابہ، بدتمیز میوزک، بجلی کے فیڈر کا بار بار ٹرپ ہونا، سب سے بڑھ کر کسی کی جان کو پتنگ کی ڈوروں سے خطرے میں ڈالنا، راستہ بند کرنا، گھر میں مریضوں، بچوں کو پریشان کرنا اور بہت کچھ مفاسد بلا واسطہ یا بالواسطہ اس بسنت کے تہوار کے نتائج ہوتے ہیں، جو اس علاقے میں رہنے والے مکینوں کو اذیت کی صورت میں سہنے پڑتے ہیں۔ان نقصانات کی موجودگی میں اس تہوار کو منانا کسی بھی طرح جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور نہ ہی یہ کھیل وتفریح کی اس طرح کوئی صورت بنتی ہے۔

چوتھی قباحت: اموال واسباب کا ضیاع

اس تہوار کے منانے سے مالی اعتبار سے اپنے آپ اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کے ساتھ قومی اداروں کی املاک (جو کہ قوم کی مشترکہ ملکیت ہوتی ہے) کی تخریب وضیاع کا سبب بھی بنتی ہے، مثال کے طور پر بسنت پر لائٹنگ کر کے بجلی کا غیر ضروری استعمال کرنا یا چوری کی بجلی سے برقی آلات روشن کرنا پھر پتنگ بازی کے نتیجے میں بجلی کے فیڈروں کا ٹرپ ہونا اور پھر رونما ہونے والے حادثات جو بجلی کی تاروں پتنگوں کو لوٹنے اور ڈوریوں کے پھرنے سے یا سے اڑانے سے پیش آتے ہیں ان جانی و مالی نقصان کی تلافی کے لیے خرچ کی جانے والی رقم جو کہ کروڑوں میں بنتی ہے یہ ہماری انفرادی و اجتماعی آمدنی اور ملکی خزانے اور معیشت پر منفی اثر پہنچانے کے ساتھ کفران نعمت بھی ہے جس کی سزا

ہمیں مہنگائی، غربت، بے برکتی، آفتوں اور بحرانوں، دشمنوں کے خوف کی صورت میں مل رہی ہے اللہ رب العالمین کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ایمان اور پھر امن و عافیت، صحت و دولت آزادی و خود مختاری ان سب کی یہ ناشکری اور نا قدردانی ہی ہے کہ جسے ہم بسنت اور اس جیسے تہوار رسومات منا کر اس کا اظہار کر رہے ہیں لگتا ہے ہمارا حشر بھی (نعوذ باللہ) گزشتہ ان اقوام جیسا نہ ہو جن کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں بیان ہوا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جو امن و چین سے رہتی تھی اور ہر طرف سے اس کا رزق اسے بفراغت پہنچ رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کا مزا یہ چکھایا کہ ان پر بھوک اور خوف (کا عذاب) مسلط کر دیا'' [النحل:112]

بسنتی تہوار کی شرعی حیثیت، دلائل واقعات کے تجزیئے کے بعد بالکل واضح ہوگئی کہ یہ منافع اور دینی مصلحتوں کے اعتبار سے معصیت اور فساد کی علامت ہے لہذا اس کا منانا ناجائز اور غلط ہے۔

ہیپی نیو ائیر: نئے سال کی مبارکباد

اس عالم میں بسنے والے تمام لوگ اپنی جنس کے اعتبار سے بشر اور انسان ہیں مگر دین اور مذہب کے اعتبار سے اپنی الگ الگ پہچان اور شناخت رکھتے ہیں اور ان کے نظام زندگی کے لیے وضع کیے گئے قوانین وضوابط اور طریقہ کار جداگانہ اور مختلف ہیں لیکن ان سب نظاموں میں سب سے بہتر کامیاب، معتدل و جامع اور کائناتی وفطری تقاضوں کے عین مطابق اور مناسب نظام دین اسلام کا ہے جو اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ حیات دیتا ہے اور اسلامی نظام کی شقیں اور اجزاء دیگر نظاموں کی شقوں پر امتیازی وانفرادی خصوصیت اور برتری بھی رکھتی ہیں ان میں سے ایک نظام الاوقات بھی ہے جو اپنے دنوں مہینوں اور سالوں کے اعتبار سے نہ صرف منفرد ہے بلکہ اپنی تاریخ کے اعتبار سے سب سے قدیم اور اول بھی ہے اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ

كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[التوبة آیت 36]

’’جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس دن سے اللہ کے نوشتہ کے مطابق اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہی ہے، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی مستقل ضابطہ ہے۔لہذا ان مہینوں میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کرلڑو، جیسے وہ تم سے مل کرلڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔‘‘

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایک طرف ہم اسلام کی روشن تعلیمات کی پرنور اور دلبہار حسین وادی سے دور نکل کر جہالت کی تاریکیوں واندھیروں کے صحراؤں میں بھٹک رہے ہیں تو دوسری طرف ہم مغرب کی سیاہ تہذیب کے رنگوں کی سیاہی سے اپنے دل و دماغ کی روشنی کو مدہم کر چکے ہیں۔نتیجتاً ہمارے معاشرے کی اکثریت اس بات کا سرے سے اسلامی سال اور اس کے مہینوں کے ناموں کے بارے میں علم ہی نہیں رکھتی چہ جائیکہ کہ تمام تر معاملات میں اسی کو اپنانے کی کوشش کی جائے اور اس کے برعکس عیسائیوں کے سال اور مہینوں کے مطابق ہمارے معاملات گزر رہے ہیں۔

نیو ہیپی ائیر کے نام سے ہر سال کے اختتام پر اکتیس دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب کو نئے سال کے آغاز پر جو تہوار کے نام پر پاگل پن کا مظاہرہ ہوتا ہے اسے نیو ہیپی ائیر کہتے ہیں۔ یہ تہوار اور خوشی کم اور کفار کی غلامی، بے حیا اور بے پرواہ ہونے کا اظہار اور علامت زیادہ نظر آتی ہے۔جس میں شرم وحیا کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے اور اخلاق وآداب کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے، شور شرابہ، اوٹ پٹانگ حرکتیں، ناچ گانے اچھل کود کرتے ہوئے، یہ نادان لڑکے اور لڑکیاں آزادانہ اور مخلوط ماحول میں میوزک پر رقص کرتے ہوئے جہالت اور حیوانیت کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں۔

ہیپی نیو ائیر منانے کے مفاسد

عقل واخلاق سے ماوراء اس تماشے کے مفاسد اور نقصانات کی بات کریں تو وہ چیدہ چیدہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا نقصان: اس تہوار کے منانے کا پہلا نقصان یہ ہے کہ یہ سراسر کفار مغرب کی ایک لایعنی بھونڈی قسم کی تقلید اور مشابہت ہے بلکہ سمجھ میں نہ آنے والی، فضول حرکتوں میں سے ایک ہے، جس کے بارے میں محسنِ انسانیت مصلح الامۃ رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کی تقلید اور مشابہت

کے اندھے پن پر مبنی، عقل سے ماوراء ایسے مظاہر دیکھنے کو ملیں گے کہ بالفرض بغیر کسی وجہ کے اگر وہ (گوہ) کے بل میں داخل ہوجائیں گے تو میری امت کے بھٹکے ہوئے لوگ بغیر سوچے سمجھے یہ عمل بھی کر بیٹھیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بَاعًا بِبَاعٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَشِبْرًا بِشِبْرٍ، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا فِي جُحْرِ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمْ فِيهِ« ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ، وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: »فَمَنْ إِذًا"[1]

تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے امتوں کے نقش قدم پر چلو گے (یہاں تک کہ) اگر وہ دو ہاتھ چلیں گے تو تم بھی دو ہاتھ چلو گے وہ ایک ہاتھ چلیں گے تو تم ایک ہاتھ چلو گے وہ ایک بالشت چلیں گے تو تم بھی ایک بالشت چلو گے حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود ونصاری ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اور کون؟

حدیث کے مفہوم کے مطابق کفار کی تقلید اور اندھا دھند بغیر سوچی سمجھی کی جانے والی نقالی میں اسلام کا نام لینے والے دعویدار مسلمان شرم وحیا کے ساتھ اس بات کو بھی نظر انداز کر دیں گے کہ یہ چیز عقل کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کے لیے مضر اور ناقابل برداشت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ عین شیطانیت، حیوانیت اور وحشی وجنسی درندگی کی علامت ہے۔

دوسرا نقصان: اس تہوار کے منانے کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ جن برائیوں اور فحش حرکات کا ارتکاب اس میں کیا جاتا ہے وہ گناہ کبیرہ اور حد سے تجاوز کرتی ہوئی ایک خطرناک نشانی ہونے کے ساتھ مہلک اثرات سے بھرپور ہمارے اس اسلامی معاشرہ کے لیے زہر قاتل بھی ہے کہ جس میں اجتماعی طور پر اعلانیہ وفخریہ انداز میں ایک دوسرے کو ترغیب دے کر ساحل سمندر اور دوسرے تفریحی مقامات پر ان برائیوں ومنکرات کے لیے بلایا جاتا ہے اور ایسی رسومات وتہوار میں تعاون کرنا یا شرکت کرنا اور کسی بھی طرح سے اس کا حصہ بننا حرام ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه كتاب الفتن

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾[المائدہ: 2]

’’نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، ااور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرو‘‘

نیکی کا تقاضہ اور تقوی کی علامت یہ ہے کہ گناہ وزیادتی کے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے۔

تیسرا نقصان:

وہ یہ ہے کہ دوسرے تہواروں سے قدرے مختلف ہے وہ یہ کہ احتساب نفس کے بجائے اترانا اور بے پرواہ ہونا۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے انسان کی تخلیق کا مقصد اپنی عبادت بجالانا بتایا ہے،اور اسی عبودیت کا امتحان لینے کے لیے اس پر کچھ ذمہ داریاں اور فرائض ونواہی سونپے گئے ہیں،اور چونکہ لفظِ عبودیت ، بندگی ، عاجزی وانکساری اور تذلل کے ساتھ اپنی خامیوں و نقص کا اقرار اور کمی وکوتاہی کا اعتراف اور نفس میں افراط وتفریط میں پڑنے کے یقین کا مفہوم بھی رکھتا ہے لہٰذا فرائض کی ادائیگی اس پر ثابت قدمی اختیار کرنا اللہ ارحم الراحمین کا ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا پھر اعمال صالحہ کی قبولیت کی دعا اور امید رکھنا ااور اپنے عمل کو ضائع ہونے سے بچانا اور اسی طرح نواہی ومنکرات اور مکروہات کے ارتکاب پر ہوجانے والی زیادتی ونقصان پر احتساب نفس کرتے ہوئے توبہ ورجوع کرنا اور کمزوری نقص پر عاجزی وانکساری اور اپنی عملی کوتاہیوں پر فکرمند ہونا اسلام نے اسے ایمان والوں کی علامت واوصاف قرار دیا ہے جبکہ اس کے برعکس عبودیت (بندگی) کے مفہوم کے منافی عمل نیو ہیپی ائیر منانے والے لوگوں کا مقصد زندگی کو ضائع کرنا اور وقت کو برباد کرنا اور اپنی جوانی کو لغو اور فضول خواہشات کے پیچھے چلانے اور صحت اور فراغت کو غلط استعمال کرنے پر منحصر ہوتا ہے، یہ تہوار منانے والے کمی وکوتاہی اور نقص وکمزوری کا اعتراف کرنا تو درکنار بلکہ غفلت و لاپرواہی پر اترانے اور ڈھٹائی کے ساتھ فخر کرتے ہوئے اعجاب کا شکار نظر آتے ہیں یعنی گزشتہ سال کے بارہ مہینوں میں ہونے والی غلطیوں، برائیوں پر نہ انہیں کوئی پشیمانی ہے نہ ہی نیکیوں میں کمی اور گناہوں میں اضافے پر کوئی ندامت ہے اور نہ ہی اس کے برے انجام کے ڈر کی کوئی پریشانی ہے اور نہ ہی زندگی کا ایک قیمتی سال کم ہونے اور آخرت کی زندگی کے قریب قریب آنے پر انہیں کوئی غم و

فکر لاحق ہے یہ ان نعمتوں میں سے ایک ہے کہ جس کی اکثر لوگ ناقدری کر کے گھاٹے میں رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

[نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ : الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ] [1]

''دو نعمتیں ایسی ہیں (کہ) اکثر لوگ (ان کے غلط استعمال کی وجہ سے) گھاٹے میں رہتے ہیں صحت اور فراغت''

اپریل فول

اپریل فول کا حیران کن اور منفی پہلو جسے جان کر ہر سچائی پسند، مثبت سوچ رکھنے والے، معتدل مزاج ، باشعور اور سنجیدہ شخص کو یقینی حیرت ہوگی کہ اس قبیح و مذموم تہوار جس پر اس کی بنیاد ہے اس کی اساس منافقانہ خصلت کی علامت دوغلے پن کی نشانی اور شرمندہ کر دینے والی منفی صفت اور بدترین خامی صرف جھوٹ پر قائم ہے، یعنی اگر کوئی شخص اس تہوار کو مناتے وقت جھوٹ نہ بولے تو یہ تہوار منایا ہی نہیں جا سکتا حالانکہ دیکھا جائے تو زمانہ قدیم وحدیث کے ہر مہذب، باوقار معاشرے میں بلکہ تمام ادیان و مذاہب میں یہ ایک ناپسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ کفار اور مشرکین بالخصوص مغربی کلچر کی خرابی اور فساد یہی ہے کہ خوشی یا کھیل کا موقع ہو یا کوئی رسم وتہوار کی بات ہو تو اخلاقی حدود اگر پامال ہوتی ہوں باہمی عزت واحترام وحقوق کی نفی بھی ہوتی ہو پاگلوں اور جانورں جیسی حرکتیں کر کے کسی کو ذہنی کوفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو کسی بیمار شخص کے آرام میں خلل ہی کیوں نہ پڑتا ہو یا کسی کا جانی و مالی نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے تو ان کے ہاں یہ کوئی عار کی بات نہیں اس کے مقابلے میں اسلام کی روشن وجامع اور اپنے مقاصد ومحاسن کے لحاظ سے کامل حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرپور آفاقی تعلیمات کی خوبیاں اور اچھائیاں اپنی مثال آپ ہیں اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا نہ صرف احاطہ کرتا ہے بلکہ زندگی کے ہر مرحلہ اور موقع چاہے وہ خوشی کا ہو یا غمی کا اس کی نہ صرف درست راہنمائی کرتا ہے بلکہ اس کے لیے ایسے اصول وضوابط وضع کرتا ہے کہ جن کی حدود میں رہ کر وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہو، چاہے وہ حقوق اللہ میں سے ہوں یا حقوق العباد میں سے فطری خواہشات

---

[1] صحيح البخاري :كتاب الرقائق باب لا عيش ال عيش الاخرة

وارادات کی جائز ومباح تکمیل ہو، کھیل وتفریح ہو یا ہنسی مذاق ایسی تمام خوشیوں اور صحت مندانہ سرگرمیوں کو اسلام اخلاق و اعتدال باہمی احترام ،سچائی اور تکلیف و اذیت ، جانی و مالی نقصان کے اسباب ووجوہات سے مبرا ایک دائرے میں لاتا ہے تو کفار کے تہوار کے مظاہر ان زریں اصولوں کو جزوی یا کلی اعتبار سے پامال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اپریل فول انہی تہواروں میں سے ایک ہے کہ ہنسی مزاح اور تفریح کے نام پر جھوٹ بولنا ان کے ہاں گویا کہ یہ کوئی اخلاقی برائی ہی نہیں اسی لیے اسے اہل کفر نے باقاعدہ تہوار کی شکل دے کر اسے نہ صرف ایک معاشرتی برائی بنالیا بلکہ اپنی انفرادی واجتماعی منفی وسطحی سوچ بھی دنیا پر آشکار کردی کہ ان کے ہاں تہذیب اور روشن خیالی اسی چیز کا نام ہے اور جہاں تک اس کی باقاعدہ رسمی تعریف کی بات کی جائے تو ہر عیسوی سال یکم اپریل کو منائے جانے والے اس کفریہ تہوار کی تعریف ، بی۔ ایم ۔ ای پریکٹیل ڈکشنری کے مطابق اپریل فول کا مطلب دوسروں کو احمق بنانے کی رسم ہے۔

تاریخی حیثیت

تاریخی اعتبار سے یہ تہوار تقریبا ڈیڑھ سوسال پرانا ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ 31 مارچ 1846ء کو ایک انگریزی اخبار ایفنج سٹار نے اپنی اشاعت میں اعلان کیا کہ کل یکم اپریل کو فلاں شہر کے زرعی فارم میں گدھوں کی نمائش کا میلہ لگے گا جس میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پہنچ گئی، کافی دیر انتظار کے بعد تھک ہار کر جب انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ میلہ کب شروع ہوگا تو انہیں بتایا گیا کہ جو گدھوں کی نمائش دیکھنے میلہ میں تشریف لائے ہیں درحقیقت وہی لوگ گدھے ہیں،

اور جہاں تک اس کی حرمت اور قباحت کی بات کہی جائے تو کم ازکم پانچ وجوہات کی بناء پر یہ تہوار منانا حرام اور باعث گناہ ہے۔

1۔اس تہوار کی اصل اور بنیاد جھوٹ پر مبنی ہے اور جھوٹ بولنے کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

''إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى البِرِّ، وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِي إِلَى الجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا. وَإِنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُورِ، وَإِنَّ الفُجُورَ يَهْدِي إِلَى

النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا'' [1]

بلاشبہ جھوٹ نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یقیناً آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

1-اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹ حرام ہونے کے ساتھ برائی اور جہنم کی طرف لے جانے والا مذموم عمل اور ایک اہم سبب بھی ہے۔

2-دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی جھوٹ بول کر اپنے مسلمان بھائی کی بے توقیری اور شرمندگی کا باعث بنتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی ساکھ کو متاثر اور خراب کرنے اور اس کی ذہنی و مالی پریشانی کا باعث اور سبب بھی بن سکتا ہے۔جبکہ مسلمان کی اہم خوبی اور وصف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بیان ہوا ہے کہ:

"المسلم مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ، وَيَدِهِ "[2]

بہترین مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

تو ایک غیر ذمہ دارانہ اور غیر سنجیدہ اور دوسروں کے لیے پریشانی اور اذیت کی منفی سوچ رکھنے والا شخص تو اسے تفریح کا نام دے سکتا ہے مگر ایک اچھے مسلمان اور ہمدرد انسان کی ہرگز یہ صفت نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک ایسی برائی کا حصہ بنے جس سے اردگرد کے ماحول میں بے چینی کی کیفیت اور غلط فہمیوں کی فضا اور عزت نفس کے مجروح ہونے کے خدشہ کی بنیاد بننے والا عمل (جھوٹ) سے اس کی کوئی نسبت اور تعلق کو ظاہر کرے۔

3-اس کی حرمت و ناپسندیدگی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جھوٹ بول کر کسی کو خوش فہمی یا غلط فہمی، دھوکہ یا فریب میں ڈال کر بعض اوقات کسی شخص کو کسی اہم وضروری اور ذمہ داری والے بالخصوص فوری قابل عمل کام سے دور یا موخر کرا کے اس کی کسی ایسے غیر اہم کام کی طرف دھیان اور توجہ پھیر دی جاتی ہے کہ جو صرف اور صرف خیالی و تصوراتی ہوتا ہے۔ جو وقت کی بربادی، ذہنی اذیت و تکلیف کے ساتھ پیسوں کے ضیاع اور لوگوں کی آپس میں ناراضگی اور دوری کا سبب بھی بنتا ہے مثال کے

---

[1] صحيح البخاري :كتاب الادب, باب قول الله تعالىٰ.....

[2] صحيح البخاري : كتاب الايمان,باب المسلم من ....

طور پر کسی مہمان کے آنے یا کسی حادثہ کے ہوجانے یا کسی چیز کے کھو جانے کی جھوٹی خبر اگر کسی شخص کی دی جائے تو کتنی غلط فہمیاں، پریشانیاں مال اور وقت کے نقصان کی ممکنہ صورتیں سامنے آسکتی ہیں ہر سنجیدہ اور دانا شخص بالخصوص جو ایسے واقعات کو سن چکا یا اس سے گزر چکا ہے کہ وہ ایسے جھوٹے عمل کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا تو یہ سب باتیں دھوکہ کے زمرے میں بھی آتی ہیں اور دھوکہ دینے والا شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے زمرے میں آتا ہے: ''من غش فليس منا''

جس نے دھوکہ کیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ [1]

4-چوتھی وجہ اس فضول تہوار کے حرمت کی یہ ہے کہ اسلام کے مخالف جتنے بھی ادیان و مذاہب اور نظریات وافکار ہیں وہ حقیقت اور سچائی کے برعکس باطل اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔کفار اور مشرکین کے توحید و رسالت اسلام و ایمان کے ارکان اور قرآن کریم سے متعلق جو بھی اور جتنے بھی باطل اور کفریہ عقائد ہیں ان کو قرآن کریم نے جھوٹ اور اس قبیح صفت سے متصف لوگوں کو جھوٹا کہا ہے جو کہ ان کی رگوں اور نسوں میں سرائیت کر چکا ہے اور ان کی زندگی کا حصہ بلکہ اصول بننے کے ساتھ ایسے تہوار کے طور پر مناتے ہوئے اس کا بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے برملا اظہار کرنے سے بھی نہیں کتراتے اور یہی کفار و مشرکین کی منفی عادات و رویئے ہیں کہ جس کی بناء پر ہمیں ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"من تشبه بقوم فهو منه"

جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت کی تو وہ ان ہی میں سے ہے۔

5-پانچویں وجہ اس کی حرمت کی یہ ہے کہ اپریل فول جس صفت کی بنیاد پر یہ فرسودہ اور سطحی خیالات اور بوسیدہ عمارت قائم ہے یہ دراصل حقیقت کے متضاد جہاں ظاہری خرابی کی بدترین شکل ہے وہاں یہ انسان کی باطنی منفی صفت کی ایک نشانی اور علامت بھی ہے اور عمل اور نیت کے اس متضاد یعنی ظاہری و باطنی فرق کو شریعت نے نفاق سے تعبیر کیا ہے کہ دل کی سوچ اور خواہش اور ارادہ کچھ ہو اور عملی اعتبار سے انسان کچھ اور ظاہر کرے ایسی دوغلی پالیسی اور دورخی پن کی کیفیت کے حامل

---

[1] صحيح مسلم :كتاب الايمان باب قول النبي صلى الله عليه وسلم---

شخص کو شریعت نے منافقانہ عمل قرار دیا ہے نفاق اور منافق کی یہ علامت نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سے واضح ہوتی ہے۔

"آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ"

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[1]

لہٰذا انسان کی یہ پوشیدہ قبیح خصلت جو اس کے لیے انتہائی خطرناک اور سنگین امر ہے اور اس کی اصل صورت ظاہری اعتبار سے اس وقت دوسروں پر واضح ہوتی ہے کہ جب وہ بات کرتے وقت غلط بیانی کرتا ہے تو پھر کیونکر جھوٹ اور نفاق کی طرف لے کر جانے والی یہ رسم اور گھٹیا تہوار اور کفری و صلیبی شعار اپریل فول کو منایا جائے جو جھوٹ بولنے والی جھوٹی قوم کے جھوٹ پر مبنی خیالات و افکار اور حرکات و الفاظ کا مجموعہ اور مظہر ہو؟ لہٰذا یہ کسی مسلمان کے نہ صرف لائق اور زیبا ہے اور نہ ہی کبھی اپنے اور کسی مسلمان بھائی کے لیے اس بات کو پسند کرے گا کہ عالم انسانیت کے لیے سچائی پر مبنی دین اور نظام کی عظیم نعمت اور دولت سے سرشار دینِ اسلام کے مقابلہ میں وہ کفار اور اہل باطل کے اس تہوار کو منا کر ان کے بے ہودہ اور فرسودہ نظام کو اہل اسلام میں پنپنے کا کوئی ذریعہ بنے۔

آخر میں اس موضوع سے متعلق ضمناً یہ بات بھی بیان کرنا اہم اور ضروری ہے کہ اسلامی تہوار جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ اور اسی طرح خوشیوں کے مختلف مظاہر و مواقع جو اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے مباح و مشروع ہوں وہاں ہمیں ایسے تمام امور و عادات سے اجتناب اور دوری برتنی چاہیے جو کہ غیر اسلامی تہوار کا حصہ یا اس کے مشابہ ہوں کا ور اسی طرح خود ساختہ تہواروں کو اسلامی نام دینے یا اسلام کی طرف منسوب کرنے اور اسے منانے کی سختی سے مخالفت اور حوصلہ شکنی کریں چاہے وہ خوشی کے نام پر ہوں یا غمی کی آڑ میں بپا کیے جائیں جو خواہشاتِ نفسی، فحاشی و عریانی، فرائض سے دوری، کفار و مشرکین کی نقالی یا ان سے مداہنت اور اندھی تقلید، تعصب، فرقہ پرستی، قوم پرستی، غلو، خود ساختہ محبت، جھوٹ، جہالت، فضول خرچی کے ساتھ صحابہ و اہل بیت سے بغض و نفرت اور ان کی شان میں گستاخی اور مسلمانوں کی کمزوری و انتشار اور دین سے دوری بالخصوص اسلامی حدود و شعائر کی تعظیم و

[1] صحيح البخاري: كتاب الايمان ,باب علامة المنافق

احترام کے منافی امور کا سبب اور علامت یا اس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ذریعہ بنتے ہوں۔

اس مضمون کا حاصل بحث اور خلاصہ قارئین اور ہر اس شخص سے جو مسلمانوں سے ہمدردی اور ان کے لئے اپنے دل میں تڑپ رکھتا ہو، گزارش کی شکل میں یہ ہے کہ کفار و مشرکین بالخصوص یہود و نصاریٰ اور ہنود کی جنگ مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ اور غیر اعلانیہ، بالواسطہ بلاواسطہ جاری ہے اور یہ فکری جنگ بڑے پیمانے وسیع نیٹ ورک، مکمل منصوبے اور تمام تر وسائل کے بھرپور استعمال کے ساتھ شعوری اور غیر شعوری انداز میں نظام زندگی کے ہر شعبہ میں میڈیا، بشمول انٹرنیٹ اخبارات ڈراموں، فلموں اور فحاشی و عریانی کے ہتھیاروں کے ساتھ فرسودہ تہواروں، رسموں، تعلیم و آرٹ، سیاحت، کھیل و تفریح کی آڑ میں لڑی جارہی ہے جس کا اولین مقصد اور اہم ہدف اور ٹارگٹ اہل اسلام کو ایمانی دولت سے محروم کرنا ہے اور اسی طرح اسلامی تعلیمات کی حقیقت کو مسخ کرنا اور مسلمانوں کی دینی سوچ، حمیت و غیرت کو مٹانا، دفاعی، عسکری، سیاسی و معاشی میدان اور محاذ میں ان کی قوت اور طاقت کو تباہ کرنا اور انہیں غیر مؤثر، کمزور اور کھوکھلا بنانا ہے۔

جہاں تک کہ ان کے تہواروں اور رسموں کی مشترکہ قباحت کی بات کی جائے چاہے وہ کوئی سے بھی اور کسی بھی نام سے ہوں تو سوائے چند کے ان کی اجتماعی خرابیاں یہ ہیں کہ ان میں کفار و مشرکین سے مشابہت، مال اور وقت کا ضیاع اور بربادی فحاشی و عریانی کے پھیلاؤ کا سبب ہونے کے ساتھ کفار کی فتنہ انگیز سازشوں سے ان کا ضرور بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق ہوتا ہے جو ہمارے لیے بالخصوص ہمارے گھرانے کے افراد کے لیے دینی و دنیاوی اعتبار سے سراسر نقصان اور خسارے کا باعث ہے۔ اللہ ارحم الرحمین ذوالجلال والاکرام ہمیں اسلام کی مصالح و خیر و بھلائی کی حکمتوں بھری سنہری تعلیمات کو جاننے سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کے ساتھ اس کی نشر و اشاعت کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین والحمد للّٰہ رب العالمین

مغرب کی سیاسی یلغار اور امت مسلمہ

خلافت عثمانیہ کا سایہ امت مسلمہ کے سر سے اٹھتا رہا اور اس کی جگہ برطانیہ اور فرانس لیتے رہے، برطانیہ نے 1857م بمطابق 1274ھ میں ہندستان پر اور 1882م بمطابق 1300ھ میں مصر پر 1914م بمطابق 1332ھ میں عراق پر اور 1819م بمطابق 1337ھ میں فلسطین پر قبضہ جمالیا۔ اور اسی طرح فرانس نے 1830م بمطابق 1246ھ میں الجزائر پر، 1881م بمطابق 1299ھ میں تونس پر، 1912م بمطابق 1330ھ میں مراکش پر اور 1920م بمطابق 1338ھ میں سوریا پر قبضہ جمالیا۔

محمد انور الصابونی

خلافت عثمانیہ جیسی بھی تھی لیکن کفر کے لئے ایک مجدار [1] کی حیثیت رکھتی تھی ،سلاطین ترکی جیسے بھی تھے لیکن امت مسلمہ کے لئے سایہ رحمت تھی اور کفر کو ڈراتے تھے اسی لئے دشمن نے صرف خلافت کی قوت ختم کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ خلافت کو بھی سطح زمین سے محو کیا اور مصطفی کمال اتاترک کو مختار مطلق بنا دیا۔

جب 1945م میں جنگ عظیم دوم اپنے اختتام کو جا پہنچی تو برطانیہ اور فرانس معاشی لحاظ سے بہت کمزور ہو چکے تھے تو انہوں نے مذکورہ بالا ممالک کی قیادت کرنے کے لئے امریکہ کو دعوت دی اور امریکہ نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور ان ممالک کے سرخ وسفید کا مالک بن بیٹھا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے ساتھ مقاصد استعمار اور اس کے اہداف میں متفق تھا لیکن عملاً امریکہ نے ایک نئی سیاست شروع کی اور وہ فوجی اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کا طریقہ اور اسی ضمن میں سوریا، مصر، ایران اور ترکی کے انقلابات برپا ہوئے۔

امریکہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ ملکوں کو آپس میں لڑانا شروع کیا اور پھر دونوں کو اسلحہ بیچتا رہا اور جانیں لوٹتا رہا۔

امریکہ اپنے سے پہلے کے مستعمرین سے بہت کچھ سیکھ چکا تھا اس لئے اس نے ایک تیسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ اس نے سوچا کہ کسی ملک کو کچلنے کے لئے بہت سے اخراجات اور اموات کو برداشت کرنا پڑتا ہے کیوں نہ کیا جائے کہ اس قوم اور ملک کے کچھ لوگ خرید کر عین وہ اہداف ان کے سپرد کئے جائیں جو ہم چاہتے ہیں تو خرچہ بھی نہیں کرنا پڑے گا اور اہداف بھی آسانی سے حاصل ہونگے اور ہم سے نفرت بھی نہیں بڑھے گی۔ اور پھر ایسا ہی کیا اور وہ اس میں کامیاب رہی۔ ان تین اسالیب کو ملا کر "لعبة الامم" کہا جاتا ہے۔ یعنی قوموں سے کھیلنا۔

مغربی ثقافت کی یلغار

سیاسی یلغار کے بعد ثقافتی یلغار کا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اور دشمن کی سیاسی یلغار کا حقیقی ہدف بھی یہی تھا۔ امت مسلمہ پر پہلے بھی بہت سی سیاسی یلغاریں آچکی ہیں لیکن کچھ اسباب اور وجوہات کی وجہ سے

---

[1] مجدار: مجدار عربی کا لفظ ہے جس سے مراد ہے جب کسان نئی فصل بوتا ہے تو کھیت میں ایک صلیب سی کھڑی کرتا ہے اور پھر اس کو ایک قمیص پہناتا ہے پرندوں کو ڈرانے کے لئے

ثقافتی یلغاروں سے امت مسلمہ بچ چکی تھی مثال کے طور پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس کے بالمقابل دنیا کی دو قدیم وعظیم تہذیبیں تھیں ایک مغرب کی یونانی تہذیب ، دوسری مشرق کی ایرانی تہذیب ، دونوں تہذیبیں قدیم دنیا کے علوم وفنون ، ثقافت و ادب فلسفانہ نظاموں کے ذخیرے اور تمدن و معاشرت کے ترقی یافتہ طریقوں سے مالا مال تھیں ۔ اسلامی معاشرے نے جو ہر طرح کہ احساس کمتری سے محفوظ اور خودشناسی اور خوداعتمادی کی دولت سے بھر پور تھا، بغیر کسی ذہنی غلامی کے اپنی ضرورت اور اپنے حالات کے مطابق ان ذخیروں سے استفادہ کیا، جس چیز کو مناسب سمجھا اس کو پہلے اپنے سانچے میں ڈھالا پھر اس کو اپنی صحیح جگہ فٹ کیا آزاد اور غالب ہونے کی بنیاد پر یہ استفادہ اور اقتباس اس معاشرے کی روح اور اس کے اخلاقی رجحان پر اثر انداز نہ ہوسکا۔

دوسرا تجربہ وہ تھا جو اسلامی معاشرے کو ساتویں صدی میں اس وقت پیش آیا جب تاتاریوں نے عالم اسلام کے مرکزی حصہ پر قبضہ کرلیا اور مسلمان سیاسی طور پر ان کے مفتوح اور زیر نگیں ہوگئے اس وقت اسلامی معاشرے کو جس فاتح سے سابقہ پڑا وہ تہذیب وتمدن ۔ علم وفن، قانون ودستور میں بالکل ہیچ تھا۔ اس کے پاس نہ کوئی تہذیب تھی ، نہ کوئی زندگی کا کوئی فلسفہ معاشرت واجتماع اور ذہنی نشوونما کے اعتبار سے وہ اس ابتدائی حالت میں تھا جو صحرائی اور جنگجو اقوام کی ہوا کرتی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوح اسلامی معاشرے کے سامنے فاتح کی تہذیب، معاشرت ، فلسفہ حیات اور افکار واقدار سے متاثر و مستفید ہونے کا کوئی حقیقی سوال نہیں تھا اس کے برخلاف فاتح قوم روز بروز اپنی مفتوح اقوام سے متاثر ہوتی چلی جارہی تھی وہ بتدریج اپنی مفتوح اقوام کی تہذیب اور اس کے اعلی دین عقائد اور خیالات سے متاثر ہوتی چلی گئی اور بلا آخر اس نے اپنی مفتوح اقوام کا دین اور ان کی تہذیب پورے طور پر قبول کرلی اور ان کے سانچے میں ڈھل کر حرم کی پاسبان اور اسلام کی پرجوش علمبردار اور محافظ بن گئی۔

لیکن مغربی تہذیب کا ماجرا بہت مختلف تھا کیونکہ جب اس تہذیب کی یلغار شروع ہوگئی تو یہ تہذیب اپنی وسیع شکل میں عقائد وخیالات ، فکری نظاموں ، سیاسی واقتصادی فلسفوں ، اجتماعی ، طبعی اور عمرانی علوم نیز ان مخصوص تجربوں کا عجیب وغریب مجموعہ تھا جو مغربی اقوام کو اپنے ارتقا کے طویل سفر کے مختلف مراحل میں پیش آئے تھے ۔ یہ تہذیب عام طور پر علم انسانی اور خالص طور پر طبعی ، میکانیکی اور ریاضی علوم کی ترقی کا ایک ناگزیر مرحلہ اور مفکرین اور ماہرین طبعیات کی مسلسل کوششوں اور تجربات کا نچوڑ اور خلاصہ تھا اس اعتبار سے وہ مختلف اجزاء وعناصر کا ایک ایسا مجموعی تھا جن کے متعلق کوئی یکساں رائے

قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس تہذیبی مجموعہ میں ناقص اجزاء بھی تھے اور مکمل بھی ، مضر بھی اور مفید بھی ، صحیح بھی اور غلط بھی ۔ اس غلط میں قیاسات، خیالات و افکار، اور بزعم خود ایسے فیصلے بھی شامل تھے جن میں بحث و مباحثہ اور غور وخوض کی پوری گنجائش موجود ہے، ان میں ایسے علمی نتائج بھی تھے جو بڑے غور خوض اور مطالعہ و تجربہ کا نچوڑ تھے۔ اور ایسے بھی تھے جن کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت تھا۔ وہ اجزاء اور عناصر بھی تھے جو کسی خاص ملک اور قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ مثلاً تجربی علوم اور وہ بھی جن میں مغربی تہذیب کی مقامی روح پوری طرح نمایاں تھی اور مغربی ماحول اور معاشرہ کا ان پر گہرا اثر تھا۔ اور وہ ان تاریخی انقلابات اور حوادث کا نتیجہ تھے جن سے مغربی اقوام کو اپنے دائرۂ عمل اور مرکز میں گزرنا پڑا، وہ بھی تھے جن کا دین وعقائد سے گہرا تعلق تھا۔ اور وہ اجزاء بھی تھے جن کو سرے سے مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔

اس تہذیب مرکب نے اس مسئلہ کی پیچیدگی اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے اور عالم اسلام کو ایک نازک اور دشوار پوزیشن میں لا کھڑا کیا اور اس کے رہنماؤں اور مفکرین کی ذہانت کے لئے ایک امتحان بن گیا۔

اس نئی اور پیچیدہ صورت حال سے نپٹنے کے لئے قدرتی طور پر تین موقف (رویّے) ہو سکتے ہیں۔

منفی رویہ

پہلا موقف یا رویہ منفی اور سلبی (Negative) ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسلام اس تہذیب کے سارے نتائج اور فوائد کا یکسر انکار کرے اور اس کی کوئی اچھی بری بات سننے کا روادار نہ ہو، یا غیر جانبداری اختیار کرتے ہوئے کنارہ کش ہو جائے، نہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائے، نہ ان علوم کو ہاتھ لگانے پر تیار ہو جن میں اہل مغرب کو تفوق و امتیاز حاصل ہے، طبیعات، ریاضیات اور ٹیکنالوجی جیسے علوم میں بھی وہ مغرب سے استفادہ کو حرام اور اپنے لئے شجرہ ممنوعہ سمجھے اور جدید آلات، مشینیں، ساز و سامان اور ضروریات زندگی کے قبول کرنے سے بھی گریز کرے۔

اس موقف کی طبعی اور شرعی حیثیت اور اس کے نتائج

اس موقف کا قدرتی نتیجہ عالم اسلام کی پسماندگی اور زندگی کے رواں دواں قافلہ سے بچھڑنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اس سے عالم اسلام کا رشتہ باقی دنیا سے منقطع ہو جائے گا اور وہ ایک محدود جزیرہ بن

کر رہ جائے گا، جس کا گردو پیش کی دنیا سے کوئی پیوند نہیں ہوگا، سمندر میں ایسے بے شمار جزیرے ہوسکتے ہیں لیکن خشکی میں اس طرح کے جزیروں کی گنجائش نہیں اور فطرت انسانی سے جنگ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

ان سب حقائق کے علاوہ یہ رویہ کوتاہ نظری پر بھی مبنی ہے اس سے فطری قوتوں اوروسائل میں تعطل پیدا ہوتا ہے۔

اور یہ اس دین فطرت کی صحیح ترجمانی اورتعبیر نہیں ہے جس نے کائنات میں عقل تدبیر کے استعمال پر بڑا زور دیا ہے اور مفید علوم میں استفادہ کی ترغیب دی ہے جس نے دین کی حفاظت ودفاع کے لئے اور حریفوں کو اپنے اوپر حملہ کرنے سے محتاط رکھنے کے لئے اپنے پیروؤں کو ہر ممکن تیاری کا حکم دیا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾[الانفال:60]

ترجمہ: اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز وزمان مہیا کئے رہو کہ اس طرح مستعدرہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھوگے۔

اس کے ساتھ یہ موقف قانون تکوینی اور اس کائنات کے مزاج کے بھی سراسر خلاف ہے اگر کوئی ملک زبردستی اس خلاف فطرت موقف کو اختیار کرنا چاہے گا تو یہ تہذیب اس کے گھروں میں اور اس کے خاندانوں میں اس طرح داخل ہوجائے گی جس طرح سیلاب سے گھرے ہوئے کسی گاؤں یا شہر میں پانی بغیر کسی اطلاع اور آ گاہی کے داخل ہوتا ہے اور ہر طرف سے اس کو گھیر لیتا ہے۔[1]

عالم اسلام میں تجدد ومغربیت کی تحریک اور اس کے حامی

دوسرا موقف

دوسرا موقف شکست خوردگی، مکمل سپردگی اور ایک عقیدت مندی اور سرگرم مقلد اور ایک ایسے ہونہار وسعادتمند شاگرد کا ہے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا، اور وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کو کوئی حصہ اس

[1] مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش صفحہ:12

مادی، مشینی اور اپنا مخصوص مزاج و ذہن رکھنے والی تہذیب کو جوں کا توں قبول کر لے اور اس کے سارے بنیادی عقائد ،فکری رجحانات ، مادی افکار وخیالات اور سیاسی واقت صادی نظام پر ایمان لے آئے پھر اپنے ملک میں اس کی مکمل نقل کرنا چاہے اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو۔

عالم اسلام میں بہت سے لوگوں نے متعدد مما لک میں اس دوسرے موقف کی تائید کی اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا اس کی طرف لوگوں کو ترغیب دی لیکن میں صرف تین مما لک میں سے تین بندوں کا ذکر مناسب سمجھوں گا جو کہ درجہ ذیل ہیں :

1)مصطفیٰ کمال اتاترک ترکی سے

2)سر سید احمد خان ہند یعنی برصغیر سے

3)طٰہٰ حسین مصر سے

مصطفی کمال اتاترک کا تجدد اور مغربیت

کمال اتاترک وہ شخصیت تھی جس نے خلافت کو ایک سیکولر (نا مذہبی) اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جس میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت نہیں دی۔ دین وسیاست میں تفریق کی اور یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے ہر شخص اپنے لئے کسی مذہب کا انتخاب کرسکتا ہے بغیر اس کے کہ سیاست میں بھی اس کو دخل ہو۔ خلافت کے ادارہ کو ختم کر دیا گیا ،شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی قانون شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے سویز رلینڈ کا قانون دیوانی ، اٹلی کا قانون فوجداری اور جرمنی کا قانون بین الاقوامی تجارت نافذ کیا گیا اور پرسنل لاء کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق و ماتحت کر دیا۔مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا گیا،عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے۔عربی زبان میں آذان ممنوع قرار پائی۔قوم کا لباس تبدیل ہوگیا غرض یہ کہ اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کے ختم کیا اور قوم کا نقطہ نظر بدل دیا۔

ریاست کو نامذہبی بنانے کا بل پیش کرتے ہوئے کمال نے پارلیمنٹ سے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

’’عثمانی سلطنت ، اسلام کے اصول پر قائم ہوئی تھی اسلام اپنی ساخت اور اپنے استوارات کے لحاظ سے عرب ہے۔ وہ پیدائش سے لیکر موت تک اپنے پیروؤں کی زندگی تشکیل کرتا ہے اور ان کو

اپنے مخصوص سانچہ میں ڈھالتا ہے۔ وہ ان کی امنگوں کا گلہ گھونٹ دیتا ہے اور ان کی برات و اقدام پسندی میں روڑے اٹکاتا ہے۔ ریاست کو اسلام کے مسلسل باقی رہنے سے خطرہ لاحق رہے گا۔"[1]

ترکی قوم کو مغربی ثقافت کے بارے میں ترغیت دیتے ہوئے کہتا ہے:

"ہم کو ایک مہذب وشائستہ قوم کا سا لباس پہننا چاہیئے ہم کو دنیا کو دکھانا چاہیئے کہ ہم ایک بڑی قوم ہیں، ہم کو دوسری قوم کے ناواقف لوگوں کو اپنے پرانے فیشن کے لباس پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے ہم کو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیئے۔"[2]

یہ تھے مصطفی کمال جس نے 1924م سے 1938م تک ترکی پر حکومت کی اور اس عرصہ میں اس نے ایک اسلامی معاشرے کو بالکل مغربی معاشرہ بنالیا اور اب تک ترکی اسی منہج پر چل رہا ہے۔

سرسید احمد خان کی مغربیت اور تجدد پسندی

سرسید احمد خان مغربی تہذیب اور اس کی مادی بنیادوں کی تقلید اور جدید علوم کو اس کے عیوب و نقائص کے ساتھ بغیر کسی تنقید وترمیم کے اختیار کر لینے کے داعی تھے کیونکہ سرسید احمد خان نے آخری مغل حکومت کا زوال اور 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے اس ہزیمت، اہل ہند کی دل شکستی، ان کی عظیم جماعت کے مقابلہ میں مٹھی بھر غیر ملکیوں کی فتح کا مشاہدہ کیا۔ وہ قوم جو کل اس ملک کی حاکم تھی اس کی ذلت وپستی کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا نیز برطانیہ کی حکومت اور ان کی ساحرانہ تہذیب کے مناظر بھی دیکھے مزید یہ کہ سرسید نے متوسط درجہ کی تعلیم پائی تھی اور دینی علوم اور کتاب وسنت پر ان کی نظر گہری اور وسیع نہ تھی۔

سرسید نے فرانس اور برطانیہ کو اس وقت دیکھا جس وقت وہ اپنے تمدن وترقی کے شباب پر تھے۔ جدید علوم اور جدید صنعت اپنے عروج پر تھی، اس وقت مغربی معاشرہ اور سوسائٹی میں زوال اور انحطاط کے وہ آثار نمودار نہیں ہوئے تھے جو جنگ عظیم اول کے بعد اہل نظر کو صاف نظر آنے لگے تھے، مغربی

---

[1] اتاترک عرفان اورگا کی کتاب صفحہ 241

[2] اتاترک عرفان اورگا کی کتاب صفحہ 260

تمدن اس وقت تک زندگی اور تخلیقی صلاحیت سے بھرپور تھا، اس کے سینہ میں پوری دنیا کو فتح کر لینے اور تمام اقوام عالم کو اپنے زیر نگیں لے آنے کا حوصلہ موجزن تھا، چنانچہ یہ روشن اور تابناک پہلو ان کو مغربی تمدن و معاشرہ کے تاریک اور کمزور پہلو کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھتا رہا، اخلاق و روحانیت کے فقدان، تکبر اور قومی انانیت نے انگریزوں کو جس طرح ایک بین الاقوامی جرائم پیشہ قوم بنا دیا تھا اور خود ہندوستان میں اس کا جس طرح ظہور ہوا تھا یہ حقیقت اور پہلوان کی نگاہ سے اوجھل رہا۔

سر سید اس تہذیب اور معاشرہ سے اس طرح متاثر ہوئے کہ ان کے دل و دماغ، اعصاب اور ساری فکری صلاحتیں اس سے وابستہ ہوگئیں۔ 12 اکتوبر 1870 میں وہ اس تہذیب کے گرویدہ اور ہندوستان کی مسلم سوسائٹی میں ان اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر اصلاح وتغیر کے پر جوش داعی اور مبلغ بن کر اپنے ملک واپس ہوئے اور پورے خلوص اور گرم جوشی کے ساتھ انہوں نے اس تحریک ودعوت کا علم بلند کیا اور اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اس کے لیے وقف کر دیں۔

سر سید احمد خان انگریزوں سے اس طرح متاثر ہوئے جیسے کوئی مغلوب غالب سے، یا کوئی کمزور طاقتور سے متاثر ہوتا ہے انہوں نے شخصی طور پر انگریزی ثقافت اور طرز معاشرت کو اختیار کیا اور دوسروں کو بھی بڑی گرم جوشی اور قوت کے ساتھ اس کی دعوت دی۔ ان کا خیال تھا کہ اس ہم رنگی، حاکم قوم کی معاشرت وتمدن اختیار کرنے اور ان کے ساتھ بے تکلف رہنے سے وہ مرعوبیت، احساس کمتری اور احساس غلامی دور ہو جائے گا جس میں مسلمان مبتلا ہیں اور حکام کی نظر میں ان کی قدر ومنزلت بڑھ جائے گی اور وہ ایک معزز مساوی درجہ کی قوم کے افراد معلوم ہونے لگیں گے یہ خیال اور یہ نقطہ نظر ان کے بعض مضامین میں بہت صفائی کے ساتھ ملتا ہے۔

''ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ سویلیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز ومہذب کہلائیں''

اپنے رسالہ ''احکام طعام اہل کتاب'' میں کھانے پینے میں انگریزوں کا طریقہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے عربی میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''پس اے مسلمانو! اس پر عمل کرو، خود پسندی اور تکبر کی نیت سے نہیں بلکہ اس نیت سے کہ

مسلمانوں کی حالت میں رفعت و بلندی پیدا ہو جائے تا کہ اس کی ذلت و مسکنت کی بنا پر جس کے لوگ عادی ہو گئے ہیں کوئی قوم ان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے سینوں کا حال معلوم ہے اور وہ ہمارے قلوب کے متعلق صحیح فیصلہ کرتا ہے۔''

سرسید کے نقطہ نظر کے کمزور پہلو

سرسید کے تعلیمی اور اصلاحی منصوبہ کے دو پہلو ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ عالم اسلام کے لیے کوئی انقلابی کام نہیں کر سکے۔

پہلی بات یہ ہوئی کہ انہوں نے اس نظام تعلیم کو (جس کو مغرب میں آخری شکل دی گئی تھی) ہندوستان کے مسلم معاشرے کے حالات اور تقاضوں کا پابند و ماتحت نہیں بنایا جہاں اس کو نافذ کرنا تھا انہوں نے اس کو نئے سرے سے ڈھالنے اور اسلامی شکل دینے پر غور نہیں کیا نہ اس کو مغربی تمدن اور اس کی اس مادی روح سے پاک کرنے کی طرف توجہ کی انہوں نے اس نظام کو مغرب سے اس کی ساری تفصیلات ،خصوصیات ،اس کی روح و مزاج اور ماحول و روایات کے ساتھ جو اس سے وابستہ تھیں جوں کا توں درآمد کیا، انہوں نے صرف مغرب کے تعلیمی نظام ہی پر اسرار نہیں کیا بلکہ مغربی تمدن اور روح کے قبول کرنے پر بھی شدید اصرار کیا۔ کالج کے قواعد میں یہ اصول قرار دیا گیا کہ کم سے کم ایک پرنسپل اور دو پروفیسر کالج اور ایک ہیڈ ماسٹر اسکول میں ہمیشہ یورپین ہونا چاہیے اور جہاں تک کالج کی آمدنی میں گنجائش ہو اس تعداد میں اور اضافہ کیا جائے۔

چنانچہ بڑے اساتذہ میں کم سے کم چار پانچ ضرور انگریز ہوتے تھے جو مختلف شعبوں میں تنظیم و نگرانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کالج کے نظام اور طلباء کے اخلاق پر ان کا گہرا اثر ہوا اور آخر کار ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جو نام کے لحاظ سے مسلمان اور ذہن و دماغ کے لحاظ سے خالص مغربی تھی۔ معاشرت و تمدن میں انگریز طور و طریق کی پابند اور حامی اور عقائد میں کمزور اور متزلزل۔

دوسرا کمزور پہلو یہ تھا کہ ان کا سارا زور انگریزی زبان و ادب کے حصول اور اعلیٰ تعلیم پر تھا۔ اور عملی علوم کی طرف (جو ترقی کا زینہ اور اور مغربی اقوام کی ترقی اور کامرانی کا راز ہیں اور جن کے انقلاب انگیز اثرات و نتائج کا انہوں نے انگلستان کے قیام میں مشاہدہ کیا) انہوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی حالانکہ مغرب سے لینے کی اور اس میں کمال حاصل کرنے کی اگر کوئی چیز تھی تو یہی تھی۔ بلکہ

انہوں نے صنعتی تعلیم کی تحریک وتجویز کی سخت مخالفت کی اور اس موضوع پر سخت اور تلخ مضامین لکھے اس سلسلہ کا آخری مضمون وہ تھا جو 19 فروری 1898 میں انہوں نے علی گڑھ گزٹ میں شائع کروایا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی موجودہ حالت کے لحاظ سے عملی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سب سے مقدم واعلیٰ درجہ کی دماغی تعلیم کی ضرورت ہے جواب تک بالکل پورے طور پر پوری نہیں ہوئی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اسلامی ادارہ خالص علمی وادبی رجحان کے ساتھ آگے بڑھا اور مغربی تمدن کی تقلید کا ذوق اور انگریزی ادبیات میں کمال حاصل کرنے کا شوق اس کے ذہین اور حوصلہ مند طلباء پر غالب رہا۔ اس نے انگریزی کے بعض اچھے مقرر، صاحب قلم پیدا کیے لیکن قدرتی طور پر ریاضی، طبیعات، کیمسٹری، ٹکنالوجی اور صنعتی علوم میں جن کی اسلامی ہند کو سخت ضرورت تھی ممتاز شخصیتیں اور غیر معمولی افراد پیدا نہ ہوسکے اور اس کی وجہ سے اس کا دائرہ اثر سرکاری ملازمتوں اور معمولی انتظامی اداروں تک محدود رہا۔

مصر میں طہٰ حسین کی مغربیت اور اس کی طرف دعوت

جس طرح مصطفیٰ کمال نے قوت کے ذریعے سے ترکی کو ایک مغربی اور سیکولر اسٹیٹ بنایا اور سرسید احمد خان نے علی گڑھ کی بنیاد رکھ کر تغریب کی ایک فیکٹری بنائی اور برصغیر کے نوجوانوں کو مغربیت کی ترغیب دی جس کے اثرات ہم اب تک بھگت رہے ہیں اسی طرح ڈاکٹر طہ حسین نے مصری قوم کو مغربی ثقافت کو اختیار کرنے کی دعوت اور ترغیب دی اور اپنی عمر اور تحریروں کو اس میں صرف کیا۔ وہ اپنے مشہور کتاب ''مستقبل الثقافۃ فی مصر'' میں کہتے ہیں:

''ہمیں اہلِ یورپ کے طریقے پر چلنا چاہیے اور ان کی سیرت و عادات اختیار کرنا چاہیے تا کہ ہم ان کے برابر ہوسکیں اور تہذیب کے خیر وشر، تلخ وشیریں، پسندیدہ وناپسندیدہ ہر چیز میں ان کے رفیق کار اور شریک حال ہوسکیں''

''ہم ایک یورپین کو باور کرادیں کہ اشیاء کو ہم اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے ایک یورپین دیکھتا ہے۔ ان کی وہی قدر و قیمت ہماری نظر میں ہے جو اس کی نظر میں ہے۔ ان کے متعلق وہی رائے قائم کرتے ہیں جو ایک مغربی کرتا ہے۔''

طٰہٰ حسین نے اپنی پوری ذہانت ، ادبیت اور تاریخی مطالعہ اس چیز کے ثابت کرنے میں صرف کیا کہ مصری فکر و دماغ یا تو بالکلیۃ مغربی فکر و دماغ ہے یا اس سے بہت زیادہ قریب ہے اور اس کا یونانی فکر سے جس قدر گہرا لگاؤ ہے، مشرقی فکر سے اسی قدر بُعد ، وہ قدیم زمانہ عہد فرعونی سے آج تک کسی زمانہ میں کسی حملہ آور تہذیب سے متاثر نہیں ہوا۔ نہ وہ اہلِ ایران سے متاثر ہو۔ نہ یونانیوں ، نہ عربوں اور نہ مسلمانوں سے (جنہوں نے صدیوں مصر پر حکومت کی) ان کے نزدیک اگر مصری فکر و دماغ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک کسی تہذیب سے متاثر ہوا ہے تو وہ مغربی تہذیب ہے اور اگر اس نے مختلف قسم کے فوائد کا تبادلہ اور افادہ و استفادہ کا طبعی فرض انجام دیا ہے تو صرف بحر روم کی اقوام سے ۔۔۔وہ کہتے ہیں :

’’اس سے بڑھ کر بے عقلی اور سطحیت کی بات کوئی نہ ہوگی کہ مصر کو مشرق کا ایک حصہ اور مصری فکر کو ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر سمجھا جائے‘‘

طہٰ حسین ایک چھوٹی شخصیت نہیں تھے بلکہ مصر کے نامور اور مشہور ادباء میں سے تھے اور مصر کے وزیر تعلیم بھی رہے ہیں اس لیے انہوں نے مصر کی تغریب میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

مغربی تہذیب کی پیروی کے نتائج

اجتماع و معاشرت اور سوشل زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرزِ معاشرت کو قبول کر لینا اسلامی معاشرہ میں بڑے دوررس نتائج رکھتا ہے۔ اس وقت مغرب ایک اخلاقی جذام میں مبتلا ہے جس سے اس کا جسم برابر کٹتا اور گلتا چلا جا رہا ہے اور اب اس کی عفونت پورے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس مرضِ جذام کا سبب اس کی جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انارکی ہے جو بہیمیت اور حیوانیت کی حدود تک پہنچ گئی ہے لیکن اس کیفیت کا بھی حقیقی و اولین سبب عورتوں کی حد سے بڑھتی ہوئی آزادی، مکمل بے پردگی، مرد و زن کا غیر محدود اختلاط اور شراب نوشی تھی۔ کسی اسلامی ملک میں اگر عورتوں کو ایسی ہی آزادی دی گئی۔ پردہ یکسر اٹھا دیا گیا۔ دونوں صنفوں کے اختلاط کے آزادانہ مواقع فراہم کیے گئے۔ مخلوط تعلیم جاری کی گئی تو اس کا نتیجہ اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی، سول میرج، تمام اخلاقی و دینی حدود و اصول سے بغاوت اور بلا اختصار اس اخلاقی جذام کے سوا کچھ نہیں جو مغرب کو ٹھیک ان اسباب کی بنا پر لاحق ہو چکا ہے، ان اسلامی ملکوں میں جہاں مغربی تہذیب کی پر جوش نقل

کی جارہی ہے اور جہاں پردہ بالکل اٹھ گیا ہے اور مردوزن کے اختلاط کے آزادانہ مواقع حاصل ہیں ۔ پھر صحافت ، سینما ، ٹیلی وژن ، لٹریچر اور حکمران طبقے کی زندگی اس کی ہمت افزائی بلکہ رہنمائی کررہی ہے ، وہاں اس جذام کے آثار وعلامات پوری طرح ظاہر ہونے لگی ہیں اور یہ قانونِ الٰہی ہے جس سے کہیں مفر نہیں ۔

تجدد ومغرب زدگی کے اسباب اوران کا علاج

عالمِ اسلام میں ملک وسوسائٹی کی نئی تعمیر وتشکیل کے لیے جو بھی اٹھتا ہے وہ کمال اتاترک ہی کے نقش قدم پر چلتا ہے اور ملک کی ترقی واستحکام کا راز تجدد اور مغربیت ہی میں سمجھتا ہے تو ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ آیا یہ محض اتفاق ہے یا یہ کمال اتاترک کی طاقتور شخصیت کا نتیجہ ہے؟ یا اس کی تہ میں اس سے زیادہ ٹھوس ، مؤثر اور عالمگیر اسباب پائے جاتے ہیں

ہمارے نزدیک اس کے کچھ گہرے ، ٹھوس اور عمومی اسباب ہیں ۔ ہم یہاں مختصر طریقے پر ان اسباب وعوامل (Factors) کا جائزہ لیں گے ۔

مغربی نظام تعلیم

مغربی نظام تعلیم اپنی ایک روح اور اپنا ایک منفرد ضمیر رکھتا ہے جو اپنے واضعین ومرتبین کے عقیدہ وذہنیت کا عکس ، ہزاروں سال کے طبعی ارتقاء کا نتیجہ ، اہل مغرب کے مسلمہ افکار واقدار کا مجموعہ اور ان کی تعبیر ہے ۔ یہ نظام تعلیم جب کسی اسلامی ملک یا مسلمان سوسائٹی میں نافذ کیا جائے گا تو اس سے ابتداءً ذہنی کشمکش ، پھر اعتقادی تزلزل ، پھر ذہنی اور بعد میں (الا ماشاء اللہ) دینی ارتداد قدرتی ہے ۔ ایک سلیم الطبع مغربی مبصّر محمد اسد نے جس کو مغرب کے نظام تعلیم اور مشرق میں اس کے نتائج کا وسیع تجربہ ہے صحیح لکھا ہے :

> ’’اسطرح کی تعلیم نوجوانوں کے دماغ میں اس کے علاوہ کوئی اور اثر نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں اور اپنی پوری ثقافت اور اپنے مخصوص تاریخی عہد کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں اور مستقبل میں انکے لیے ترقی وخدمت کے جو وسیع وروشن امکانات ہیں ان کا انکار کرنے لگیں ۔ اس طرح وہ ایک ایسی منظم تربیت حاصل کرتے ہیں جس میں اپنے ماضی اور اپنے مستقبل کی حقارت پورے طور پر کارفرمائی ہوتی ہے ۔ ان کے نزدیک

انکے مستقبل کی کامیابی صرف اس میں ہے کہ وہ مغربی معیار کے مطابق اور مغرب کے افکار واقدار سے ہم آہنگ ہوں۔

مشہور انگریز ماہر تعلیم لارڈ میکالے نے جو 1835م میں اس تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے جو یہ طے کرنے کے لئے بیٹھی تھی کہ ہندوستان کو مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم دی جایا کرے۔ اپنی رپوٹ میں لکھا تھا:

''ہمیں ایک ایسی جماعت تیار کرنی چاہیئے جو ہمیں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان ترجمان ہو، یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔

یہ مغربی نظام تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے قسم کی لیکن خاموش نسل کُشی کے مترادف تھا۔ عقلاء مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام طریقہ کو چھوڑ کر اسکو اپنے سانچے میں ڈھالنے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لئے جابجا مراکز قائم کیے جن کو تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا۔ اکبرالہ آبادی مرحوم نے اس سنجیدہ تاریخی حقیقت کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ایک دوسرے شعر میں انہوں نے مشرقی ومغربی حکمرانوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

مشرق تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغرب اس کی طبیعت کو بدل لیتے ہیں

اقبال نے بہت خوب کہا تھا:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

اقبال مغرب کے نظامِ تعلیم کو دین واخلاق کے خلاف ایک سازش قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

ترکی سے لے کر انڈونیشیا تک آپ کو مسلمان ممالک کے جتنے سربراہ اور رہنما نظر آئیں گے وہ سب اسی مغربی نظام تعلیم کی پیداوار ہیں، ان میں سے جن کو براہ راست کسی مغربی ملک یا یورپ کے کسی مشہور تعلیمی مرکز میں پڑھنے اور پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملا، انہوں نے اپنے ملک میں رہ کر اس نظام تعلیم سے (اس کے مخلص نمائندوں کی نگرانی و سرپرستی میں) پورا فائدہ اٹھایا، ان میں سے متعدد اشخاص نے ملٹری کالجوں میں تعلیم پائی جہاں مغربی طرز تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔

اسی بنا پر آج عالم اسلام میں دو ذہنوں، دو فلسفوں، دو معیاروں اور دو رخوں کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اور جو عام طور پر منتج ہوتی ہے زیادہ طاقتور، مسلح، صاحب اختیار و اقتدار گروہ کی کامیابی پر، وہ بالکل قدرتی ہے۔ وہ اگر ہے تو خواہ کتنے افسوس کی بات ہو تعجب کی بات نہیں، تعجب اس وقت ہوتا ہے جب یہ کشمکش اور تجدد و مغربیت کا یہ رجحان پایا نہ جاتا۔

زہر کا تریاق

اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس تعلیم کو ازسرنو ڈھالا جائے اس کو مسلمان قوم کے عقائد و مسلّمات اور مقاصد و ضروریات کے مطابق بنایا جائے، اس کے تمام علوم و مضامین سے مادہ پرستی، اللہ بیزاری، اخلاقی و روحانی اقدار سے بغاوت اور جسم پرستی کی روح نکال کر اس میں اللہ پرستی، اللہ طلبی، آخرت کی کوشش، تقوی شعاری اور انسانیت کی روح پیدا کی جائے۔ زبان وادب سے لے کر فلسفہ و نفسیات تک، اور علوم عمرانیہ سے لے کر معاشیات و سیاسات تک سب کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالا جائے۔ مغرب کے ذہنی تسلط کو دور کیا جائے۔ اس کی معصومیت و امامت کا انکار کیا جائے۔ اس کے علوم و نظریات کو آزادانہ تنقید اور جرات مندانہ تشریح (پوسٹ مارٹم) کا موضوع قرار دیا جائے۔ مغرب کی سیادت و بالاتری سے عالم انسانی کو جو عظیم الشان نقصانات پہنچے ان کی نشاندہی کی جائے، غرض مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے علوم و فنون کو پڑھایا جائے اور اس کے تجارب و علوم کو مواد خام فرض کر کے اپنی ضرورت اور اپنے قدو قامت اور اپنے عقیدہ و معاشرت کے مطابق سامان تیار کیا جائے۔

مغربیت کے عالمگیر رجحان کے اسباب اور بھی ہیں لیکن میں صرف ایک پر اکتفاء کرتا ہوں کیونکہ باقی اسباب اسی ایک سے منسلک و مستنبط ہیں۔

مغرب سے استفادہ کا حقیقی میدان اور اس کے حدود

تیسرا موقف

حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے اس کے نزدیک دین صحیح اور علم صحیح میں ٹکراو ممکن نہیں ، اس کے نزدیک وسائل کے خیر وشر ہونے کا فیصلہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کن مقاصد کے ماتحت استعمال ہوتے ہیں، اس کے نزدیک ہر طاقت ، ہر تحقیق ، ہر علم ، ہر موثر ذریعہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے دین کے لیے استعمال ہو اور مخلوق کے فائدے کے کام آئے اس کا فرض ہے کہ وہ اسکو غلط محل سے نکال کر صحیح محل میں استعمال کرے اور کو تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بنائے اس لیے عالمِ اسلام کے لیے اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ مغرب سے علم وصنعت ،ٹیکنالوجی اور سائنسی ، اور ان علوم وتحقیقات میں جن کا تعلق تجربے ،حقائق وواقعات اور انسانی محنت وکاوش پر ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے پھر ان کو ان مقاصد کے لیے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کے ساتھ ان اعلی مقاصد کے تابع اور خادم بنایا جائے جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کیے، اور جن کی وجہ سے ان کو خیر امت، اور آخری امت کا لقب ملا ہے۔ وسائل ومقاصد کا یہ خوشگوار امتزاج جس سے سر دست مغرب بھی محروم ہے اور مشرق بھی ، کہ مغرب تنہا وسائل کا سرمایہ دار ہے اور مقاصد میں صفر ہے اور مشرق صالح مقاصد کا واحد اجارہ دار ہے، اور وسائل میں صفر ہے۔ یہ صحت مند وصالح امتزاج دنیا کی قسمت بدل سکتا ہے اور اس کو خودکشی ،خودسوزی کے راستے سے ہٹا کر فلاح دارین اور سعادت ابدی کے راستے پر ڈال سکتا ہے۔ یہ ایسا کارنامہ ہوگا جو تاریخ کے دھارے اور دنیا کی قسمت کو بدل کر رکھ دے گا۔ یہ کارنامہ وہی امت انجام دے سکتی ہے جو آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین اور اس کی تعلیمات کی حامل وامین ہے۔

مشرق کے ایک باہمت اور حوصلہ مند ملک جاپان نے اس اقدام کا ایک نہایت محدود اور اسلامی نقطہ نظر سے بہت پست معیار کا تجربہ کیا۔ اس نے مغرب سے علم وصنعت میں ایسا استفادہ کیا کہ استاد و شاگرد میں فرق کرنا مشکل ہو گیا اسی کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے معتقدات اور اپنے تہذیبی خصائص وروایات بھی قائم رکھے تو اس اقدام میں جاپان ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے ۔وہ اب محض اپنی صلاحیت اورزندگی کے استحقاق کی بنا پرنہیں جی رہی ہے بلکہ اس لیے کہ بدقسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اس کی جگہ لینے کے لیے تیارنہیں۔اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیراوراس کی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں یااتنی کمزوراورشکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملاسکتیں۔اب اگر اسلامی ممالک اورعالمِ اسلام اس خلا کو پر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے تو مغربی تہذیب کے خاتمے سے اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جاسکتا ہے جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جری وقوی اورتازہ دم،علم وعمل سے آراستہ ملت وقیادت کے سپرد کیا جا تا رہا ہے۔اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا مغرب کی دائمی حاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے یا دنیا کی رہنمائی کا منصب عالی اور عالم انسان کی ہدایت کی مسند رفیع جس سے بڑھ کر کوئی سرفرازی اورسربلندی نہیں۔ کیااس کے لیے ظاہری نام ونمود،عہدہ ومنصب،لذت وراحت اور مادی وجسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے ؟ اگر اس کے لیے سوجانیں بھی قربان کی جائیں تو درحقیقت گھاٹے کا سودااورزیاں اورنقصان کا معاملہ نہیں ہوگا۔

مغربی ثقافت کی یلغار سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

پہلے گزرچکا ہے کہ مغربی ثقافت کی یلغار کا سب سے اہم اور بڑا سبب مغربی نظام تعلیم اوراس کی طرف دعوت دینے والے بھی اس نظام تعلیم کی پیداوار ہیں تو ظاہر ہے کہ اصلاح اوراس کی یلغار سے بچاو بھی اس تعلیم کی اصلاح ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔جس کا ذکرتفصیلاً گزرچکا ہے لیکن کچھ اورطریقے بھی ہیں جن کے ذریعے سے مغربی تہذیب کی یلغار کوکنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

1 صحیح عقیدہ اختیار کرنااوراس کی دعوت دینا:

مغربی ثقافت کی یلغار سے بچنے کے لیےصحیح عقیدہ بہت ضروری ہے کیونکہ جب کسی مسلمان کا عقیدہ صحیح ہواوراسکومعلوم ہو کہ انسانیت کی سعادت اورفلاح دین ربانی ہی میں ہےتو وہ مغربی ثقافت سے کبھی بھی متاثرنہیں ہوگا۔ اور بالاولی اس کی طرف دعوت نہیں دیگا بلکہ اسسے تنفیر کا کام کرے گا۔

2. **اسکولوں، کولجوں اور یونیورسٹی کے نصاب میں عقائد کی کتابیں مقرر کرنا اور پھر ان کو ایک جاندار مضمون کی طرح پڑھانا۔** ولاء و براء پر زور دینا اور طالب علموں کو سمجھانا کہ اسلام کو ماننے کے ساتھ ساتھ غیر اسلام کو نفرت کی نظر سے دیکھنا بھی ضروری ہے ورنہ ایمان اور اسلام کامل نہیں ہو سکتے اور یہ بھی بتانا کہ مسلمان کے ساتھ محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ کفار سے نفرت اور بغض رکھنا بھی ضروری اور ایمان کا حصہ ہے۔

3. **علماء کرام اور مفکرین کی ایک جماعت تشکیل دینا تاکہ وہ مغربی ثقافت کا چہرہ عوام اور خواص کے سامنے ظاہر کر سکے** اور مغربی ثقافت کا صحیح محاکمہ کر سکے اور جن لوگوں نے پہلے اس فیلڈ میں کام کیا ہے اور کتابیں لکھی ہیں ان کی کتابوں کا تعارف کرا سکے۔

4. **جو لوگ مدرسوں اور اسکولوں میں نہیں پڑھ سکتے ان کے لیے مساجد میں خاص اہتمام کرنا اور ان کو بتانا کہ مغربی تہذیب انسان کے لیے موت اور معاشرے کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں۔**

5. **میڈیا کی اصلاح کرنا** کیونکہ یہ میڈیا کا دور ہے آج بچے سے لیکر بوڑھوں تک سب لوگ انٹرنیٹ، فیس بک، ٹیلی وژن وغیرہ استعمال کرتے ہیں تو حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان چیزوں کو اسلامی ثقافت کی اشاعت اور مغربی ثقافت کی فضاحت میں استعمال کریں۔

6. **عورت کی اصلاح**

عورت کی اصلاح آدھے معاشرے کی اصلاح ہے اس لیے مغرب کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ عورت کو ہدف بنائے کیونکہ اگر عورت بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو آدھا معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ عورت امت کے پالنے والی ہوتی ہے بچے اس کی آغوش میں تربیت پاتے ہیں عورت ہی کسی کی ماں ہوتی ہے تو کسی کی بیوی اور کسی کی بہن اور ان سب لوگوں پر اس کے اثرات پڑتے ہیں تو اس کی اصلاح ان سب لوگوں کی اصلاح ہے تو اس لیے اس کی تربیت اور اصلاح پر اہتمام دینا چاہیے۔

دینِ اسلام میں تفریح کا تصور

شاہ فیض الابرار صدیقی
مدرس جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی

دین اسلام میں تفریح کا تصور

تفریح کا تصور ہر زمانے اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے البتہ ہر قوم اپنی تہذیب وتمدن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرتی رہی ہے، مثلا رقص، ڈرامے، موسیقی، گانے اور مختلف طرح کے کھیل کود وغیرہ۔ اور کچھ اقوام میں تو تفریح کے ان مظاہر کو مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے اور کچھ اقوام میں اس کا تعلق صرف ثقافت سے ہے۔

لیکن عصر حاضر میں نت نئی ایجادات نے تفریح کا تصور بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے۔ عمومی طور پر زمانہ ماضی میں تفریح کا تصور جسمانی تربیت ونشوونما کے ساتھ وابستہ تھا اور بغور جائزہ لیا جائے تو زمانہ ماضی میں تفریح وکھیل کے جتنے بھی مظاہر تھے ان سب میں یہی پہلو اجاگر تھا، یہاں تک کہ گھریلو خواتین کے کھیل بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتے تھے اس کے بالکل برخلاف جدید ایجادات جیسے ڈش، کیبل، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اسمارٹ موبائل فونز جن کو ذرائع ابلاغ بھی کہا جاتا ہے نے تفریح کے تصور کو بہت وسیع بنا دیا ہے اور اس وسعت نے سب سے پہلے سابقہ تصور تفریح میں موجود اجتماعیت کو ختم کر دیا اور انفرادیت کو رائج کیا۔ اور المیہ تو یہ ہوا کہ ان وسائل کے ذریعہ پیش کیے جانے والے پروگرام جس میں فلمیں، کارٹونز، کھیل، گانے، فیشن اور ٹی وی شو وغیرہ کو بھی تفریح کا نام دے دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت تہذیبی جنگ میدان میں یا اسلحے کے ساتھ نہیں لڑی جارہی بلکہ عقیدہ اور اخلاق کے میدان میں لڑی جارہی ہے اور تفریح کے نام پر غیر اسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔

اسلام صرف عقائد کے باب میں میانہ روی یا اعتدال پرستی کا تعلق تمام شعبہ حیات سے ہے اور اس کا یہی خاصہ بھی ہے، اور اس کی دوسری سب سے بڑی خوبی اس کے کسی بھی ضابطے کا تعلق غیر فطری یا غیر عقلی تصورات سے نہیں، یعنی کہیں بھی اس نے انسان کی جائز ضروریات پر کوئی قدغن نہیں لگائی البتہ کچھ اصول وضوابط کے ذریعے اس کی حد بندیاں ضرور کر دیں تا کہ فساد بپا نہ ہو۔

اقوامِ یورپ کی طرح پوری زندگی کو کھیل کود بنا دینا اور "زندگی برائے کھیل" کا نظریہ اسلام کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، بلکہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے، اخلاقی حدود میں رہ کر کھیل کود، زندہ دلی، خوش مزاجی اور تفریح کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے، بلکہ بعض اوقات چند مفید کھیلوں کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اسلام کے تصورِ تفریح پر بات کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان کا تعارف کروا دیا جائے۔

تفریح کیا ہے؟

تفریح کا لفظ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو "فرح" سے مشتق ہے جس کے معنی گپ شپ، دل لگی، ہنسی مذاق، خوشی ومسرت، فرحت اور اطمینان وغیرہ حاصل کرنے کے آتے ہیں۔ فرح کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''الفرح لذة تقع في القلب بإدراك المحبوب''[1]

کہ محبوب چیز کے پا لینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اسی کو فرحت اور خوشی کہتے ہیں۔

اگر یہ فرحت محض قلبی ہو اور احساس نعمت یعنی شکر گزاری سے تعبیر ہو اور اس کے فضل وکرم کے استحضار پر مبنی ہو تو وہ شرعاً مطلوب، مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ [یونس:58]

ترجمہ ''آپ کہہ دیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہے، تو چاہیے کہ وہ لوگ خوش ہوں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ [آل عمران:170]

ترجمہ: ''جنتی لوگ خوش ہوں گے، ان نعمتوں پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں''۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً"[2]

---

[1] بدائع الفوائد

[2] الجامع الصغير لجلال الدين السيوطي (3/ 18)، مسند الشهاب: باب من يزرع خيرا يحصد رغبة....(موضوع)

کہ دلوں کو وقتاً فوقتاً خوش کرتے رہا کرو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"القلوب تمل كما تمل الأبدان فابتغوا لها طرائف الحكمة"[1]

ترجمہ:" دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے، جیسے بدن تھک جاتے ہیں، لہٰذا اس کی تفریح کے لیے حکیمانہ طریقے تلاش کیا کرو"۔

مزاح کا شرعی حکم

اسلام کے تصور تفریح کی اساس قرآنی تعلیمات اور احادیثِ نبوی ﷺ پر ہے۔جس میں حلال وحرام، شرم وحیا اور اخلاقی پابندیوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے۔آپ جہاں ایک طرف اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ قدمِ مبارک پر ورم آجاتا تھا وہیں آپ صحابہ کرام سے ہنسی مذاق اور دل لگی بھی کرتے تھے۔اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو ناپسند اور چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔شریعت کی تعلیمات اس امر کا تقاضہ کرتی ہیں کہ مسلمان شریعت کے تمام احکام پر خوشی خوشی عمل کرے۔ یہ عمل تنگ دلی کے ساتھ نہ ہو کیوں کہ سستی اور تنگ دلی کے ساتھ عبادات کو انجام دینا نفاق کی علامت ہے۔ باری جل وعلا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾[النساء :142]

"منافقین جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں"۔

سستی اور کاہلی بے جا فکر مندی اتنی ناپسندیدہ چیز ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور سے پناہ مانگی ہے۔اسی لیے آپ دعا فرماتے تھے:

" وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ"۔[2]

اے اللہ میں عاجزی اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

---

[1] بخاري: كتاب الجهاد و السير،باب من يعوذ من الجبن

[2] بخاري: كتاب الجهاد و السير،باب من يعوذ من الجبن

اسی طرح صحابہ کرام بھی آپس میں ہنستے کھیلتے اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ کیونکہ تفریح کرنا کوئی ناجائز کام نہیں بشرطیکہ اسے مستقل عادت نہ بنالیا جائے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ سے کام لے۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے: ''تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹی باتیں کرتا ہے۔ اس کے لیے تباہی ہے۔اس کے لیے تباہی ہے''۔[1]

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ لوگوں کی قدر و منزلت اور عزت کا خیال نہ رکھے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾[الحجرات:11]

ترجمہ: اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

مزاح اور زندہ دلی وخوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہوجانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک محض بنادیتا ہے۔ بسا اوقات ہمجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت ومزاح کا برتاؤ ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر عظمت و رفعت اور شان وشوکت کے باوجود، بسا اوقات اپنے جاں نثاروں اور نیازمندوں سے مزاح فرماتے تھے۔ ذیل کی احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا پرشفقت مزاح کس طرح ہوا کرتا تھا۔

سنت رسول ﷺ سے مزاح کی چند مثالیں

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول ﷺ! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں

[1] ترمذي :كتاب الزهد باب في من تكلم بكلمة ليضحك الناس

مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)''۔[1]

✵ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ 'بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس بے چاری نے عرض کیا ان بوڑھیوں میں کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی۔ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی؟[2]

﴿إِنَّآ أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ [الواقعہ:36]

کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشوونما کریں گے اوران کو نوخیز دوشیزائیں بنا دیں گے۔

✵ جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے اونٹ مانگا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! میں تم کو سواری کے لیے اونٹ کا بچہ دوں گا، اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں''۔[3]

✵ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں (ازراہِ مزاح وشفقت) "یا ذاالأذنین" اے دو کان والے کہہ کر مخاطب کیا۔ (حالاں کہ ہر شخص دو کان والا ہوتا ہے)۔[4]

✵ سیدنا نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اسی درمیان آپ کو گھریلو معاملات میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز بلند محسوس ہوئی۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف مارنے کے لیے لپکے اور اپنی بیٹی عائشہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول ﷺ سے

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی: باب میم (حسن لغیرہ) و معجم الزوائد ص 303/8

[2] الشمائل المحمدیہ للترمذی: باب الجنة لا تدخلها عجوز

[3] جامع ترمذی: کتاب البر و صلة، باب ماجاء فی المزاح

[4] جامع ترمذی: کتاب البر وصلة،باب یا ذا الأذنین

اونچی آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں؟! یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ کو ان کے والد کی مار سے بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں گھر سے نکل گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نکلتے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا خیال ہے؟ میں نے تمہیں اس شخص (الرجل) سے بچایا کہ نہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک ناراض رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی، گھر جا کر محسوس کیا کہ آپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین صلح ہو چکی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ: ''آپ دونوں مجھے اپنی صلح میں شامل کر لیجیے، جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنے جھگڑے میں شامل کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ: جی ہاں آپ کو صلح میں شامل کر لیا۔

(اس حدیث میں ابوّت کے رشتہ کے حامل بزرگ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو محض (الرجل) کہنے سے جو مزاح پیدا ہوتا ہے، اسے کوئی بھی شخص محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا)۔

✳ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا، جب کہ آپ چمڑے سے بنے سائبان میں قیام پذیر تھے۔ میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آجاؤ میں نے عرض کیا: پورا کا پورا آجاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پورا کا پورا۔ (جگہ کی قلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے جس محبت کے ساتھ مزاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ اخلاق مندی سے انہیں کے مزاحیانہ اسلوب میں جواب دیا)''۔ [1]

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے کبھی کبھی مزاح کی نہ صرف گنجائش ہے، بلکہ مستحسن ہے اور اسوہ نبوی کی اتباع ہے، لیکن اگر مزاح دوسرے آدمی کے لیے ناگواری اور اذیت کا باعث بن جائے، یا حد سے زیادہ ہنسی کا ذریعہ بن جائے یا مزاح کا عمل کبھی کبھار کے بجائے کثرت سے ہونے لگے، تو ایسے مزاح کی ممانعت ہوگی اور اس کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح

مزاح سے متعلق چند شرعی قواعد وضوابط

❶ ہنسی مذاق میں دین حنیف کا مذاق نہیں ہونا چاہئے

ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔فرمان باری جل وعلا ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾[التوبة:65]

اگران سے پوچھوتوکہیں گے کہ ہم توکھیل مزاح کررہے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ، اس کی آیات، اوراس کے رسول کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے اس عمل سے بندہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوجاتا ہے''[1]

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسے ارتداد قرار دیا ہے۔اس میں وہ مذاق بھی شامل ہے جیسا کہ بعض لوگ چند شرعی احکام کو مذاق بناتے ہیں جن میں ٹخنے سے کپڑا اونچا رکھنا، داڑھی بڑھانا، نماز اورروزہ وغیرہ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''جس نے ہنستے ہوئے گناہ کیا وہ روتے ہوئے جہنم میں داخل ہوگا''[2]

❷ مزاح سچائی پر مشتمل ہونا چاہئے نہ کہ جھوٹ پر

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا''اس شخص کیلئے ہلاکت ہے جو بات کرتا ہے اس میں جھوٹ بولتا ہے تاکہ قوم کا ہنسا سکے اس کے لئے تباہی اور ہلاکت ہے''۔[3]

ایک اورروایت میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:''بندہ ایسی بات کرجاتا ہے کہ جس

---

[1] مجموع الفتاویٰ: 7 / 273:

[2] الحلية لأبي نعيم : 96/4،والفردوس ، للديلمي و3/ 578:

[3] ابوداؤد:كتاب الأدب، باب في التشديد في الكذب

سے اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو ہنسا سکے اور اس بات کی وجہ سے جہنم میں اتنا دور جا گرتا ہے جیسا کہ دنیا سے ثریا"۔ [1]

مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزاح کے طور پر جو گفتگو کی جائے، وہ ظرافت ولطافت کے باوصف فی نفسہ صحیح اور درست ہو، خوش طبعی کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا بھی مذموم ہے۔

3 مزاح میں کسی کا تمسخر اور استہزاء مقصود نہ ہو

یہ ایک حرام اور ناجائز عمل ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى ....﴾[الحجرات : 11]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس سے مراد لوگوں کو حقیر کمتر سمجھنا، ان کا مذاق اڑانا، یہ ایک حرام کام ہے اور منافقین کی صفت ہے"۔ [2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں روایت نقل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لوگوں کا تمسخر اور ٹھٹھ اڑانے والوں کیلئے جنت کا دروازہ کھولا جائے۔ ان میں سے ایک کو کہا جائے گا کہ آ جاؤ، جب وہ اپنے غم وکرب اور تکلیف میں مبتلا دروازے پر پہنچے گا جب وہ قریب آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا"[3]

کسی کا مذاق اڑانے والے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ کسی کا مذاق اڑا رہا ہے تو کہیں اللہ تعالیٰ بطور سزا اس پر وہ کیفیت اور صفت مسلط نہ کر دے۔ اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اپنے بھائی کا تمسخر نہ اڑاؤ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کا مذاق اڑانے، مسلمانوں کو تکلیف دینے سے منع فرمایا اور کسی بھی مسلمان کی تحقیر کے سلسلے میں احادیث میں سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

---

[1] مسند احمد :

[2] تفسیر ابن کثیر :376/7

[3] شعب الایمان للبیہقی 5 / 310

" اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمه وَلاَ يَخْذُله وَلاَ يُحَقِّرُه "[1]

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،اس پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کرے۔اس کو بے یار ومددگار نہ چھوڑے اور اس کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ نہ کرے۔ پھر آپ نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے۔

تکلیف دہ مزاح کی ممانعت کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور اس سے مذاق نہ کرو اور اس سے تم ایسا وعدہ نہ کرو جس کی وعدہ خلافی کرو۔اس حدیث میں دیگر تکلیف دہ اعمال (جھگڑا، وعدہ خلافی) کے ساتھ اس مزاح کی بھی ممانعت کی گئی ہے؛ جو اذیّت ناک اور ناگواری کا باعث ہو۔

4 مسلمان بھائی کو بطور مذاق ڈرائے یا دھمکائے نہیں

امام ابوداؤد نے سنن میں ابن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی کہ "ہمیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص سو گیا تو ایک اور فرد نے اس کے پاس موجود رسی سے اسے پکڑا وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ڈرائے"۔[2]

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کا سامان کھیل کود میں یا سنجیدگی میں نہ لے"۔[3]

5 مذاق میں حد سے زیادہ انہماک نہ ہو

مذاق میں حد سے زیادہ منہمک ہونا، طول دینا، اور مبالغہ آمیزی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مذاق کا

[1] صحيح مسلم: كتاب البر و الصلة,باب تحريم الظلم...

[2] رواه ابوداؤد :كتاب الأدب , باب من يأخذ الشيء علي المزاح

[3] رواه ابوداؤد :كتاب الأدب ,باب لا يأخذن أحدكم متاع أخيه....

بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ وہ وقتی اور محض کچھ دیر کی خوش طبعی کیلئے ہونا چاہئے نہ کہ اسے پیشہ بنایا جائے۔ مومنین کی صفات سنجیدگی ہے، ہنسی مذاق محض بطور رخصت کے اجازت دی گئی ہے بعض لوگ سنجیدگی اور کھیل کے وقت میں فرق نہیں کرتے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کی ایک بہت بڑی غلطی اور جرم یہ ہے انہوں نے مذاق کو پیشہ بنالیا ہے'' [1]

اتفاقیہ طور پر حسبِ موقع مزاحیہ گفتگو کرلینا اور تفریحی اشعار کہہ سن لینا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن اس کے لیے اہتمام سے اجتماع کرنا اور اس میں گھنٹوں لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکه مَا لاَیَعْنیه'' [2]

یعنی آدمی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ ان امور کو ترک کردے جن سے انہیں سروکار نہیں۔

مستقل طور پر مزاح میں لگے رہنا ممنوع ہے، اس لیے کہ وہ زیادہ ہنسنے کا سبب، قلب کے بگاڑ کا ذریعہ اور ذکر اللہ سے اعراض کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار ہی مزاح فرماتے تھے، وہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے یا مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے۔

ہنسی کے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور بلا موقع اور محل تکلف سے ہنسنا اور قہقہہ لگانا فطرت کے خلاف عمل ہے۔ موجودہ دور میں ڈاکٹروں کی رائے میں اگرچہ ہنسنا انسانی صحت کی برقراری اور اس کو چست ونشیط رکھنے کے لیے معاون فعل ہے، اس کے لیے خاص طور پر ہنسنے کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں لوگ تکلف قہقہہ لگاتے ہیں اور دیر تک ہنسنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ عمل شرعی لحاظ سے مناسب نہیں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' لاَتُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ '' [3]

کہ تم زیادہ مت ہنسا کرو، اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین للغزالی 3/ 129

[2] ترمذي: كتاب الزهد باب في من تكلم بكلمة ليضحك الناس

[3] ترمذي: كتاب الزهد، باب من اتقى المحارم

اس کے علاوہ قہقہہ لگانا یہاں تک کہ کھل کھلا کر ہنسنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو بالیقین ایمان والوں کے لیے ہر عمل میں بہترین اسوہ ہیں) سے ثابت نہیں، بلکہ آپ خوشی کے مواقع پر صرف زیر لب مسکرایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طور پر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ جائے، کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے''۔

معلوم ہوا کہ اگر سلسلہ کلام میں کوئی تعجب خیز، حیرت انگیز یا مضحکہ خیز بات زیر تذکرہ آ جائے؛ تو ان پر ہنسنے اور مسکرانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ایسے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا چاہیے، تاکہ دل کا بوجھ ہلکا اور غبار کم ہو اور موجودہ زمانے کی تحقیق کے مطابق صحت، مستعدی اور نشاط میں اضافہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہنسنا اور مسکرانا غافلین کا سا نہ ہو، اس لیے کہ اس طرح کا ہنسنا دلوں کو مردہ کر دیتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہنسا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! بیشک! وہ ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے، لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑ سے زیادہ عظیم ہوتا تھا۔

لہٰذا موجودہ دور کے ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہوئے بہ تکلف قہقہے لگانے کی مجلس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے بلکہ بے تکلف فطری انداز میں جس قدر انسان ہنس لے، وہی اس کی صحت و تندرستی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ زیادہ ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صحت و تندرستی کا سبب نہیں بلکہ دلوں کے مردہ ہونے کا سبب ہے۔ اگر مزاح کے پہلوؤں کی حامل، مفید امور پر مشتمل کوئی کہانی ہو، تو اسے افادیاتی نقطۂ نظر سے انگیز کیا جا سکتا ہے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو عرب کی تیرہ عورتوں اور ان کے شوہروں کا قصہ سنایا جو ''حدیثِ امِّ ذرع'' کے نام سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

لطیفہ گوئی اور مزاح کو ذریعۂ معاش بنانا: کبھی کبھار لطیفہ کہہ دینے یا مزاح اور تفریح کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن مستقل لطیفہ گوئی کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنا لینا، یہ اس مقصد حیات کے برخلاف ہے، جو اسلام افراد اور معاشرے میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور مستقل لطیفہ گوئی اور مزاح و تفریح میں مشغول رہنا انسان کو فکرِ آخرت، ذکر اللہ، عبادت اور تلاوت قرآن سے غافل کر دیتا ہے۔ زیادہ ہنسنے

ہنسانے سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔انھی اسباب کی وجہ سے شعروشاعری کی مذمت کی گئی ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انسان اپنا پیٹ پیپ سے بھرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ: شعر جب ذکر اللہ، قرآن کریم کی تلاوت اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے، اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں۔یہی حال لطیفہ گوئی اور مزاح نویسی کا ہے۔اس کو مستقل پیشہ بنالینا انہماک کی دلیل ہے اور ایسی چیزوں میں غالب انہماک ممنوع ہے، لہٰذا اس کی اجرت وصول کرنا بھی درست نہیں، ازخود کوئی بطور انعام کے دے دے، تو اس کے لینے کی گنجائش ہے۔

6 دوران مذاق عزت ومرتبہ کا خیال رکھا جائے

دوران مذاق لوگوں کے مقام ومرتبہ اور عزت وشرف اور ہیبت ووقار کا لحاظ رکھا جائے۔

کیونکہ صاحب حیثیت ومنزلت افراد کے ساتھ مذاق بسا اوقات دائرہ ادب سے نکل جاتا ہے اور بے ادبی کا احتمال ہوتا ہے اس لئے ایسے افراد سے مذاق کرنے میں احتیاط برتی جائے۔اور دائرۂ ادب کا خیال رکھا جائے۔جیسا کہ بسا اوقات طالب علم استاد سے مذاق کرتا ہے تو وہ بھی دائرہ ادب سے نکل جاتا ہے اور ایک احترام کا رشتہ قائم رہنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم"[1]

اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں یہ امر بھی شامل ہے کہ باریش مسلمان کی تکریم کی جائے۔

امام طاؤس رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''عالم کی عزت وتوقیر کرنا سنت ہے''۔

یہ بھی اسلامی آداب میں سے ہے کہ کسی اجنبی سے مذاق کرنے سے اجتناب کیا جائے جس کی طبیعت نفس اور مزاج سے ناآشنائی ہو۔کیونکہ اس سے مزاح سے حقارت کے برتاؤ کا پہلو نکلتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ''مذاق سے بچو کیونکہ اس سے مروّت جاتی رہتی ہے''۔

---

[1] رواه أبو داود: كتاب الأدب ,باب في تنزيل الناس منازلهم

❼ بیوقوف اور کم عقل افراد سے مذاق کرنے سے اجتناب کیا جائے

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''مذاق میں میانہ روی اختیار کرو، اس میں افراط سے کام لینے سے ہیئت جاتی رہتی ہے اور بے وقوف لوگوں کو آپ کے خلاف جرأت ہو جاتی ہے''۔

❽ مذاق میں کسی مسلمان بھائی کی غیبت اور چغل خوری نہیں ہونی چاہئے

مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اس کے مردہ گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ غیبت اور چغل خوری کا نتیجہ فتنہ ہے۔ عصر حاضر میں مزاح کی غالب صورتیں اس قبیح اور ناپاک جرم سے خالی نہیں، اور غیبت کی شرعی اصطلاح میں یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ ''ذكرك أخاك بما يكره''[1] اپنے مسلمان بھائی کا اس انداز میں تذکرہ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ لہٰذا غیبت اور چغل خوری ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہے مزاح کرنے میں اس سے پرہیز کیا جائے۔

تفریحی کھیل شرعی نقطہ نظر سے

اسلام کے تصور تفریح کا مقصد صرف وقت گزاری نہیں ہے بلکہ اس نے عملی، تربیتی عسکری اور جسمانی ورزش کے مقاصد بھی مدنظر رکھے ہیں۔ تفریح کے نام پر جھوٹ، تہمت، مبالغہ آمیزی اور دوسروں کی نقل اتارنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ اسلام نے ان مجلسوں میں شرکت کرنے سے روک دیا جس میں انسان اس قدر منہمک ہو جائے کہ اسے نماز و دیگر فرائض کا پاس وخیال نہ رہے یا مرد و زن کا بے محابا اختلاط ہو۔

اسی لیے اسلام نے تفریح اور کھیل میں سے صرف انہی چیزوں کی اجازت دی ہے جو جسمانی یا روحانی فوائد کے حامل ہوں اور جو محض ضیاعِ اوقات کا ذریعہ ہوں، فکر آخرت سے غافل کرنے والے ہوں یا دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب یا ضرر رسانی پر مبنی ہوں، ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی نظام کوئی خشک نظام نہیں جس میں تفریحِ طبع اور زندہ دلی کی کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ وہ فطرتِ انسانی سے

---

[1] رواه مسلم : كتاب البر و الصلة و الآداب , باب تحريم الغيبة

ہم آہنگ اور فطری مقاصد کو بروئے کار لانے والا مذہب ہے۔

اصولی ہدایت: اسلام انسان کو ایک بامقصد زندگی گزارنے کی ہدایت دیتا ہے اور کھیل وکود اور لہوولعب پر مشتمل زندگی کی مذمت کرتا ہے۔ بامقصد زندگی جس کی اساس ہمہ وقت اللہ کی خوشنودی کی جستجو، تعمیر آخرت کی فکرمندی اور لہوولعب سے اِعراض ہو وہ زندگی اہل ایمان کی پہچان ہے اور جس کی بنیاد لہوولعب پر مشتمل غفلت و بے پرواہی ہو وہ کفار کا شعار ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾[المومنون:3] کہ اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ لغو اور فضول باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے ہر وہ کام، قابلِ تعریف ہے، جو انسان کو مقصدِ اصلی پر گامزن رکھے۔ ہر اس کام کی اجازت ہے، جس میں دنیا وآخرت کا یقینی فائدہ ہو۔ یا کم از کم دنیا وآخرت کا خسارہ نہ ہو۔ کھیلوں میں سے بھی صرف انہی اقسام کی اجازت ہے، جو جسمانی یا روحانی فوائد کے حامل ہوں۔ وہ کھیل جو محض ضیاعِ اوقات کا ذریعہ ہوں، فکر آخرت سے غافل کرنے والے ہوں وہ کھیل جو دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب یا ضرر رسانی پر مبنی ہوں، ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "كُلُّ مَا يَلهوابه الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ الَّا رَمْيَةٌ بِقَوْسه وَتَأْدِيْبه فَرَسه وَمُلاَعَبَته اِمْرَأته فَانّهن مِنَ الْحَقِّ"[1]

یعنی مردمومن کا ہر کھیل بیکار ہے سوائے تین چیزوں کے: (۱) تیر اندازی کرنا، (۲) گھوڑے سدھانا (۳) اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، کیوں کہ یہ تینوں کھیل حق ہیں۔

لباس و پوشاک سے متعلق: لباس اور پوشاک کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ کھلاڑی کھیل کے دوران ایسا لباس پہنے، جو ساتر ہو یعنی جسم کا وہ حصہ چھپ جائے، جن کا چھپانا واجب ہے، یعنی مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک اور عورت کے لیے پورا جسم ستر میں داخل ہے، ان کا ڈھکا ہوا ہونا واجب ہے۔ لباس اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضا نمایاں ہوں۔ اسی طرح اس

---

[1] سنن الدارمي:كتاب الجهاد، باب في فضل الرمي

لباس میں کفّار کے ساتھ ایسی مشابہت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھنے سے کوئی خاص قوم سے مشابہت سمجھ میں آتی ہو۔ اور نہ اس لباس کا تعلق غیر اسلامی شعار سے ہو۔ مردوں کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَاأَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الازَارِ فِي النَّارِ"[1] کہ جو شخص بھی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنے گا، وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو زعفرانی رنگ کا کپڑا پہنے دیکھا، تو آپ نے فرمایا:''یہ کفار کا لباس ہے اس لیے اسے مت پہنو''۔[2]

عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ تَشَبه بِقَوْمٍ فهوَ مِنهم" ۔[3]

کہ جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی اس کا تعلق اسی قوم کے ساتھ سمجھا جائے گا۔

پسندیدہ کھیل: تیر اندازی اور نشانہ بازی، سواری کی مشق، دوڑ لگانا، بیوی کے ساتھ بے تکلّفانہ کھیل، نیزہ بازی، تیراکی، کُشتی اور کبڈی۔ مذکورہ تمام کھیل چوں کہ احادیث وآثار سے ثابت ہیں اس لیے ان کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا، اور کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔

ناپسندیدہ کھیل: ان کے علاوہ جو کھیل کو درائج ہیں ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جن کھیلوں کی ممانعت کی گئی ہے، وہ سب ناجائز ہیں: جیسے نرد، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو لڑانا۔

البتہ موجودہ زمانے کے چند معروف کھیلوں کے حوالے سے مقاصد شریعت اور اہداف شریعت کی طرف دیکھا جائے گا اور بنیادی اصول وضوابط کو مدنظر رکھا جائے گا۔

مثلاً پتنگ بازی جو کہ کبوتر بازی کے حکم کے ذیل میں آتی ہے یعنی ناجائز۔ اس میں بھی دیگر ناجائز

---

[1] بخاري: كتاب اللباس, باب ماأسفل من الكعبين فهو فى النار

[2] مسلم: كتاب اللباس و الزينة, باب النهي عن لبس الرجل....

[3] ابوداؤد : كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة

کھیلوں کی طرح متعدد مفاسد پائے جاتے ہیں اور بعض علاقوں میں خاص مواقع پر "بسنت منانے" کے عنوان سے وہ ہلڑ بازی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! اس کے علاوہ قوم کے لاکھوں کروڑوں روپے محض پتنگ بازی کے نذر ہوجاتے ہیں۔ بعض اوقات چھتوں سے گر کر جان کا ضیاع بھی ہوتا ہے، کٹے ہوئے پتنگ کو زبردستی لوٹ لیا جاتا ہے، بے پردگی الگ ہوتی ہے، ان امورِ قبیحہ کی وجہ سے پتنگ بازی بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے۔

تاش بازی: یہ کھیل بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے، اس لیے کہ تاش عام طور پر باتصویر ہوا کرتے ہیں۔ تاش کھیلنا عام طور پر فاسق وفاجر لوگوں کا معمول ہے۔ بالعموم اس میں جوا اور قمار کی شمولیت ہوتی ہے۔ اس کھیل میں تفریح کی جگہ پر الٹا ذہنی تکان ہوتی ہے۔ اگر جوے کے بغیر بھی کھیلا جائے، تو شطرنج کے حکم میں ہوکر مکروہ تحریمی کہلائے گا۔ بعض احادیث میں شطرنج کی ممانعت آئی ہے۔ جو مصلحت شطرنج کو منع کرنے میں ہے، وہی بات تاش کھیلنے میں پائی جاتی ہے۔

باکسنگ، فائٹنگ: موجودہ زمانہ میں باکسنگ مُکّا بازی، فری اسٹائل فائٹنگ کے جو مقابلے منعقد ہوتے ہیں، وہ شریعتِ اسلامی میں بالکل حرام ہیں، اسے جائز ورزش کا نام نہیں دیا جاسکتا، ایسے باکسنگ مقابلوں کو ٹی وی پر براہِ راست نشر کرنا بھی جائز نہیں، کیوں کہ اس میں فریق مقابل کو شدید جسمانی اذیت پہنچانے کو جائز تصور کیا جاتا ہے جس سے ہوسکتا ہے کہ مدِ مقابل اندھے پن، سخت نقصان، دماغی چوٹ یا گہری ٹوٹ پھوٹ، بلکہ موت سے بھی دوچار ہوجائے۔ اس میں مارنے والے پر اس نقصان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، جیتنے والے کے حامیوں کو اس کی جیت پر خوشی اور مقابل کی اذیت پر مسرت ہوتی ہے، جو اسلام میں ہر حال میں حرام اور ناقابل قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرۃ: 195] اور تم اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔

بل فائٹنگ: اسی طرح بیلوں کے ساتھ کشتی جس میں تربیت یافتہ مسلح افراد اپنی مہارت سے بیل کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، یہ بھی حرام ہے، کیوں کہ اس میں جانور کو ایذاء پہنچا کر اور جسم میں نیزے بھونک کر قتل کیا جاتا ہے اور بعض اوقات بیل بھی مدِ مقابل انسان کو ختم کر دیتا ہے یہ عمل کسی

بھی حال میں درست نہیں، اس لیے کہ روایت میں ایک بلی کو بھوکا مارنے پر جہنم میں ڈالنے کا مضمون آیا ہے۔

کیرم بورڈ: یہ بھی فساق وفجار کا کھیل ہے اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے بعض علماء احناف کے نزدیک یہ کھیل اگر انہماک اور جوے کے بغیر کھیلا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لوڈو: شطرنج اور کیرم بورڈ کے حکم میں ہے۔

ز **ویڈیو گیم:** ان کا تعلق اگر تعلیم وتربیت سے ہو اور تصاویر و دیگر شرعی قباحتیں نہ پائی جائیں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ایک کھیل scrabble جس میں طالب علم حروف جوڑ کر ایک بامعنی لفظ یا کلمہ بناتے ہیں اور ان بامعنی لفظ کو بنانے کے لیے مختلف معاجم وغیرہ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے

ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈمنٹن، کرکٹ: اگر ان کھیلوں کی نوعیت کسی معصیت، حرام یا ناجائز کام پر مشتمل ہو وہ بھی اس مقصد حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔ مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے، یا اس کھیل میں جوابازی ہو، یا اس میں مرد وعورت کا مخلوط اجتماع ہو، یا اس میں موسیقی کا اہتمام ہو، یا کفار کی خاص مشابہت ہو، یا اس کی وجہ سے فرائض وواجبات میں غفلت ہو رہی ہو۔

اسی طرح وہ کھیل جو بلا مقصد محض وقت گزاری کے لیے کھیلے جاتے ہیں، وہ بھی ناجائز ہوں گے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو مومنوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾[المؤمنون: 3] ''بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں مروّج کھیل مثلاً: ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈمنٹن، کشتی، کرکٹ کی بعض شکلیں وغیرہ، جس میں بھرپور ورزش کا امکان ہوتا ہے، فی نفسہ ان کا کھیل درست ہے، لیکن چوں کہ عام طور پر ان کھیلوں میں اور ان کے لیے منعقد ہونے والے مقابلوں میں مندرجہ ذیل خرابیاں در آئی ہیں: (1) انہماک زیادہ ہونا (2) لوگ فرائض وواجبات سے غافل ہوجاتے ہیں (3) اسراف وتبذیر کی نوبت آتی ہے (4) وقت کا بے پناہ ضیاع ہوتا ہے (5) اکثر کھیلوں میں ستر پوشی کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ (6) اکثر جگہوں پر مرد وعورت کا اختلاط ہوتا ہے (7) محرمات: مثلاً بدنظری، گانا، ڈانس، ہلڑبازی کا ارتکاب ہوتا ہے (8) بعض کھیل کے ماہرین کو قومی ہیرو اور آئیڈیل کا

درجہ دے کر نونہالوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔(9) سٹے بازی، جوے بازی، میچ فکسنگ اوراسپاٹ فکسنگ کا سیلاب بلاخیز آیا ہوا ہے لہٰذا مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے ان کھیلوں کے عدمِ جواز کا حکم لگایا جاتا ہے۔

تعلیم وتذکیر کے لیے فلموں کا استعمال: فلم درحقیقت عکس بندی کا نام ہے۔ یہ عکس بندی جاندار چیزوں کی بھی ہوتی ہے اور بے جان چیزوں کی بھی۔ کسی بھی جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھینچوانا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ خواہ ہاتھ کے ذریعہ ہو، یا قلم سے یا کیمرہ کے ذریعہ ہو یا پریس پر چھاپ کر۔ یا سانچہ اور مشین میں ڈھال کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً يومَ القِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْن"۔[1] ''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا''۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد صحیح احادیث ہیں، جن میں تصویر سازی کی مذمت کی گئی ہے۔ ویڈیو اور کیمرہ کی تصویر بھی درحقیقت تصویر ہی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض غیر محتاط علماء کے ضعیف اقوال کو وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا، لہٰذا جان دار چیزوں کی فلم بندی کسی حال میں درست نہیں ہے، ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں۔ تعلیمی مقاصد وتذکیری مقاصد ضرورت میں شامل نہیں۔ جیسا کہ موجودہ دور میں کارٹون میں بچوں کی رغبت بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور کارٹونز بچوں کی نفسیات اور ان کے مزاج پر انتہائی خطرناک اثرات مرتب کرتے ہیں اور بنیادی طور پر ان کا شمار بھی فلموں میں کیا جاسکتا ہے گو کہ بعض فقہاء نے نابالغ بچوں کے لیے باتصویر کھلونوں سے کھیلنے کو درست قرار دیا ہے لیکن اس سے کہیں بھی کارٹونز کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔

اسٹیج ڈرامہ: موجودہ زمانے میں جو "اسٹیج شو" کے نام سے ڈرامے مروّج ہیں، وہ مفاسد سے پُر ہوتے ہیں۔ اس لیے ممنوع ہیں۔ البتہ مدارس میں منعقد ہونے والے مکالمے، محادثے بالعموم اصلاحی تذکیری ہوتے ہیں اور مذکورہ مفاسد سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے ان کی گنجائش ہے۔ تمام تفریحات اور کھیل کود میں اصل یہ ہے کہ انسان کسی حال میں اپنے مقصدِ حیات اور فکر آخرت سے غافل نہ ہو۔

---

[1] بخاري : كتاب اللباس, باب عذاب المصورين يوم القيامة

عہد رسالت کے حوالے سے متعدد اقسام کے کھیل کود اور مختلف تفریحات کا پتہ چلتا ہے اور ان کا ذکر بہت زیادہ روایات میں ملتا ہے ان میں سے چند معروف کا ذکر سطور ذیل میں کیا جائے گا ان میں سے کچھ جنگی کھیل ہیں جو صرف مرد حضرات کھیلتے تھے بچوں کے لیے الگ مردانہ قسم کے کھیل کود تھے بعض روایات میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مشترکہ کھیلوں کا بھی ذکر ملتا ہے اسی طرح معصوم بچیوں اور لڑکیوں کے خاص نسوانی کھیلوں کا ذکر بہت دلچسپ انداز میں ملتا ہے اسی طرح خواتین اور عورتوں کے بعض تفریحی مشاغل کا پتہ چلتا ہے ان میں سے معروف کا ذکر درج ذیل ہے:

فوجی کھیل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف طبقات و افراد کو تیر اندازی، شہسواری، تلوار بازی، نیزہ بازی، حربہ انگیزی اور دوسرے فوجی کھیلوں کی ہمت افزائی کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے حصول اور کمال پر ترغیب بھی دلائی۔ بالعموم یہ تفاصیل "کتاب الجہادوالسیر" کے ابواب میں ملتی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کا " باب التحریض علی القتال" "باب السبق من الخیل"، "باب التحریض علی الرمی" وغیرہ بلکہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں حبشی حضرات کے حربی کمالات دیکھنا۔ اس واقعہ سے اور اس کی شروح سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مستقل قسم کے کھیل تھے صرف اسی موقع پر نہیں پیش کیے بلکہ ہر عید پر ان کا اہتمام کیا جاتا تھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ کھیلنے والوں کے لیے اجازت نبوی بلکہ منشائے نبوی بھی حاصل تھا۔ یعنی یہ کھیلنا جائز اور مباح بلکہ ان کا دیکھنا اور دکھانا بھی جائز اور مباح ہے اس قسم کے کھیلوں کی عصری مثالیں 6 ستمبر میں یوم فضائیہ پر فضائی مظاہرے اور فوجی کمالات کا تعلق اسی نوعیت سے ہے جنہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

نشانہ بازی: نشانہ بازی خواہ تیر کے ذریعہ ہو یا نیزہ، بندوق اور پستول یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ ہو۔ اس کے سیکھنے کو باعثِ اجر وثواب قرار دیا گیا ہے۔ یوں بھی یہ کھیل انسان کے ذاتی دفاع کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اگر جسم کی پھرتی، اعصاب کی مضبوطی اور نظر کی تیزی کا ذریعہ ہے۔ وہیں یہ خاص حالات میں دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے کام آتا ہے۔ قرآن کریم میں باضابطہ مسلمانوں کو

حکم دیا گیا ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ [الأنفال : 60]
ترجمہ: اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو، اسے کافروں کے لیے تیار کر کے رکھو۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس "قوۃ" کی تفسیر رمی (تیراندازی) سے کی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا:
'' ألاَ أَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ''[1] یعنی خبردار "قوۃ" پھینکنا ہے۔
اس پھینکنے میں جس طرح تیر کا پھینکنا داخل ہے، اسی طرح اس میں کسی بھی ہتھیار کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو نشانہ بنانا، راکٹ، میزائل وغیرہ کو ٹھیک نشانہ تک پہنچانا بھی داخل ہے اور ان میں سے ہر ایک کی مشق جہاں جسمانی لحاظ سے بہترین ورزش ہے، وہیں باعث اجر وثواب بھی ہے۔[2]
ایک حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک ایک تیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تین افراد کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ ایک تیر بنانے والا، جبکہ وہ تیر بنانے میں ثواب کی نیت رکھے۔ دوسرا تیر پھینکنے والا اور تیسرا پکڑنے والا، پس اے لوگو! تیراندازی سیکھو''۔[3]
بلکہ تیراندازی تو ایک ایسا فن تھا جس کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن میں اس کی مشق کی تھی اور یہ عرب میں بطور مشغلہ بھی تھا لیکن اس میں ایک بات بہت اہم ہے کہ تیراندازی جائز اور مباح ہے لیکن پرندوں اور جانورں پر مشق کرنا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر منع کیا ہے۔ اس میں ایک دلچسپ واقعہ جو کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر قبیلہ بنو اسلم کے کچھ افراد پر ہوا تو ان کو تیر اندازی کرتے ہوئے پایا آپ نے ان کو بنو اسماعیل قرار دے کر فرمایا کہ تمہارے جد امجد بھی تیر انداز تھے لہٰذا تم تیراندازی کرتے رہو اور میں بھی بنو فلاں کے ساتھ ہوں دوسرے فریق نے تیر چلانے سے ہاتھ روک لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے تم تیر کیوں نہیں چلاتے انہوں نے عرض کیا کہ ہم تیر کیسے چلائیں کہ آپ تو ان کے ساتھ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم

---
[1] مسلم :كتاب الإمارة ، باب فضل الرمي
[2] بذل المجهود :428/11
[3] سنن أبو داؤد : كتاب الجهاد، باب في الرمي

بھی تیر چلاؤ اور میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیراندازی کو عرب بطور ایک تفریحی مشغلہ اور کھیل کے طور پر بھی اختیار کیا کرتے تھے بلکہ بعد میں یہی تفریحی کھیل ان کی فوجی تربیت میں بدل جاتا تھا کہ سابقہ زمانے کی جنگوں میں تیراندازی ایک بہت اہم ہتھیار تھا لہٰذا اس جنگی مہارت کا حاصل کرنا عمومی طور پر ایک فن حرب کی حیثیت سے معروف تھا۔

سواری: اس سے جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت و جرات اور بلند حوصلہ جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں اور سفر یا جہاد میں خوب کام آتا ہے۔ گو کہ قرآن و حدیث میں عام طور پر گھوڑے کا ذکر آیا ہے مگر اس سے ہر وہ سواری مراد ہے جو اس مقصد کو پورا کر سکے مثلاً ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، بس، موٹر سائیکل، سائیکل وغیرہ۔ ان سب سواریوں کے چلانے کی مشق اور ٹریننگ اسلامی نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جائز اور نیک مقاصد کے لیے انھیں سیکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔

عربوں کی زندگی میں جن چند عناصر کو مرکزیت حاصل تھی ان میں ایک گھڑسواری تھی مردوں کی مردانگی کا تو یہ ایک معیار تھا ہی خواتین بھی اس میں مہارت حاصل کرتی تھی قرن اول کی بے شمار جنگوں میں خواتین کی شہسواری ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ بلکہ کسی شخص کے لیے یہ امر باعث ندامت وشرمندگی ہوتا تھا کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنا نہ جانتا ہو بلکہ اسے بزدل کہا جاتا تھا اور بعض احادیث میں یہ دلچسپ درخواست بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے خدمت رسالت میں پیش کی گئی کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے لہٰذا ان کی یہ کمزوری دور ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی اور کئی کمزور پشت حضرات کو صلابت حاصل ہوئی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہسواری معروف تھی اور اس مقصد کے لیے آپ کے پاس کئی اونٹ اور گھوڑے تھے بلکہ حالت امن میں آپ نے کئی مرتبہ

---

[1] صحيح بخاري :كتاب الجهاد و السير،باب التحريض علي الرمي

صحابہ کرام کے ساتھ شہسواری کے مقابلوں میں پہلا درجہ حاصل کیا (فتح الباری) جیسا کہ مختلف سیرت نگاروں اور مورخین نے ان کا ذکر کیا ہے جیسا کہ بلاذری نے بہت تفصیل سے ایسے مقابلوں کا ذکر کیا ہے

دوڑ: صحت اور توانائی کے مطابق ہلکی یا تیز دوڑ بہترین جسمانی ورزش ہے۔ اس کی افادیت پر سارے علماء کرام اور ڈاکٹر متفق ہیں۔

دوڑنے کی اسی افادیت کی وجہ سے صحابہ کرام عام طور پر دوڑ لگایا کرتے تھے اور ان میں آپس میں پیدل دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور بعض بعض سے دل لگی کرتے تھے، ہنستے تھے، ہاں! جب رات آتی، تو عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔[1]

بیوی کے ساتھ بے تکلّفانہ کھیل: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی کا کھیل بھی اسلام کی نظر میں مستحسن ہے۔ ممکن ہے بعض کو گراں گزرے کہ اس سے عورت سر پہ چڑھ جائے گی مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ میں نے آپ سے دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ایک سفر میں، میں نے رسول اللہ سے دوڑ لگائی اب میرے جسم پر گوشت چڑھ گیا تھا تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے اور آپ نے فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے۔[2] مذکورہ حدیث نبوی سے بیوی کے ساتھ تفریح کرنے اور دوڑ لگانے دونوں کی افادیت سمجھ میں آتی ہے، لیکن واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واقعات اس وقت کے ہیں، جب کہ قافلہ آپ کے حکم سے آگے جا چکا تھا اور وہاں نبی کریم ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہ تھا، وہ تنہا تھے۔ کسی اور کی موجودگی میں ایسا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ حیا کے خلاف ہے۔

بچوں کے کھیل: بچوں میں چونکہ کھیل کی طرف رغبت فطری طور پر پائی جاتی ہے لہٰذا عہد رسالت کے بچے بھی اس سے محروم نہ تھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں ان جائز

---

[1] مشکوٰۃ: 407

[2] سنن ابی داؤد

اور پسندیدہ کھیلوں میں حصہ لیا بالخصوص قبیلہ بنوسعد میں گزارا ہوا وقت اس امر پر شاہد ہے اور بعض روایات بھی اس پر شاہد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کا سینہ چاک کیا... الخ[1] اسی طرح جب آپ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے وہاں بنوعدی بن نجار کے تالاب میں پہلی مرتبہ تیرنا سیکھا وغیرہ۔[2] انہی کھیلوں میں ایک کھیل کشتی کا بھی تھا جو کہ آپ نے اپنے لڑکپن میں سیکھا تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام اور ابناء الصحابہ کے بچپن کے کھیلوں کے واقعات کثرت سے روایات میں مذکور ہیں۔ لیکن ان تمام کھیلوں میں جسمانی تربیت ونشوونما کا پہلو بطور خاص ہمیں نظر آتا ہے۔ بلکہ یہاں یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ کچھ کھیل تو لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین مشترکہ ہوا کرتے تھے لیکن کچھ کھیل صرف لڑکیاں آپس میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھیل عمومی طور پر گڑیوں اور دوسرے کھلونوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا یہ نسوانی جبلت کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر بعض صحیح احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض کھیلوں میں تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بنفس نفیس دلچسپی لیا کرتے تھے جیسا کہ یہ روایات صحیح بخاری، سنن ابوداود وغیرہ میں مذکور ہیں۔ قاضی عیاض اسی سے ایک فائدہ اخذ کرتے ہیں کہ اس طرح کے کھیلوں سے بچیوں میں خانگی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ اسی طرح جھولا جھولنا بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مذکور ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از نکاح انہیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت وہ جھولا جھول رہی تھی۔[3]

لڑکیوں کے ان کھیلوں سے متعدد سماجی روایات کا علم ہوتا ہے کہ زیادہ تر کھیل اندرون خانہ ہوا کرتے تھے، یہ گڑیائیں ان کی والدہ بنا کر دیتی تھی جو کہ تربیت کا ایک پہلو ہے، ان کھلونوں کی

---

[1] کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ

[2] ابن سعد ، ج 1 ص 73

[3] مسلم ، کتاب النکاح

صورتیں اور تصویریں بھی ہوا کرتی تھیں جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو پر والا گھوڑا تھا۔

تیراکی: تیرنے کی مشق ایک بہترین اور مکمل جسمانی ورزش ہے، جس میں جسم کے تمام اعضاو جوارح کی بھرپور ورزش ہوتی ہے، یہاں تک کہ سانس کی بھی ورزش ہوتی ہے۔ سیلاب آنے کی صورت میں ایک ماہر تیراک انسانیت کی بہترین خدمت کرسکتا ہے۔ نشیبی علاقوں میں عام طور پر قریب میں ندی نالے تالاب وغیرہ ہوتے ہیں اور ان میں ڈوبنے کے واقعات بھی عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔ ایسے حادثاتی مواقع پر ماہر تیراک لوگوں کی جان بچانے کی کامیاب کوشش کرسکتا ہے۔ لہٰذا تیراکی جہاں تفریحِ طبع اور جسمانی ورزش کا عمدہ ذریعہ ہے، وہیں بہت سے دیگر سماجی فوائد کی حامل بھی ہے۔

کشتی اور کبڈی: اس کھیل میں ورزش کا بھرپور سامان ہے۔ اگر ستر کی رعایت اور انہماک کے بغیر کھیلا جائے تو جائز ہوگا بلکہ نیک مقصد کے لیے مستحسن ہے۔ عرب کے ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کشتی لڑی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کشتی میں بچھاڑ دیا۔[1] کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔

مخصوص مواقع پر بھی کھیلوں کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ درج ذیل کچھ مواقع درج کیے جا رہے ہیں:

خیر مقدمی کھیل:

بسا اوقات مہمانوں اور اقارب کی آمد کے استقبال میں کچھ کھیلوں کا جس میں کچھ جسمانی کرتب یا فضائی مظاہرے منعقد کئے جاتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بنیادی آداب کو مدنظر رکھا جائے۔ جیسا سنن ابی داؤد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کی آمد کے موقع پر جہاں بچیوں سے کچھ اشعار منسوب ملتے ہیں وہاں ماہر فنون حبشیوں نے اپنے کرتب اور کھیل بھی دکھائے تھے۔[2] اور صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ جب حبشہ کا وفد آیا تو حبشی مسجد میں اپنے کھیل دکھانے لگے۔

---

[1] ابوداؤد فی المراسیل

[2] سنن ابو داود: کتاب الادب، باب فی الغنا

عید کے کھیل کود:

جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید یعنی خوشی کی مناسبت سے مدینہ میں کچھ حبشیوں نے فوجی کرتب دکھائے بلکہ اس پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ معاشرت میں بھی عید کی مناسبت سے اگر کچھ کھیلوں کا انعقاد کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بنیادی آداب کی مخالفت نہ ہو۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ایام عید بطور قومی تقریبات کے طور پر منائی جاتی تھی ان میں شرعی حدود وقیود کی پابندی کرتے ہوئے کھیل کھیلے جاتے تھے۔

عصر حاضر اور کھیل وتفریح:

اگر عصر حاضر کو دیکھا جائے تو ذرائع ابلاغ کا عوام الناس کو تفریح فراہم کرنے میں بہت اہم کردار ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ ان پر مغرب کا تسلط وقبضہ ہے جن کے نزدیک تفریح صرف اور صرف "شراب، عورت اور موسیقی" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ تفریح اور کھیل کے نام پر عریانی وفحاشی، بے ہنگم موسیقی، شراب نوشی، جوئے بازی، لاٹری، فحش اپی سوڈ، مخلوط مجالس، اور گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ کا تصور پیش کرتے ہیں جس سے معاشرے میں حرص و ہوس، صحت و اخلاق کی خرابی، ذہنی بے سکونی اور جنسی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے۔ان کو ''آرٹ یا فن'' کا نام دیا جاتا ہے اور اعلی تہذیب کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔جس کا نمونہ وہ مختلف طرح کی پارٹیوں، کرسمس ڈے، ویلینٹائن ڈے اور نئے سال کی آمد وغیرہ پر پیش کرتے ہیں۔ ان تمام چیزوں نے عوام الناس میں اخلاقی بے راہ روی، دین واخلاق سے بے زاری اور خاندانی نظام کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جس کی مثال خود مغربی معاشرے ہی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خود ہمارے یہاں نوجوانوں کا دین، اخلاق اور صحت وتوانائی برباد ہورہی ہے۔ بچے قبل از وقت جوان ہورہے ہیں اور اپنے ناپختہ ذہن وشرم کی وجہ سے وہ والدین یا دوسرے اعزہ واقارب کو بتا بھی نہیں سکتے۔ان کے والدین ان کو معصوم سمجھ کر غافل رہتے ہیں۔اس وقت مسلم نوجوان لڑکے

لڑکیوں کے آئیڈیل ہیرو اور ہیروئن ہیں۔ ان کی ہی نقل کی جاتی ہے، ان کے جیسا لباس، حلیہ، بات چیت اور طور طریقہ اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو لڑکوں نے نازک اداؤں اور بننے سنورنے میں لڑکیوں کو بھی مات دے دی ہے۔ ظاہر ہے ان سے دین کی اشاعت وتبلیغ تو دور فسادات میں اپنا دفاع کرنے اور ماؤں بہنوں کو بچانے کی امید کیوں کر کی جاسکتی ہے؟؟

اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ عوام الناس کے لیے تفریح کا سامان ضرور فراہم کیا جائے لیکن اس میں مغربی معاشرے کی نقالی نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے معلوماتی پروگرام، سائنسی کمالات، اہم مقامات، تاریخی عمارتیں، باغات، مصوری (جاندار کے علاوہ)، آرٹ، مناظرِ فطرت، مزاحیہ خاکے، سمندری دنیا کے مشاہدے، اصلاحی و پروگرامز، جانوروں کی دنیا، مجاہدینِ اسلام کی داستانیں وغیرہ پیش کی جاسکتی ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين



ملّت کے سپوت
ذمہ داریاں اور درپیش فتنے !!







تخلیق انسانی کئی مراحل طے کر کے منظرعام پر آتی ہے
اور پھر تخلیق (پیدائش) کے بعد بھی اس کی زندگی کئی مراحل میں منقسم ہوتی ہے۔
مثلاً بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ انسانی زندگی کے یہ مراحل اس قابل
ہیں کہ انہیں بغور سمجھا جائے اور ان مراحل کے خصوصی اوصاف اور
صلاحیتوں کے مطابق ہی ہر مرحلے کو گزارا جائے۔ اس لئے کہ دین اسلام
نے مکمل طور پر انہی مراحل کے مطابق انسان کو شریعت کا پابند بنایا ہے۔
مثلاً ایک بچہ جو ابھی سنِ شعور کو نہیں پہنچا وہ شرعی احکامات کا مکلف نہیں
بہرحال ان مراحل میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل جوانی کی عمر ہے
جس کی اہمیت کا کوئی ذی شعور انکار نہیں ــــــــــــ

حافظ محمد یونس اثری | مدرس المعہد السلفی کراچی

کرسکتا۔کسی بھی قوم کے نوجوان اگر باشعور ہوں تو وہ قوم زندہ قوم کہلاتی ہے اور اس قوم کی اقوام عالم میں اپنی ایک مستقل شناخت ہوتی ہے اور اگر کسی قوم کے نوجوان بے شعور ہوں تو وہ دنیا کی ایک مردہ قوم کہلاتی ہے۔اسی لئے استعمار جس قوم کو مردہ کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس قوم کے نوجوانوں کو شعور سے خالی کرتا ہے۔نوجوانوں کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنا آئیڈیل بھول جاتے ہیں ۔ یہ نوجوان ایسے لوگوں کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں جن کا کردار اسلامی آئیڈیالوجی تو کجا کسی بھی تہذیب یافتہ قوم کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔یہی صورتحال موجودہ دور کے جوانوں کی اکثریت کی ہے، زیر نظر مضمون میں نوجوانوں کے حوالے سے چند ذیلی نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ان شاءاللہ

❁ جوانی کی اہمیت

❁ نوجوانوں کے کرنے کے کام

❁ دور حاضر کے جوانوں کو فتنوں کا سامنا اور ان کا حل

جوانی کی اہمیت

جوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم نعمت اور بڑی اہمیت کی حامل عمر ہے جس کا اندازہ چند نصوص شرعیہ کی روشنی میں لگایا جا سکتا ہے۔

نبی ﷺ کی ایک حدیث میں سات ایسے خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے ،جس دن سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا اور لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے، بعض لوگ سینے تک، بعض گھٹنے تک اور بعض پورے کے پورے پسینے میں ڈوبے ہوں گے، ایسے میں جنھیں اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گیا یقیناً وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوں گے اور ان سات قسم کے افراد میں سے ایک شخص:" وشاب نشأ في عبادة الله " [1] یعنی ایسا نوجوان جس کی نشونما اللہ کی عبادت ہی میں ہوئی ہو۔گویا کہ صالح جوان کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری:کتاب الزکوۃ ،باب الصدقۃ بالیمین ، صحیح مسلم:کتاب الزکوۃ ، باب فضل اخفاء الصدقۃ

اسی طرح جوانی کی اہمیت وحیثیت کا اندازہ اس حدیث سے لگا سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قیامت کے دن پوچھے جانے والے پانچ اہم سوالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

" لاتزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأ ل عن خمس عن عمره فيم افناه وعن شبابه فيم ا بلاه وماله من اين اكتسبه وفيم ا نفقه وماذا عمل فيما علم "[1]

’’قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا۔(۱)اس نے عمر کس چیز میں صرف کی (۲)جوانی کہاں خرچ کی (۳)مال کہاں سے کمایا(۴)مال کہاں خرچ کیا(۵)جوعلم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا۔‘‘

مذکورہ حدیث میں سب سے پہلا سوال عمر کے بارے میں ہے،جس میں جوانی بھی شامل ہے لیکن دوسرا سوال علیحدہ سے جوانی کے بارے میں کیا جائے گا کہ جوانی کیسے گزاری؟ جس سے اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں نبی ﷺ نے پانچ چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں غنیمت سمجھو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اغتنم خمسا قبل خمس شبابك قبل هرمك وصحتك قبل سقمك وغناءك قبل فقرك وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك" [2]

ترجمہ:’’ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو۔(۱)جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (۲)بیماری سے پہلے صحت کو(۳)محتاجی سے پہلے مالداری کو(۴)مصروفیت سے پہلے فرصت کو(۵)موت سے پہلے پوری زندگی کو۔‘‘

اس حدیث میں بھی سب سے پہلے جوانی کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کی قدر کی جائے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جوانی جیسی عمر کوئی نہیں ، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں

---

[1] جامع ترمذی: أبواب صفة القيامة ... ،باب في القيامة، المعجم الكبير :9772، المعجم الصغير: 760، (حسن)

[2] مستدرک حاکم:كتاب الرقاق حديث: 7846، شعب الايمان: الزہد و قصر الامل ، حديث: 9767

اکثریت جوانوں کی تھی جنہوں نے دل وجان سے اسلام کو قبول کیا اور پھر نشر اسلام اور دفاع اسلام کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ بہر حال ان تمام روایات سے اور اس تفصیل سے جوانی کی اہمیت آشکار ہوتی ہے۔

نوجوانوں کے کرنے کے کام

انسانی زندگی کے تمام مراحل میں سب سے اہم مرحلہ یہی جوانی ہے، لہذا اس عمر میں جو کام ہو سکتے ہیں زندگی کے کسی مرحلے میں نہیں ہو سکتے، اس لئے چند ایسے کام بیان کئے جاتے ہیں، جو پوری زندگی میں بالعموم اور وہ کام جوانی کی عمر میں زیادہ احسن انداز میں کئے جا سکتے ہیں۔

تعلیم اور تعلّم

جوانی کی عمر علم سیکھنے کی عمر ہے اور ایسا علم کہ اس پر عمل بھی ہو۔ یہ کام جوانی میں بطریق احسن ہوسکتا ہے۔ جب جسم کے دیگر اعضاء کی طرح دماغ بھی جوان ہوتا ہے۔ اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب صفہ بھی اکثر نوجوان تھے۔ ابوذر غفاری، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنھما وغیرہ اسی زمرے کے ہیں۔ جس صحابی کی شادی ہوجاتی اور عائلی ذمہ داریاں غالب آجاتیں وہ اس زمرے سے نکل جاتا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملازم شاگرد جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ بھی جوانی کی عمر میں تھے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر کم وبیش ۲۶ یا ۲۷ سال تھی ۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی جوانی کی عمر میں تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی مختلف روایات سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی طور پر تفقه فی الدین کی دعا کی، وہ بھی جوان تھے۔

ایک اور ملازم شاگرد سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی جوان تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لئے آئے اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔

اس حوالے سے کئی ایک صحابہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کی صرف جوانیوں کے روشن تذکرے اگر فرداً فرداً کئے جائیں تو کئی ایک دفاتر وجود میں آسکتے ہیں۔

بہر حال یہ عمر ہی اصل تعلّم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے:

"و یستحب للطالب ان یکون عزباً ما امکنه"[1]

"طالب علم کے لئے مستحب ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو غیر شادی شدہ ہو۔" (تاکہ شادی کے بعد کی عائلی ذمہ داریاں اس کے لئے حصول علم سے مانع نہ بن جائیں۔)

اور جوانی کی عمر میں کس قدر ترجیحی بنیادوں پر علم کو حاصل کیا جائے، اس کا اندازہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کے اس قول سے لگائیں وہ فرماتے ہیں:

"و اختار للمبتدی فی طلب العلم ان یدافع النکاح فان احمدبن حنبل لم یتزوج حتی تمت له اربعون سنة، و هذا لاجل الهم ،ای للعلم " [2]

"میں مبتدی طالب علم کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ نکاح نہ کرے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے شادی نہیں کی تھی حتی کہ ان کی عمر چالیس سال ہوگئی تھی اور اس تاخیر کی وجہ حصول علم تھی۔"

اندازہ لگائیں طلبِ علم کی وجہ سے بعض اہل علم نے جوانوں کو نکاح میں تاخیر کرنے کی نصیحت کی ہے کہ کہیں یہ اس طلب علم کے ایک اہم مشن میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ اس اسے صاف واضح ہے کہ طلبِ علم جوانوں کے اہم وظائف میں سے ہے اور یہ اتنا اہم کام ہے کہ اسے نکاح پر ترجیح دی جائے۔

الغرض یہ عمر تعلّمِ علم کی ہے (اگرچہ عمر کے کسی بھی حصے میں علم حاصل کرنے والے کو روکا نہیں جاسکتا) کیونکہ اس عمر میں انسان کی قوت حافظہ مضبوط ہوتی ہے۔ اور ڈھلتی عمر کے ساتھ ساتھ اس کے ضبط کی طاقت بھی کمزور ہوجاتی ہے۔ پھر وہ بہت سی چیزیں یاد کرنا چاہتا ہے تو بھی نہیں کر پاتا۔

دعوت و تبلیغ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت جوانی کی عمر میں ملی۔ چونکہ نبوت ایک انتہائی کٹھن ذمہ داری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کن پر ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: "الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل۔"[3] "سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء پر آتی

[1] الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع

[2] صید الخاطر

[3] جامع ترمذی : 2398، ابواب الزہد ، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء

ہیں پھران کے بعد نیک لوگوں پر، اور پھراس کے بعد جو نیک لوگ ہوں۔''

نبی ﷺ جب معراج پر گئے اس رات سیدنا موسی علیہ السلام، نبی ﷺ کو دیکھ کر رو پڑے۔ان سے پوچھا گیا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟ ان کا جواب تھا کہ ایک نوجوان جو میرے بعد نبی بنا ہے اور مجھ سے زیادہ اس کی امت جنت میں جائے گی۔[1]

تنبیہ: سیدنا موسی علیہ السلام کا یہ رونا اور مذکورہ کلمات کہنا حسد کے طور پر نہیں تھے، بلکہ یہ اظہار افسوس کے طور پر تھا کہ وہ کثرتِ امت نہ ہونے کی وجہ سے اجرِ کثیر سے محروم ہو گئے۔حسد، کسی نبی سے اور پھر اس عالم میں نہیں ہوسکتا۔

اس حدیثِ معراج سے بھی نبی ﷺ کو جوانی کی عمر میں نبوت جیسی اہم ذمہ داری کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ہجرت کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بڑے تھے اور نبی ﷺ کا وصف بیان ہوا کہ ''شاب لا یعرف''[2] یعنی ایسے نوجوان کہ لوگ انہیں پہچانتے نہیں تھے۔

جب نبی ﷺ کو نبوت ملی آپ کی عمر ۴۰ سال تھی، جو کہ جوانی کی عمر ہے، اور اس عمر کے جوانی کی عمر ہونے کے ثبوت میں قرآنی نص موجود ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ'' وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً'' (الاحقاف:15)

یہ ایسی عمر ہے کہ انسان کی جوانی بھی برقرار رہتی ہے اور اسے پورا شعور اور فہم ہوتا ہے اور اپنا بڑھاپا بھی اسے قریب آتا دکھائی دیتا ہے۔تو یہ ہر لحاظ سے اہم عمر ہے اس لئے اسی عمر میں نبی ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔

نبوت ایک اہم ذمہ داری ہے اسی لئے ایسی ہی عمر کا انتخاب کیا گیا کہ جس عمر میں نبی ﷺ مکمل طور مختلف قسم کی ابتلاءات کا سامنا کرسکیں۔لہٰذا یہی اصل عمر ہے دعوت دین کی کہ جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سب سے اعلیٰ درجے (ہاتھ سے روکنا) پر بھی عمل کرسکتا ہے اور زبان کے ذریعے بھی۔

---

[1] صحیح بخاری: 3887، کتاب مناقب ،باب المعراج

[2] صحیح بخاری :3911 ، کتاب مناقب الانصار ، باب هجرة النبی

بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ میں تبلیغ کے لئے رسول اکرم ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ جانے کا حکم دیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ اس وقت جوان تھے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی حرارت ایمانی اور جوش ایمانی کے ساتھ تبلیغ کا آغاز کیا۔ ان کے خلوص اور لگن، جوش خطابت، اخلاقِ پسندیدہ کے باعث بہت کم عرصہ میں بہت بڑی تعداد میں لوگ دین اسلام کی طرف آگئے اور یوں سمجھ لیں کہ تقریباً انصار کے ہر گھر میں کوئی نہ کوئی فرد مسلمان تھا سوائے کچھ گھروں کے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مُقری کے لقب سے مشہور ہوئے۔

دیکھیں میدان تبلیغ میں ایک جوان کی محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ مدینہ میں بڑی تعداد اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگئی۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اہل بصرہ میں سے ہیں ،اپنی قوم کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آئے تھے اور نبی ﷺ کے پاس قیام کیا تھا وہ فرماتے ہیں: ہم کچھ افراد نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم سب جوان تھے اور قریب قریب عمر کے تھے ہم نبی ﷺ کے پاس بیس (۲۰) دن ٹھہرے، نبی ﷺ بڑے رحیم اور نرم مزاج والے تھے جب نبی ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ ہم اب اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں، تو نبی ﷺ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں پوچھا، ہم نے اپنے گھر والوں کے بارے میں بتلایا، نبی ﷺ نے فرمایا:

" ارجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلموهم ومروهم وذكر أشياء أحفظها او لا أحفظها وصلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم" [1]

یعنی اپنے گھروں کی طرف جاؤ اور ان کے پاس جا کر رہو اور انہیں علم سکھاؤ اور اچھی باتوں کا حکم دو اور پھر فرمایا جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسے نماز پڑھو جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور جو تم میں سے عمر میں بڑا ہو وہ امامت کروائے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان صحابہ نے مبادیات کو سیکھ کر پھر اس کی تبلیغ کا آغاز اپنے

[1] صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ ، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة وكذلك بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلاة في الرحال في الليلة الباردة أو المطيرة

گھروں سے کیا۔

اس لئے جوانوں کی یہ سب سے اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ خود دین کی صحیح طور پر سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے نشر کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔

جہاد

جوانوں کا ایک اہم ترین کام یہ بھی ہے کہ وہ دفاع اسلام کے لئے میدان مقتل میں نکلتے ہیں۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام بھی نو جوانوں کے حصے میں آیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی جنھیں میدان جہاد میں ان کی عمدہ کارروائیوں کی بناء پر سیف اللہ کے لقب کا شرف حاصل ہوا، جوانی کی عمر میں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی جنگ کے لئے جھنڈا اٹھانے کے لئے جس شخصیت کا انتخاب کیا وہ سیدنا علیt تھے اور اس وقت جوانی کی عمر میں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، جو تیز دوڑنے میں مشہور تھے، جنگ خیبر انہوں نے پا پیادہ لڑی، [1] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات جنگوں میں شریک ہوئے، [2] اور ایک جنگ میں لڑتے ہوئے یہ اشعار بھی کہہ رہے تھے کہ

ا نا ابن الا کوع ا لیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کا دن چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے۔ [3]

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کے ہمارے گھوڑ سواروں میں سے بہترین شخص ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور پیدل لڑنے والوں میں سے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کارکردگی کو سامنے

---

[1] صحیح مسلم : کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة ذی قرد و غیرها

[2] صحیح بخاری :کتاب المغازی،باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة

[3] صحیح بخاری : کتاب المغازی ،باب غزوة ذی قرد

رکھتے ہوئے دہرا حصہ دیا تھا۔[1]

اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر مرض پر تھے اور آپ کو رومیوں کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر تیار کروایا اور اس لشکر کی قیادت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اس وقت صرف اٹھارہ سال کے جوان تھے۔[2] ان کی ایک امارت کا تذکرہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے۔[3]

ابوجہل کو قتل کرنے والے بھی نوجوان تھے۔صحیح بخاری میں ان کا تذکرہ موجود ہے کہ انہوں نے کس انداز میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کو قتل کیا۔

جوانوں کی صلاحیت کے مطابق ان سے کام لیا جائے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانوں سے ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیا اس کی کئی ایک مثالیں دی جاسکتی ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

* ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ حنین کے قریب یہ دس نوجوان لڑکے (بعض میں بیس کا ذکر ہے۔[4]) جا رہے تھے کہ انہوں نے اذان کی آواز سنی اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو سنتے ہی اس کی نقل کرنا شروع کر دی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آواز کو سنا تو ان لڑکوں کو بلوالیا، (اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے۔) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک کر کے سب سے اذان سنی لیکن وہ پیاری آواز جو سنی تھی کسی کی نہ تھی۔ بالآخر ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ کی باری آئی، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان سنی تو یہ وہی آواز تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی تھی اور بہت خوبصورت آواز تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت تحفہ بھی دیا اور برکت کی دعائیں بھی

---

[1] صحیح مسلم : 1807،کتاب الجهاد والسير، باب غزوة ذی قرد و غيرها

[2] اسد الغابة

[3] صحیح بخاری : 4270،کتاب المغازی،باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة

[4] سنن دارمی:1232، کتاب الصلوة ،باب الترجيع فى الاذان

دیں اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی، چہرے اور ناف تک ہاتھ بھی پھیرا تھا۔ ملخصاً [1] بعض روایات میں ہے کہ پھر ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے خود کہا کہ مجھے مکہ میں اذان دینے کا حکم کریں [2] جبکہ بعض روایات میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا: ''اذهب فأذن لاهل مكة عند البيت الحرام۔'' [3] سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اذان دیتے رہے۔ [4] اور پھر یہی اذان کا سلسلہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں متوارث رہا۔ [5]

* نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کی ذمہ داری لگائی تھی، جو وحی کو لکھا کرتے تھے اس لئے کہ ان میں یہ صلاحیتیں موجود تھیں، اور اکثر کاتبین وحی جوان تھے۔ چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا ابان بن سعید بن العاص، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ثابت بن قیس، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی السرح سیدنا عبداللہ بن زید بن عبدربہ، سیدنا علاء بن الحضرمی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

* بعض صحابہ کو مختلف علاقوں کی طرف بطور مبلغ، سپہ سالار، نمائندہ کے طور پر بھیجا، اس میں ان کی صلاحیتوں کو شامل حال رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ معاذ بن جبل، علی، زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنھم وغیرہ۔

* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب رکھا کرتے تھے، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ انہیں ہمارے ساتھ بٹھا دیتے ہیں ان کے جیسے تو ہمارے بچے ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] مسند احمد : حديث:15380،، و نسخة اخرىٰ مع التحقيق الشيخ شعيب الارناؤوط : 91/24

[2] ایضاً

[3] مسند احمد : حديث:15376، ص:٣/٤٠٨، و نسخة اخرىٰ مع التحقيق الشيخ شعيب الارناؤوط : 91/4 ، و السنن الكبرى للبيهقي : ١٩٧٠، جس کے الفاظ یوں ہیں :''اذهب فأذن عند البيت الحرام''

[4] مصنف ابن ابی شيبة : 2167

[5] شرح النووی : 302/4،طبع دارالمعرفة بيروت

نے جواب دیا یہ ان کے علم کی وجہ سے ہے چنانچہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورۃ النصر کی پہلی آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا، تو اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہوئی تو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات کی خبر دی ہے گویا کہ فتح مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی علامت ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کیجئے اور استغفار کیجئے اللہ قبول کرنے والا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا ہے۔ [1]

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نوعمری کے باوجود ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں شوریٰ میں شامل کیا ہوا تھا۔

اسی طرح سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جمعِ قرآن کے حوالے سے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگاتے ہوئے فرمایا تھا: ''إنك رجل شاب عاقل ولا نتهمك'' یعنی آپ نوجوان اور سمجھدار آدمی ہیں، ہم آپ کو (کسی برائی سے) متہم قرار نہیں دیتے۔ [2]

یہاں بھی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ان کی صلاحیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے جمعِ قرآن کا کام لیا گیا باوجود اس کے کہ وہ ایک نوجوان آدمی تھے۔

نوجوانوں کو جدید مسائل سے آشنا ہونا چاہئے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے آدھے مہینے میں عبرانی زبان سیکھی تھی۔ [3]

چونکہ اس وقت عبرانی کا سیکھنا وقت کی فوری ضرورت تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا تاکہ یہود سے خط و کتابت سمیت دیگر معاملات میں آسانی ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ وقت کے مطابق جدید علوم سے آراستہ ہوں لیکن اس

---

[1] سنن دارمی: 1232، کتاب الصلوۃ، باب الترجیع فی الاذان

[2] صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ..﴾

[3] جامع ترمذی: ابواب الاستئذان والادب باب ما جاء فی تعلیم السریانیة

سے پہلے اپنے دین سے آشنائی بہت ضروری ہے۔ دوسری بات اس حوالے سے یہ ہے کہ یہ تمام افراد کی من حیث المجموع ذمہ داری نہیں بلکہ بعض کی ہے جن میں یہ اہلیت موجود ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے تمام صحابہ کی یہ ذمہ داری نہ لگائی کہ سب عبرانی سیکھیں۔ بلکہ صرف زید کو حکم دیا کیونکہ اصل مقصود صرف ضرورت کے مطابق اس کو سیکھنا تھا نہ کہ مرعوب ہوکر اس کو وقت کی ضرورت قرار دیا تھا، جیسا کہ آج دیکھنے میں آتا ہے، کہ مغرب سے اٹھتے ہر فتنے کو ہم وقت کی ضرورت سمجھ لیتے ہیں۔ اور پھر اسے سیکھنے پر تُل جاتے ہیں۔

نوجوانوں کے لئے اہم نصیحتیں

ذیل کی سطور میں چند اہم نصیحتیں پیش کی جاتی ہیں، جوان شاء اللہ جوانوں کے لئے ایک رہنما نصائح کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وقت کی قدر کریں

ویسے عمومی طور پر تمام عمر کے لوگوں کو ہی اوقات کی قدر کرنی چاہیئے اور بالخصوص نوجوانوں کو اس حوالے سے خصوصی توجہ دینی چاہیئے اس لئے کہ ان کے لمحات سب سے مہنگے اور قیمتی ہیں، اور وقت کی قدر کے حوالے سے نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ''[1]

یعنی دو قسم کی نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے حوالے سے اکثر لوگ ناقدری کا شکار رہتے ہیں اور ضائع کردیتے ہیں، ایک صحت اور دوسری چیز فرصت کے لمحات۔

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا: صحت کو بیماری سے پہلے اور فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت جانو۔

اچھی صحبت اور بری صحبت

جوانوں کو بالخصوص اپنی صحبت (Gathering) پر بھی توجہ دینی چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ انتہائی

[1] صحیح بخاری: 6412، کتاب الرقاق، باب لا عیش إلا عیش الآخرة

اہم ترین سبب ہے کہ جس کی وجہ سے اچھا شخص بری عادتوں اور برا شخص اچھے لوگوں میں بیٹھنے کی وجہ سے بہت سی اچھی چیزیں سیکھ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اچھی صحبت اور بری صحبت کی مثال عطر فروش اور بھٹی والے سے دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھے اور برے ساتھی کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک لئے ہوئے ہے اور بھٹی دھونکنے والا ہے، مشک والا یا تو تمہیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا اس کی خوشبو تم سونگھ لوگے (یعنی ہر صورت فائدہ ہی فائدہ ہے) اور بھٹی والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تمہیں اس کی بدبو پہنچے گی۔ (یعنی ہر صورت میں نقصان ہی نقصان ہے۔)[1]

بڑوں کو بڑا ہی سمجھا جائے

جوان افراد جوانی کے نشے میں عام طور پر بڑوں کو اولڈ مین (Old Man) کہہ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس ترقی یافتہ دور سے یہ پرانے لوگ ناواقف ہیں، اور اس دور کے تقاضوں کے مطابق ہی ہمیں اپنی جوانی گزارنی چاہیئے۔ اور مزید اس پر یہ کہ بڑوں کے فیصلوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسے تمام انداز انتہائی غلط ہیں، اور اس طرح کی تنقید کرتے وقت ہم کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اپنی کم عمری کی وجہ سے معاملات کی کنہ کو نہیں پہنچے کہ جس حد تک طویل تجربات کے بعد ہمارے بڑے پہنچ چکے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ کبھی میں نے بھی بڑا ہونا ہے؟؟ ہماری سوچ تو یہ ہونی چاہیئے تھی کہ ہم ان بڑوں سے سیکھیں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، ان سے نصیحتیں طلب کریں، تاکہ گزرتے وقت کے ساتھ جیسے جیسے میری عمر ڈھلے گی مجھے مختلف قسم کی ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑے گا مجھے ان ذمہ داریوں کا سامنا کرنے کے لئے اور انہیں بطریق احسن ادا کرنے کے لئے انہیں کے زیر سایہ اور زیر تربیت رہنا چاہیئے۔ نیز بڑوں کی غلطیوں میں بھی اپنے لئے سبق تلاش کیا جائے چہ جائیکہ ہم ان کی غلطیوں پر مبصر کی حیثیت سے کوئی رائے زنی کریں۔

---

[1] صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید، باب المسک ،صحیح مسلم :کتاب البر والصلة والآداب ،باب استحباب مجالسة الصالحين ومجانبة قرناء السوء

جوانی کی حفاظت کریں

جو نعمت جس قدر بڑی اور اہم ہوتی ہے، اس کی حفاظت بھی اسی قدر اہم ہوتی ہے۔ لہذا ایسے فتنے جو انسان کو بدنظری اور زنا کی طرف لے جاتے ہیں، ان سے حفاظت بہت ضروری ہے، کیونکہ جوانی کی عمر میں انسان کی شہوت بھی خاصی متحرک ہوتی ہے، گناہ کے امکان بہت زیادہ ہوتے ہیں، سلف صالحین اس حوالے سے اس قدر فکر مند ہوتے تھے کہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس کے حوالے سے گناہ سے ڈرتا ہوں اور میں نکاح کی طاقت نہیں رکھتا، لہذا مجھے خصی ہونے کی اجازت دے دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے دوسری مرتبہ اپنی اس بات کو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے دہرایا، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، تیسری مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو دہرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، چوتھی مرتبہ جب سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو دہرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرۃ (رضی اللہ عنہ)! قلم خشک ہو چکے ہیں، لہذا جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ [1]

اندازہ لگائیں کہ سلف صالحین میں اس حوالے سے کس حد تک جوانی کی حفاظت کا جذبہ موجود تھا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہ کی اس حوالے سے تربیت بھی کیا کرتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

" یا معشر الشباب، من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ،فانه اغض للبصر ، و أحصن للفرج ، و من لم یستطع فعلیه بالصوم ، فانه له وجاء" [2]

یعنی: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، وہ شادی کر لے اس لئے کہ یہ نظر کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور جو شادی کی طاقت نہ رکھے، وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے ڈھال ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت جوانی کی عمر میں تھے، فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میری ہی وجہ سے بیان کی

---

[1] صحیح بخاری: کتاب النکاح ، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء

[2] صحیح مسلم: کتاب النکاح ،باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه إلیه ووجد مؤنه ...

گئی اور میں نے جلد ہی شادی کر لی۔[1]

ایک موقع پر ایک لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کے چہرے کو موڑ دیا۔[2]

ایک شخص نے آ کر زنا کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی بڑے احسن انداز سے تربیت کی اور فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ کوئی اس طرح کا معاملہ کرے اس شخص نے کہا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ یہی سوچ دوسرے کی بہن، بیٹی اور ماں کے بارے میں ہونی چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''لا تتبع النظرۃ النظرۃ''[3] یعنی ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھ۔ (اگر اچانک نظر پڑ جائے تو اس پر انسان گناہ گار نہیں)

ان تمام نصوص سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانوں کو اس گناہ سے بچنے کے لئے مسلسل کس طرح سے تربیت کی جس کا نتیجہ تھا کہ آج ہم کسی صحابی کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ اس طرح کے گناہ کا مرتکب ہو، بلکہ ایسا سوچنا ہمارے اسلام کے لئے خطرہ بن جائے گا۔

اور یہی ہمارا کرنے کا کام ہے کہ ہم نہ کہ صرف اس گناہ سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ وہ تمام راستے جو زنا کی طرف لے جاتے ہیں، ان سے بھی بچنا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حکم ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ (الاسراء: ۳۲) لہٰذا ایسے تمام امور واسباب جو زنا کے قریب لے جاتے ہیں، ان سے دور رہنا چاہیے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جوانی کی عمر میں ہی اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا جس کا تذکرہ رہتی دنیا تک قرآن مجید میں موجود رہے گا۔ بلکہ ایسا شخص جو کبھی ایسی صورتحال بن جانے کے باوجود کہ ایک خوب صورت اور حسب ونسب والی عورت اسے گناہ کی دعوت دے اور وہ خود کو اس گناہ سے بچالے، اس کا صلہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔[4]

---

[1] ایضاً

[2] صحیح ابن خزیمۃ : 3031، کتاب المناسک ، باب ذکر الدلیل علی أن الشیخ الکبیر...الخ

[3] سنن ابی داؤد:کتاب النکاح باب ما یؤمر بہ من غض البصر

[4] صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ ،باب الصدقۃ بالیمین

بے شعوری نقصان دہ ہے

جوانی کی عمر ایسی عمر ہے کہ جس میں شعور تو آ جاتا ہے، لیکن یہ شعور بدرجہ اتم نہیں ہوتا، جوانی کی عمر میں عجلت اور جذبات کا عنصر غالب ہوتا ہے۔اور جس حد تک یہ عنصر غالب ہوتا ہے اسی حد تک وہ شعور اور فہم وفراست سے دور ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جوان شخص بجائے اس کے کہ مکمل طور پر اپنے شعور پر اعتماد کرے، اسے اپنے بڑوں سے نصیحتیں اور ان سے رابطہ رکھنا چاہئے۔جوانی کی عمر میں بے شعوری اور عجلت انتہائی نقصان دہ ہے۔بعض انصاری نوجوان کہہ بیٹھے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوازن کے مال سے مہاجرین کو سو، سو اونٹ دیئے ہیں، وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔باوجود اس کہ کے ہماری تلواریں ان کے خونوں سے تر ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب علم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مغموم ہوئے اور انصار صحابہ کو جمع کیا اور ان سے پوچھا تو انصار کے بڑی عمر کے سمجھ دار افراد کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ بات بعض نوجوان لڑکوں نے کہہ دی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار صحابہ سے فرمایا کہ میں نے مال زیادہ دیا ہے، تو انہیں دیا ہے جو ابھی نیا نیا کفر کے دین کو چھوڑ کر آئے ہیں، اور تمہارے لئے اس سے بڑھ کر شرف کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں مال لے کر جائیں اور تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت لے کر جاؤ۔تمام انصار صحابہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اس پر راضی ہیں۔[1]

اندازہ لگائیں وہ صحابہ جن کے لئے اللہ کی رضامندی اور جنت کے اعلان ہو چکے ہیں، ان میں سے بھی بعض لڑکوں سے اس طرح کی غلطی ہوسکتی ہے، اور وجہ ان کی کم سنی تھی (جسے بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر فرمادیا) اس واقعے کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہمارے معاشرے پر نوجوانوں کے بے شعوری کے کس قدر خطرناک اثرات رونما ہوسکتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے ہم میں تو بالاولی اس کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، بلکہ یہاں ایک حدیث کو بھی بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''هلاک امتي علي يدي غلمة من قريش'' [2] یعنی میری امت کی ہلاکت قریش کے چند

---

[1] صحیح بخاری: كتاب فرض الخمس ، باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من ..

[2] صحیح بخاری: كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الاسلام

نوجوانوں کے ہاتھ ہے۔

ظاہری بات ہے کہ وہ امت کے فساد اور خرابی کا سبب کیسے بنیں گے؟؟ اپنی کم فہمی اور بے شعوری کی وجہ سے۔

اس کے برعکس جب ایک جوان میں شعور پیدا ہوتا ہے تو وہ پورے سماج کی اصلاح کے لئے کمربستہ ہوجاتا ہے، اس کی مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ جنہوں نے جب بت توڑے تو قوم جانتی تھی کہ ایک جوان ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ اور قوم کی مراد ابراہیم علیہ السلام تھے۔(الانبیاء:٦٠) یعنی ایسا جرأتمندانہ فعل ایک جوان نے ہی کیا، اور جب جوان یہ کام نہ کرسکے تو کم ازکم اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ خاموش تماشائی بن جائے، بلکہ وہ کم ازکم ایسے علاقے میں رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کی بڑی مثال اصحاب کہف ہیں، جو کہ نوجوان لڑکے ہی تھے، جب انہیں توحید کا فہم اور شعور آیا، پھر ان کی غیرت نے شرک وکفر کو قبول نہیں کیا، قوم ان کے درپے ہوئی اور ان کے بس میں بھی کچھ نہیں تھا، بالآخر وہ اس علاقے کو چھوڑ کر ایک غار میں چھپ جاتے ہیں، اس پورے واقعہ کا نقشہ قرآن مجید میں کھینچا گیا۔(دیکھئے: سورۃ الکھف:٩ تا٢٦)

بہرحال یہ نتیجہ ہے نوجوانوں کے صحیح شعور اور فہم وبصیرت کا اور بے شعوری اور کم فہمی کا۔

آج کا نوجوان فتنوں کے نرغے میں

جوانی کی عمر آزمائشوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ جہاں اس عمر میں نوجوان کے کاندھوں پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، ساتھ ہی اسے مختلف قسم کے فتنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس عمر میں دنیاوی خواہشات اور حب الشہوات دونوں ہی عروج پر ہوتی ہیں اور ساتھ ہی جوانی ایک غفلت کی عمر بھی ہے، ایسے میں جوان جن برے اعمال کا مرتکب ہوجاتا ہے بالخصوص دور حاضر میں نوجوان جس طرح سے غلط راہوں کا راہی بن چکا ہے اور اس میں دینی اور اخلاقی اعتبار سے جن بیماریوں کا شکار ہے ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

1 مال سے متعلق برے خصائل

چونکہ جوان اپنے والدین اور اولاد کی کفالت اور بیوی کے نان ونفقہ اور اقارب کے ساتھ صلہ رحمی

جیسی مختلف ذمہ داریاں اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے ہوتا ہے،اوراب دنیا کی دیکھا دیکھی محض دنیاوی حرص وطمع کی بنیاد پر یا اپنی ان مذکورہ ذمہ داریوں کوصحیح طور پر نبھانے کی دوڑ میں بسا اوقات وہ ناجائز راہوں کا انتخاب کرلیتا ہے،مثلاً چوری،ڈکیتی ، جوا،سودخوری وغیرہ۔ چونکہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مال کمانا اس کی ضرورت ہے اس لئے حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر کثرت مال کی حرص اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے۔اوران گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

حل

اس قبیل کی برائیوں کا حل یہ ہے کہ ہمارا مقصد صرف ذمہ داریوں کا پورا کرنا ہو نہ کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنا۔اس لحاظ سے ہمیں اپنی جائز ضرورتوں کا تعین کرنا چاہئے۔اورکسب حلال کوحیثیت دینی چاہئے۔مسلمان ہونے کی حیثیت سے پرعزم ہونا چاہئے کہ کوئی حرام راہ اختیار نہیں کروں گا۔اور شریعت میں موجود اس کی حرمت کوملحوظ خاطر رکھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:" إنه لا یربو لحم نبت من سحت إلا کانت النار أولی به "[1] یعنی: جوبھی گوشت کاٹکڑا حرام سے پرورش پاتا ہے وہ جہنم کا ہی مستحق ہے۔

2 فراغت،وقت کا ضیاع

جیسا کہ کہا گیا کہ کسی حدتک جوانی غفلت کی عمر بھی ہے،نوجوان کچھ اس طرح کے بھی ہیں جوشاید اپنی جوانی کو بہت مصروف گزار رہے ہوں،لیکن حقیقت میں وہ اپنی جوانی کی قیمتی عمرکوضائع کررہے ہوتے ہیں۔اس لئے کہ ان کی جوانی جن کاموں میں مصروف ہونی چاہئے وہ خودکوان کاموں میں مصروف نہیں کرتے۔ایسے لوگوں کواپنی اصل ذمہ اریوں کا تعین کرکے اپنا وقت صحیح مصرف میں صرف کرنا چاہئے۔

بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جوکسی قسم کی مصروفیت کے بغیرکلی طور پراپنی جوانی کے شب وروزکو ضائع کررہے ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کواللہ سے ڈرنا چاہئے اوراس نعمت کی قدرکرنی چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ اس نعمت کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔

---

[1] جامع ترمذی : ابواب السفر، باب ما ذکر فی فضل الصلوۃ

3 بدعقیدگی یا اسٹائل

بکثرت یہ دیکھا گیا ہے کہ نئی جوان نسل میں بعض چیزیں بطور اسٹائل ہی کے کہہ لیں کہ ان میں مروّج ہیں حالانکہ وہ عقیدہ کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔

مثلاً مغرب کی نقال نئی نسل کو دیکھا گیا ہے کہ باہم ایک دوسرے سے تعارف کرواتے ہوئے، ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے آپ کا اسٹار (ستارہ) کیا ہے؟

جس طرح کفار ستاروں کے برجوں پر یقین رکھتے ہیں، ستاروں کی بنیاد پر لوگوں کی تقدیر کا حال پوچھا اور بتایا جاتا ہے۔ بالکل یہی حال آج کے مسلم نوجوان کا ہے۔ کہ اس نے بدعقیدگی کو اپنا مروج انداز بنالیا ہے۔

آج کل کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں بکثرت کوئی نہ کوئی دھاگہ، کڑا یا اس قسم کا کچھ ضرور ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ خاص منت یا بیماری وغیرہ کے سبب سے پہنا ہوتا ہے جو کہ صریح شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں کڑا پہنا ہوا دیکھا تو فوراً اسے اتروایا اور کہا کہ اس سے تو مزید بیماری میں اضافہ ہوگا اور اگر اسی حال میں تیری موت واقع ہوگئی تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔[1]

بعض نے یہ بطور تزین کے پہنا ہوتا ہے جو کہ عورتوں کے تزین کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

بعض نے یہ غیروں کی نقالی کرتے ہوئے اسے پہنا ہوتا ہے، یہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غیر مسلموں کی تشبیہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔[2]

4 میڈیا اور خراب لٹریچر

تفریح حاصل کرنے کے لئے نوجوان ساتھی میڈیا کا رخ کرتے ہیں اور انٹرٹینمنٹ کے نام پر جس طرح سے مخرب اخلاق نشریات دکھائی جاتی ہیں اور بے حیائی اور عریانیت کا بازار گرم کیا جاتا

---

[1] سنن ابن ماجۃ: کتاب الطب، باب تعلیق التمائم، صحیح ابن حبان: 6085، کتاب الرقیٰ و التمائم، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، نیز امام حاکم کی تصحیح، صاحب مجمع الزوائد بوصیری کی تحسین اور محمد بن عبدالوھاب کے سند لا بأس بہ کہنا ان سب کا جائزہ بھی لیا ہے۔ دیکھئے: الضعیفة: 1029 بہرحال اس مضمون کی دیگر روایات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے اگر وہ قرآنی نہ ہو۔ اور قرآنی تعویذ کا لٹکانا بھی جائز نہیں۔

[2] سنن ابی داؤد: کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، مسند احمد: 50/2

ہے۔الامان والحفیظ!!اور پھر اس کے جو برے اثرات معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ہر ذی شعور اس سے واقف ہے۔

مزید یہ کہ سوشل میڈیا نے اس حوالے سے مزید جو عریانیت اور بے دینی کو ہوا دی، وہ بھی نا قابل بیان ہے۔

ہمارا نوجوان فارغ وقت میں تھوڑی دیر کی مشغولیت کے لئے بغیر کسی تمیز کے کسی بھی لٹریچر کو پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔نتیجتاً اس راستے سے باطل نظریات ،اسلام سے دوری، بے حیائی اور شہوت کو بھڑکانے والی تحریریں یا تصاویر غیر اسلامی تہواروں کا فروغ ہوتا ہے۔

لہذا ضرورت ہے کہ ہم اس حوالے سے بھی شعور حاصل کریں کہ کون سا لٹریچر یا چینل یا ویب سائٹ کس قسم کے نظریات کو فروغ دے رہی ہے؟؟ اور اس سے اجتناب کرنا ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے؟؟ اور اس کے مقابلے میں کون سا لٹریچر یا چینل یا ویب سائٹ ہے جس کے ذریعے سے میرے اخلاق واقدار کی بہتری اور مستقبل کی تعمیر ہو سکتی ہے؟؟ یقیناً اس تمیز کے ساتھ اور اس فرق کو سمجھنے کے ذریعے سے ہی ہم نت نئے فتنوں سے بچ سکتے ہیں جو میڈیا کے راستے ہمارے دلوں میں گھر کر چکے ہیں۔

5 جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے بارے میں بدگمانی

جدت پسندی (ماڈرن کلچر) دراصل یہ نام ہے ایک ایسی سوچ کا جو مغرب سے مرعوب ہے کہ مغرب میں جو کام ہوا،بس وہ یہاں بھی ہونا چاہئے چاہے دین اس کی اجازت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو۔ بلکہ ایسے کاموں کو اپنانے کے لئے ان کے یہاں دین کی تو قربانی دی جا سکتی ہے لیکن جدت پسندی کے نام پر مغرب کی نقالی کو چھوڑنا انہیں گوارا نہیں ،حتیٰ کہ جو لوگ اس فتنے سے روکتے ہیں، انہیں بنیاد پرست کا نام دے دیا جاتا ہے اور پھر اس مغرب کی نقالی میں اس قدر ہمارے جوان مستغرق ہوئے کہ بھول گئے کہ وہ مسلمان بھی ہیں!! شاید اسی صورتحال کو سامنے رکھ کر اقبال نے کہا تھا:

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

من چلے نوجوانوں اور مغرب سے متاثر لوگوں کی خواہش پرستی کا احترام کرنے والے (یا کہیں کہ اسی راستے سے اپنی جیبیں گرم کرنے والے) بھی خوب میدان میں اترتے ہیں، اور مغرب کی نقالی کو دینی رنگ چڑھانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔جیسا کہ دورحاضر میں موسیقی اور شراب نوشی کے جواز کے فتوے منظر عام پر آچکے ہیں جو صرف اور صرف مغربی آقاؤں اور مغرب زدہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے انتہائی ناپاک جسارت ہے۔اور اسی قبیل کی جسارتیں یہ بھی ہوئیں کہ حقوق نسواں بل کے نام پر مغربی جراثیم کے متحمل مرد وزن کو کھلی چھوٹ دینے کی کوشش کی گئی،اسی طرح نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے حوالے سے سزائے موت کی سزا کے مسئلے کو چھیڑا گیا۔اور اس میں باطل کی آمیزش کرنے کی کوشش کی گئی۔

6 تقاریب اختلاط مرد وزن

لوگ بالعموم اور کالجز اور یونیورسٹیوں سے تربیت یافتہ نئی نسل (New Generation) بالخصوص مرد وزن کے اختلاط کو وقت کی ضرورت سمجھتی ہے اور صنف نازک کے ساتھ بھی اسے عین انصاف قرار دیا جاتا ہے کہ وہ مرد کے شانہ بشانہ رہے۔دراصل یہ ایک سازش ہے کہ اس راستے سے مرد وزن کی شہوت کو ابھار کر ان کی دینی غیرت وحمیت کو شہوت کے پہاڑ تلے کچل دیا جائے۔اور مسلمان بس نام کا مسلمان رہ جائے اور انگریز کی بولی بولتا چلا جائے۔شاید اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

نئی نسل کو اپنی اس بری خصلت (جو سراسر غیر اسلامی ہے) اور اس کے مضر اثرات کو بھی سمجھنا پڑے گا اور حد درجہ کوشش کرنی ہے کہ اس فریب سے خود کو آزاد کروائیں۔

7 موسیقی

آج کے نوجوان میں ایک برائی یہ بھی بہت پائی جاتی ہے کہ وہ موسیقی کا دلدادہ نظر آتا ہے، اسے

روح کی غذا سمجھتا ہے۔اس کی خوشی ،تفریح ،تہوار اور غمی سمیت کوئی موقع موسیقی سے خالی نظر نہیں آتا۔ بلکہ اب تو یہ موسیقی مساجد میں پہنچ گئی ہے۔اور کچھ عرصہ قبل ایسے لوگ بھی منظر عام پر آنا شروع ہو گئے جنہوں نے شرعی نصوص کو توڑ مروڑ کر اسے جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کی ،گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مصداق بن گئے آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم ،شراب اور موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔ [1] بحمد للہ ربانی علماء بروقت اس فتنے کی سرکوبی کے لئے کمر بستہ ہو گئے ،اوران ریشہ دوانیوں کی حقیقت کو فوری سامنے لایا گیا۔اس کے باوجود اس مزاج کے لوگ اپنی اس روش پر قائم ہیں۔اور آج جس وقت یہ سطور لکھی جارہی ہیں ،موسیقی کو ترویج اس طرح سے بھی دی جارہی ہے کہ ان دنوں آزادی مارچ کے نام سے اسلام آباد میں ایک سیاسی دھرنے کا سلسلہ کم وبیش سوا مہینے سے جاری ہے۔جس میں جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط موجود ہے۔اور موسیقی کا انتظام ہے۔جس کی دھنوں پر یہ اوباش لڑکے لڑکیاں اجتماعی طور پر مست ہیں اور رقص وسرور کی محفلیں قائم ہیں۔اور باقاعدہ یہ بات اس حلقہ کے لیڈر نے تسلیم کی ہے کہ اس موسیقی اور گانوں کے ان انتظام کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ نوجوان بور نہ ہوں۔الامان والحفیظ۔اندازہ لگایا جائے جس قوم کے نوجوانوں کی بوریت ختم کرنے کا واحد حل موسیقی کو ٹھہرادیا جائے ،وہاں اللہ کا عذاب نہ آئے تو اور کیا ہو؟؟ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں تو موسیقی کی شدید مذمت موجود ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرة ، مزمار عند نعمة ،و رنة عند مصیبة " [2]

" دوقسم کی آوازیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں،ایک نعمت ملنے پر موسیقی کی آواز اور دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔"ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" إن الله حرم علي أو حرم الخمر والمیسر والکوبة "[3] یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یا فرمایا کہ شراب، جوا اور طبلہ/موسیقی کو حرام کردیا ہے۔بہر حال موسیقی کی مذمت میں کئی ایک روایات کو پیش کیا جاسکتا

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاشربة، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه

[2] مسند بزار [3] سنن ابی داؤد: کتاب الاشربة ،باب فی الاوعیةو صححه الالبانی

ہے۔لیکن افسوس آج کا مسلمان ہے کہ اسے اللہ کی حرام کردہ چیز اور ملعون چیز میں سرور وسکون ملتا ہے اور اس کی بوریت ختم ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آلات موسیقی، گانے بجانے والیاں اور شراب عام ہوجائے گی اس وقت میری امت میں قذف (تہمت)، مسخ (شکلوں کا مسخ ہونا) اور خسف (زمین میں دھنسایا جانا) کے واقعات ہوں گے۔[1]

8 فکری حملے

چونکہ ہمارے اسکول سے لے کر یونیورسٹیز تک اسلامی تعلیم صرف نام کی حد تک ہے اور بسا اوقات ایسے مناظر بھی دیکھے گئے ہیں کہ اسلامیات جیسے مضمون (subject) کو پڑھانے کے لئے کسی جدت پسند مغربی افکار کے حامل شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اس راستے سے جو تھوڑی بہت نئی نسل کو اپنے دین کی تعلیم ملتی ہے وہ راستہ بھی بند ہوجائے۔اور کمیونسٹ قسم کا یہ اسلامیات پڑھانے والا ٹیچر اب مکمل طور پر طلباء کو نظریہ ارتقاء جیسے بدنام زمانہ نظریہ اور دیگر باطل نظریات کو غیر محسوس انداز میں نئی نسل کے ذہنوں میں ڈالتا چلا جائے۔یہی وجہ ہے کہ ان یونیورسٹیز سے ڈاکٹر، انجینئرز پیدا ہوں یا نہ ہوں کمیونسٹ اور سیکولر قسم کے لوگ پیدا ضرور ہورہے ہیں اور پھر یہی نئی نسل اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شبہات وارد کرتی نظر آتی ہے۔صورتحال یہ ہے کہ آج کا یہ نوجوان ایسا مسلمان ہے کہ جو غسل کا طریقہ سمیت کئی ایک مبادیات اور ضروریات دین سے نا آشنا ہے۔حتی کہ اس کا مسلمان بھائی فوت ہوجائے یا اس کا اپنا ہی والد یا والدہ وغیرہ کا انتقال ہوجائے تو اسے غسل دینے، کفنانے، دفنانے اور نماز جنازہ جیسے اہم حقوق سے بھی ناواقف ہوتا ہے جسے مسلمان کے حقوق میں شمار کیا گیا ہے حتی کہ میت کے دفنائے جانے کے بعد اب بھی منتظر ہے کہ اس کے گھر پر کوئی آجائے اور قرآن پڑھ جائے اور قرآن خوانی ہوجائے۔یہ نئی نسل کی ابتری کی حالت ہے۔

نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

اس پر مزید یہ کہ اپنے دین سے اس قدر لاعلم یہ اسلام سے متنفر مسلم نوجوان دوسرے مذاہب میں

---

[1] جامع ترمذی: ابواب الفتن ، باب ما جاء فی علامة حلول المسخ والخسف، صححه الالبانی

محاسن تلاش کرتا ہے حالانکہ اگر یہی توجہ اگر اپنے دین کے حوالے سے دی جائے تو اسے دین اسلام مجموعہ خیر نظر آئے گا۔ بہرحال اس نئی نسل کے ساتھ ستم بالائے ستم یہ بھی ہے کہ مدتِ طویل سے غیر محسوس انداز میں اس کا فکری اغواء کیا جارہا ہے۔اور آج کا یہ مسلم نوجوان اس دلدل میں پھنستا چلا جارہا ہے۔ اب اسے مغرب کی ہر نجاست میں حسن نظر آتا ہے اور بڑی مرعوبیت کے ساتھ اسے اختیار کر لیتا ہے۔

ان برے خصائل کا حل

ان تمام برے خصائل کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ نوجوان اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اسلام کے فہم اور اس کی دعوت کے لئے کمر بستہ ہوجائے ۔اور اپنی چھٹی حس کو اس قدر قوی کرلے کہ وہ اس طرح کی تمام سازشوں کو بروقت محسوس کرسکے اور اپنی ذات کو اس طرح کے عوامل سے محفوظ رکھتے ہوئے امت کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے۔

آج مسلم قوم کو جس جوان کی تلاش ہے، وہ ایک ایسا نوجوان:

- جو ہر دلعزیز شخصیت ہو۔
- جو تمام محاسن کا جامع ہو۔
- تمام برائیوں کے بارے میں نفرت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔
- اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے والا ہو۔
- والدین و دیگر اکابر کا ادب کرنے والا ہو۔
- جس میں یہ صلاحیتیں بھی موجود ہوں کہ وہ اچھے سے اچھے انداز میں نئی نسل کی تربیت کرسکے۔

ایسے ہی جوان کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

جوان ہوں میری قوم کے جسور و غیور
قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں

آخر میں یہی دعا ہے کہ اللہ امت کو ایسے جوان عطا فرمائے جن کی جوانیاں تاریخ کے روشن اوراق بن جائیں اور جوانی اور اسلام کا حق ادا کرجائیں۔ اور ہمارے لیڈروں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ جوانوں سے جوانوں والا کام لیں نہ کہ انہیں مغفّل زندگی گزارنے دی جائے۔اور ساتھ یہ بھی دعا ہے

کہ ہمارے نوجوان ایسے نہ ہوں کہ:

❁ اپنے دین وملت کی مبادیات سے بھی ناواقف ہوں۔

❁ والدین سمیت اکابر کو پرانے لوگ قرار دے کران کی تحقیر کرتے ہوں۔

❁ کسی بھی چیز کواپناتے وقت کوئی معیاران کے پاس نہ ہو۔

❁ ایسے بے شعور نہ ہوں کہ کالانعام (جانوروں کی طرح) ہوں جسے، جو جدھر چاہے ہانک لے وہ وہیں چلنا شروع کر دیں۔

❁ اپنے ہی آپ میں اس قدر مگن نہ ہوں کہ لوگ مفاد پرست(Selfish) کے نام سے جانتے ہوں۔قوم وملت اور امت کے مفادات سے ناآشنا اوران کے لئے کسی قسم کی کوئی قربانی دینے کا جذبہ بھی نہ ہو۔

یہ کچھ سطور جوانوں کے لئے ایک رہنما تحریر کی حیثیت رکھتی ہیں ،اللہ اس ملت کے سپوتوں نرغۂ اغیار سے محفوظ رکھے اور کماحقہ دین وملت کی خدمت کی توفیق دے ۔آمین

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم

شادیاں ناکام کیوں ہوتی ہیں؟

حافظ محمد سلیم
مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی

نکاح

اللہ رب العالمین جو تمام کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ اس نے اس کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا بلکہ ایک مقصد کے تحت اس کی تخلیق فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:56]

یعنی اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس مقصد کے تحت افزائش نسل کا بھی انتظام فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ

﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (سورة النباء : 8)

یعنی اور تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔

نیز ہر جنس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ] (الذاریات:49)

یعنی: اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کردیئے شاید تم (ان سے) سبق حاصل کرو۔

چونکہ جن وانس شرعاً مکلف بنائے گئے ہیں، لہذا انہیں افزائش نسل کے لئے نکاح کا پابند کیا گیا یعنی نکاح کا مقصد صرف جنسی تسکین نہیں ہے اسی لئے نکاح کے تعلق سے چند امور کو بہت اہمیت وتفصیل

سے بتایا گیا کہ نکاح میں تطہیر نسل ہے اس وجہ سے زنا اور نکاح کے نام پر زنا کی مختلف صورتیں شرعاً حرام قرار دی گئی ارشاد باری تعالیٰ

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾[الاسراء:32]

یعنی اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔اسی طرح نکاح شغار سے بھی منع فرمایا وٹے سٹے کا نکاح جبکہ ان کے نکاح کے درمیان حق مہر بھی نہ ہو۔ نیز نکاح متعہ، نکاح مسیار بھی حرام ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے:

" عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء يوم خيبر"[1]

یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن متعہ ایگریمنٹ نکاح سے منع فرمایا۔

اس میں تحفظ ہے محترم رشتوں کا اس وجہ سے سورۃ نساء کی آیت

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّھٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّھٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّھٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۳ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾[نساء:23]

یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہوں بشرطیکہ تم اپنی بیویوں سے صحبت کر چکے ہو۔ اور اگر ابھی تک صحبت نہیں

---

[1] صحیح بخاری: 4216

کی، تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی (تم پر حرام ہیں) جو تمہاری صلب سے ہوں۔ نیز یہ کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرلو۔ مگر جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور شادی شدہ عورتوں سے بھی نکاح نہ کرو۔ مگر وہ کنیزیں جو تمہارے قبضہ میں آجائیں۔

ان مذکورہ خواتین سے نکاح حرام قرار دیا گیا اس میں تطہیر عقائد کا بھی لحاظ رکھا گیا: ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾[البقرة: 221]

یعنی اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

نیز سورۂ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾[البقرة:21]

یعنی لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ نیز اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قطع رحمی کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تم پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہے۔

آیت کریمہ کے ترجمے سے ہی یہ مفہوم واضح ہوجاتا ہے کہ جنسی تسکین کا مہذب طریقہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا اور یوں ہم جنس پرستی کا بھی خاتمہ فرمادیا۔ اب تک کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح میں شرعاً درج ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

تطہیر نسل، محترم رشتوں کی عصمت کا تحفظ، تطہیر عقائد، نیز ہم جنس پرستی سے بھی روکا گیا ہے۔ ارکان نکاح، لڑکی اور اس کے ولی کی رضامندی، گواہوں کا ہونا، حق مہر مقرر کرنا اور لڑکے کا قبول کرنا ان تمام کے دلائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾(البقرة:221)

یعنی اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

یہ خطاب ولی کو ہے، ولی کی اہمیت بتائی جارہی ہے۔

اگر شوہر نے ایک مرتبہ طلاق دے دی اور پھر عدت گزر چکی اب اگر سابقہ زوجین ملنا چاہیں ایسے موقع پر بھی ولی کی اہمیت برقرار رکھی گئی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة:232]

یعنی انہیں اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ معروف طریقے سے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہوں۔

یعنی تم انہیں نہ روکو نکاح سے یہ خطاب عورت کے ولیوں کو ہے جبکہ یہ باہم رضامند ہو، تو تم انہیں نکاح سے نہ روکو یعنی تم انہیں نکاح کی اجازت دے دو۔ گواہان کے تعلق سے مسند احمد میں حدیث ہے لانکاح الا بولی و شاھدی عدل یعنی بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

اور سورۂ نساء میں فرمایا

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ [النساء:4] یعنی نیز عورتوں کو ان کے حق مہر بخوشی ادا کرو۔

مزید اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج "[1]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شرطیں سب سے زیادہ پوری کیے جانے کی مستحق ہیں جن کے ذریعہ عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال سمجھا گیا۔

اب جب قبول کا مرحلہ آتا ہے ارشاد باری تعالی

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳﴾ [النساء:3]

یعنی عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کرسکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی یہ زیادہ قریب ہے

---

[1] صحیح بخاری:2721

(کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھکنے سے بچ جاؤ۔یعنی تم ان عورتوں سے جوتمہارے لئے حلال ہیں نکاح کرو اس جگہ نکاح کرنے والے کو ولی یا گواہوں کا پابند نہیں کیا گیا۔

مزید ارشاد فرمایا: ﴿اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ﴾ [النساء:24]

یعنی: تمہارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے تلاش کرو، بشرطیکہ تمہارا مقصد نکاح میں لانا ہو محض شہوت رانی ہو۔

نکاح کے تعلق سے شریعت ولی کو چند احکامات کا پابند کرتی ہے۔

کہ وہ بیٹی کی جائز خواہشات کا احترام کریں اسے سمجھنے کی کوشش کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے [الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها][1]

یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے بنسبت اپنے ولی کے اور باکرہ سے اس کے نفس کے متعلق (نکاح کی) اجازت لینی چاہیئے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

مذکورہ روایت کے مفہوم سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ نکاح خواہ کنواری لڑکی کا ہو یا بیوہ کا ان کی اجازت، ان کا رضامند ہونا ضروری ہے۔

طلاق

طلاق کا لغوی معنیٰ جدائیگی ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں طلاق کا معنیٰ ہے جب زوجین یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر اس کا واحد حل طلاق ہے۔

شوہر نے باری تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اس سلسلہ میں سورۂ نساء کی آیت [فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِى الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ] (النساء:34) یعنی انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو۔

کے تحت اسے نصیحت کر کے گھر میں رہتے ہوئے اس سے بستر الگ کر کے یا کچھ مار پٹائی سے اسے راستہ پر لانے کی کوشش کی۔اب اگر معاملہ اس سے بھی تجاوز کر جائے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ۝۳۵﴾ [النساء:35]

[1] سنن ابی داؤد: 2098

یعنی اور اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کرلو۔ اگر وہ دونوں صلح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کردے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

یعنی دونوں فریق کی طرف سے بااثر لوگوں نے معاملہ سلجھانے کی کوشش کی لیکن بالآخر معاملہ طلاق پر ہی منتج ہوا۔

شرعاً اگر نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو طلاق کے استعمال کو آخری حل کے طور پر کیا جاسکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝۱۳۰ ﴾(النساء:130)

یعنی اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کردے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔

یعنی اگر ان کے درمیان جدائی (طلاق) واقع ہوچکی ہے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ

جہاں تک طلاق دینے کا تعلق ہے، اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ حالت طہر میں طلاق دی جائے ایسا طہر جس میں ازدواجی معاملات نہ ہوئے ہو۔ ایک وقت میں ایک ہی طلاق دی جائے۔ اور طلاق دیتے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنالیا جائے، اس کی دلیل سورہ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱ ﴾[الطلاق : 1]

یعنی: اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور خدا سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو۔ (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) انکے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح

بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ خدا کی حدیں ہیں۔ جو خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ (اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید خدا اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کردے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ [اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ] (البقرۃ: 229) یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ ہے، یعنی ایک بار طلاق دینے کے بعد رجوع کا اختیار دو مرتبہ ہے، پھر چاہے تو تیسری بار طلاق دے کر اس کو فارغ کر دیں یا اس کو طلاق نہ دے اور اپنے نکاح میں رکھے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی عام طور پر ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا رواج نہیں تھا۔

البتہ اگر ایسا واقعہ پیش آیا تو آپ نے تینوں طلاقیں نافذ نہیں کی بلکہ اسے ایک ہی کے حکم میں شمار کیا یا اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ جس کی تفصیل کتب احادیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نوٹ: موجودہ حالات میں اس امر کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ لوگوں کو طلاق دینے کا صحیح طریقہ بتایا جائے تا کہ آئے دن جو طلاق کے حوالے سے شرعی مسئلہ ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے اس کا صحیح طور پر نفاذ عمل میں آئے گا۔

خلع

شرعاً فسخ نکاح کی ایک صورت ہے جس میں بیوی کسی معقول وجہ سے شوہر کے ساتھ نبھاہ نہیں کر سکتی اور وہ طلاق چاہتی ہو، تو وہ اپنا حق مہر شوہر کو واپس کرے گی۔ نیز اگر شوہر حق مہر کے علاوہ بھی مزید کچھ مطالبہ کرتا ہے تو بیوی وہ بھی دے کر اپنے آپ نکاح کے بندھن سے آزاد کروا سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرۃ: 229) یعنی عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے، اس پر دونوں پر گناہ نہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آکر ان الفاظ میں اپنے خاوند سے لینے کی خواہش کا اظہار کیا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، یعنی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کسی بری عادت یا دینداری کی وجہ سے ناراض نہیں ہوں، لیکن میں حالت

اسلام میں ناشکری نہیں کرنا چاہتی ہوں،تو آپ نے اس سے پوچھا: أتر دين حديقته عليه۔۔ یعنی کیا تو اس کا باغ اس کو واپس کرنے کو تیار ہے؟ اس نے جب ہاں میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خاوند (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) کو بلوا کر فرمایا: اقبل الحديقة و طلقها تطليقة یعنی اپنا باغ لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔[1]

خلع کے حوالے سے چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔ یہ عورت کے مطالبہ پر ہوگا۔

۲۔ وہ حق مہر واپس کریگی۔

۳۔ اس میں رجوع نہیں ہوسکتا۔

۴۔ اس کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہوگا، یا پنچائیت بلا کر کروایا جائے۔

۵۔ خلع کی عدت ایک ماہ ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔''[2]

یہ تمام امور اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ خلع کی حیثیت طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔

شادیاں ٹوٹنے کے اسباب

ہمارے معاشرے میں اکثر شادیاں جو ناکام ہوجاتی ہیں اور ان کا انجام خلع یا طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں جنہیں چند ایک جو زیادہ اہم ہے اس کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے۔

❶ رشتہ کرتے وقت معیار دین کو نہ بنایا جانا

عام طور پر رشتہ کرتے وقت یہ تو معلوم کیا جاتا ہے کہ لڑکا کہاں ملازمت کرتا ہے؟ کتنا کماتا ہے؟ گھر اپنا ہے کہ نہیں اور اگر ان سوالات کے جواب مطمئن ہوتے ہیں تو رشتہ کر دیتے ہیں، لیکن لڑکے کا دینی معاملہ کیسا ہے؟ عقیدۃً وعملاً

---

[1] صحیح بخاری: 5273

[2] سنن ابی داؤد

صوم وصلوۃ کا پابند ہے یا نہیں؟ حلال کماتا ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے کوئی چھان بین نہیں کی جاتی حالانکہ احادیث میں اس حوالے سے بھی رہنمائی موجود ہے جیسا کہ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[اذا خطب الیکم من ترضون دینه و خلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة من الارض و نساء عریض](رواہ الترمذی)

یعنی جب تمہارے پاس ایسے شخص کی طرف سے نکاح کا پیغام آئے جس کے دین واخلاق سے تم خوش ہو تو اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑے فسادات رونما ہونگے۔

❷ کورٹ میرج یعنی بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرلینا

لڑکیوں کا گھر سے اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہو کر کورٹ چلے جانا۔ اور یہ بیان دینا کہ میں عاقلہ بالغہ ہوں اور میں اپنی خوشی سے اس سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے اور یوں اسے کورٹ سے شادی کا اجازت نامہ دے دیا جاتا ہے۔

اور پھر نکاح کے کچھ عرصہ کے بعد ہی لڑکی کو اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ میں نے انتہائی قدم اٹھا کر غلطی کی، جب آشنا فرار ہو جاتا ہے۔

❸ اولاد کی دینی تربیت نہ ہونا

اولاد کی دینی تربیت کے اعتبار سے والدین صرف اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ بیٹی کو قرآن مجید ناظرہ پڑھا دیا جائے، نماز پڑھنا آجائے، تاکہ رمضان میں یا جمعہ کے دن اس کا اہتمام کرلیا جائے قرآن کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی رمضان میں یا جمعہ کے دن اس کا اہتمام کرلیا جائے قرآن کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی رمضان میں پڑھ لینا چاہیئے یا کبھی صرف میت کے مسئلہ میں ایک آدھا پارہ پڑھ لیا جائے، جبکہ دینی اعتبار سے تربیت میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس میں ان احکامات پر توجہ دلانا جن کا تعلق خواتین ہی سے ہے، جیسے پردے کے احکامات خانگی مسائل سے واقفیت ہونا، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اپنی بچیوں کو سورہ نور کی تعلیم دو، آج کل والدین سہولت کی خاطر بہت سی جگہوں پر خواتین کو اس طرح کہ مختصر کورس کروالے جاتے ہیں جس سے ایک عورت کو اچھی خاصی دینی معاملات سے آگاہی ہوسکتی ہے۔

خلع کے اسباب تو بہت ہیں۔ مثلاً والدین کا اپنی بیٹیوں کی صحیح دینی بنیادوں پر تربیت نہ کرنا بلکہ بیٹی کی غلطی پر بھی اس کی سائیڈ لینا اس کی حوصلہ افزائی کرنا، اس طرح کا معاملہ بالآخر خلع پر ہی منتج ہوتا ہے۔

کئی والدین تو ایسی بھی دیکھنے میں آئیں کہ شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہوتا اور آپس میں نبھاہ کی صورت بنتی نظر نہ آ رہی ہو تو خود ہی خلع کے کاغذات بنوا کر لڑکے کو جبراً سائن پر مجبور کرتے ہیں، حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ بیٹی کو سمجھاتے طرفین سے بڑوں کو بٹھا کر معاملہ سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس قسم کے والدین کے لئے جناب عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں وہ اپنی بیٹی کو بہت ہی ناصحانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں دیکھو بیٹی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا میں تمہیں وہ چیز مہیا کروں گا۔

دیکھو تم اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان نہ کرنا، نہ ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس کرتے ہوئے ایسا مطالبہ کرنا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے، [1]

مذکورہ بالا واقعہ والدین کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ماں باپ کو بیٹی کا گھر بسانے کے لئے کتنی کوشش کرنی چاہئے اور کسی قدر سنجیدہ ہو کر اس بارے میں سوچنا چاہئے۔ نیز ہر اس رویہ اور عمل کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے جس سے بیٹی کو بلاوجہ شہ ملے اور اس کا گھر برباد ہو۔

اسی طرح لڑکی کی مرضی کے بغیر جبراً رشتہ طے کر دینا جبکہ لڑکی کسی معقول وجہ سے انکار کر رہی ہو اس قسم کی شادیوں کا بالآخر انجام خلع پر ہی منتج ہوتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خنساء بنت خذام کا معاملہ آیا ان کے والد نے ان کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نکاح کو رد کر دیا۔

''عن خنساء بنت خذام الأنصارية أن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها'' [2]

---

[1] صحیح بخاری:کتاب النکاح باب عظة الرجل ابنته (ملخصاً)

[2] صحیح بخاری: 6945

کفار سے مشابہت

فضیلۃ الشیخ طاہر آصف حفظہ اللہ
مدرس: جامعہ ابی بکر الاسلامیہ

مشابہت کا مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ ''التشبہ'' مشابہت سے ماخوذ ہے اور مشابہت نام ہے مماثلت، نقل، تقلید اور پیروی کا۔ نیز مشابہت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آپس میں ملتی جلتی ہوں لہذا جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے فلاں کی مشابہت اختیار کی تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی نقل اور پیروی اختیار کر کے اس جیسا ہو گیا۔

ایسی مشابہت جس سے قرآن وسنت میں ممانعت آئی ہے۔ کفار کے عقائد وعبادات یا ان عادات واطوار میں مشابہت جو ان کی پہچان ہیں کسی طرح جائز نہیں اسی طرح معاشرے کے غیر صالح افراد سے مشابہت بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے بدکار، فاسق وفاجر اور

جہلاء وغیرہ اسی طرح وہ بدو گنوار بھی اس زمرے میں آتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان پوری طرح راسخ نہیں ہوا ان کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

مشابہت کے باب میں یہ قاعدہ یادرکھنا چاہیے کہ وہ چیزیں مشابہت کے ضمن میں نہیں آتیں جن کا تعلق کفار کے عقائد، عبادات یا عادات وغیرہ سے نہیں یا وہ چیزیں جو ان کی پہچان یا ان کے ساتھ خاص نہیں وہ باتیں بھی جو کسی شرعی حکم کے خلاف نہیں اور نہ ان کے کرنے سے کسی فتنہ وفساد پھیلنے کا ڈر ہے۔

کفار کی مشابہت سے کیوں منع کیا گیا ہے؟

ابتدائی طور پر ہمیں اسلام کا یہ اصول سمجھ لینا چاہیے کہ دین کی بنیاد تسلیم ورضا اور اطاعت پر ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اطاعت نام ہے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کا۔ اللہ کے احکام کی بجا آوری اور منع کی گئی چیزوں سے اجتناب اور آپ ﷺ کی مکمل اتباع و پیروی کا۔ جب یہ اصول ہم نے سمجھ لیا تو پھر ایک مسلمان کو چاہیے کہ:

☆ ہر اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کردے جو رسول مقبول ﷺ کی طرف سے ہو۔

☆ آپ ﷺ کی اطاعت اور احکام کی تعمیل کرے جن میں سے ایک مشابہت کفار سے اجتناب کا حکم ہے۔

☆ جب ایک مسلمان تسلیم ورضا کے ساتھ مطمئن ہو جائے، اللہ تعالی کی بیان کردہ اور عطا کی ہوئی شریعت پر مکمل اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ اطاعت بجالائے تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شرعی احکام کی وجوہات، اسباب اور حکمتیں تلاش کرے۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کفار کی مشابہت سے روکنے کے لیے بہت سارے اسباب ہیں اور ارباب عقل ودانش اور خوش فطرت لوگوں کو ان سے اکثر کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ کفار کے تمام اعمال کی بنیاد گمراہی اور فساد پر ہے: کفار کے اعمال کے متعلق یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ ان کے اعمال آپ کو پسند آئیں یا آپ انہیں ناپسند کریں۔ وہ اعمال بظاہر فتنہ انگیز ہوں یا فساد ان کے باطن میں چھپا ہوا ہو۔ ان کے اعمال کی بنیاد بہر حال گمراہی، انحراف اور فساد پر ہی ہے۔ ان کے عقائد ہوں یا عادات وعبادات عام طور اطوار ہوں یا جشن و تہوار۔ یہ سب کے سب خیر و بھلائی

سے یکسر خالی ہیں ۔فرض کریں ان میں کوئی اچھی بات ہو بھی تو ان کے لیے سودمند نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اس پر اجر و ثواب نہ پا سکیں گے ۔جیسا کہ فرمان ربانی ہے:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا﴾[الفرقان]

''اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے پس ہم انہیں اڑتی ہوئی خاک کی مانند بنا دیں گے۔''

کفار سے مشابہت

یہ چیز اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ اسے مسلمانوں کے صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی طرف لے جاتی ہے جس کے متعلق شدید وعید آئی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء]

''جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلے جبکہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی ہے،تو وہ اس کو اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

مشابہت اختیار کرنے والا اور جس کی مشابہت اختیار کی جا رہی ہے دونوں کے مابین اسی مشابہت کی بنا پر ایک ظاہری مناسبت اور ارادت مندی پیدا ہو جاتی ہے پھر اس قلبی میلان اور موافقت کے ساتھ ساتھ قول و عمل کی ہم آہنگی بھی جنم لیتی ہے۔جبکہ یہ بات ایمان کے منافی ہے جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔

اکثر اوقات یہی مشابہت، کفار سے وابستگی کا سامان پیدا کر کے دل میں ان کے لیے پسندیدگی کا جذبہ ابھارتی ہے اور یوں ان کا مذہب، عادات و اطوار ان کی باطل پرستی اور شر انگیزی حتی کہ ان کی ہر بری بات بھی بھلی لگنے لگتی ہے۔

اس قلبی میلان اور پسندیدگی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سنت مطہرہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور وہ

رشد و ہدایت جسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے اور جسے سلف صالحین نے اپنا منہج بنایا تحقیری، ناقدری اور بے توجہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی قسم سے مشابہت اختیار کی گویا ان سے موافقت کر لی اور ان طور اطوار اور افعال اسے بھا گئے جبکہ عام حالات میں انسان کو اپنے مخالفین کی کوئی بات یا کام بھی اچھا نہیں لگتا۔

یہ مشابہت ہی ہے جو فریقین کے دل میں محبت و مودت، قلبی لگاؤ اور یگانگت کا سبب بنتی ہے۔ ایک مسلمان جب کسی کافر کی پیروی اور نقل کرتا ہے تو وہ یقیناً اپنے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے یوں ایک طرف اس کا دل غیر مسلموں کی محبت و الفت کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور دوسری جانب اس کے دل میں پرہیز گار، متقی اور شرعی احکام کے پابند مسلمانوں کے لیے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے جسے ہر صاحب عقل اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ خاص طور پر جب مشابہت اختیار کرنیوالا اجنبیت اور احساس کمتری کا شکار ہو تو یہ شخص جس کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے یقیناً اس کی عظمت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اسے محبت و الفت کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو بلکہ صرف ظاہری شکل وصورت اور عادات و اطوار تک ہی مشابہت و ہم آہنگی محدود ہو تب بھی یہ ایک خطرناک صورتحال ہے۔ کیونکہ ظاہری شکل وصورت میں مشابہت باطنی موافقت کا سبب ضروری بنتی ہے۔ اس بات کو ہر وہ شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے جو اس قسم کے عادات و اطوار پر تھوڑا سا غور فکر کر لے۔

مثال سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ مشابہت کرنے والوں کے درمیان واقعتاً محبت و الفت اور مناسبت و موافقت پائی جاتی ہے۔ جیسے کوئی اجنبی شخص کسی دوسرے ملک میں اپنے ہم زبان اور ہم لباس کو دیکھے تو وہ ضرور اس وقت اس کے لیے اپنے دل میں محبت و الفت کے جذبات زیادہ محسوس کرے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ اسے اپنے ملک میں دیکھتا ہے۔ جب کوئی انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی نقل کر رہا ہے تو اس تقلید کرنے والے کے لیے اس کے دل میں خوشگوار جذبات جنم لیتے ہیں۔ یہ تو ہے عمومی صورت حال مگر اس وقت صورت کیا ہو گی جب کوئی مسلمان کسی کافر کو پسند کرنے کی بنا پر اس کی نقالی اور تقلید کر رہا ہو۔؟؟؟!

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کی نقل کی کوشش کرتا ہے تو اس کے تحت الشعور میں رضا و رغبت اور پسندیدگی کے عوامل ہی کارفرما ہوتے ہیں۔ پھر یہی نقل و مشابہت مودت محبت کا ذریعہ

بنتی ہے۔جس کا مشاہدہ ہم اکثر مغرب زدہ اور مغربیت پسند مسلمانوں میں کرتے ہیں۔

مشابہت سے ہمیں اس لیے بھی روکا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو یہ مشابہت اسے ذلت وپستی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ جہاں وہ احساس کمتری کے ساتھ ساتھ شکست خوردہ بھی دکھائی دیتا ہے، اس ذلت میں آج اکثر وہ لوگ مبتلا نظر آتے ہیں جو کفار کی تقلید اور نقالی میں لگے ہوئے ہیں۔

بعض اہم اصولوں پر ایک نظر جن کی بنا پر ہم مذموم اور ممنوعہ مشابہت کا معیار سمجھ سکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پاکیزہ اور سچی ترین زبان سے پیشین گوئی فرمائی ہے جو بلاشبہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع [1]

''تم ضرور اپنے سے پہلوں کی ہو بہو اس طرح پیروی کرو گے جیسے ایک بالشت دوسری بالشت کے اور ایک بازو دوسرے بازوں کے برابر ہوتا ہے۔''

اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہا اس امت کے کچھ گروہ کفار کی مشابہت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حدیث پاک میں جو''سنن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں کفار کے عقائد، عبادات، احکام وعادات، طور واطوار اور عیدیں اور تہوار سبھی شامل ہیں۔

''الذین من قبلنا''ہم سے پہلے لوگ۔اس سے کون مراد ہیں۔

اس سلسلے میں مختلف احادیث میں وضاحت آئی ہے۔جن کا یہاں ذکر کرنا ضروری نہیں تاہم ان میں سے بعض کی تفصیل قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا،''الذین من قبلنا''سے مراد اہل فارس اور اہل روم ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہیں یعنی یہودی اور عیسائی۔اسی طرح ان سے مراد عمومی کفار اور مشرکین بھی بیان فرمایا۔ یہ تمام تشریحات آپس میں ملتی جلتی ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ کے

---

[1] بخاری

فرامین سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ کفار کی مشابہت اختیار کرنے والے لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت موجود رہے گی جو حق پہ جمے رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ونصرت حاصل کرنے والے اور حمایت یافتہ لوگ ہوں گے۔ یہ برملا حق کا اظہار کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

یہی جماعت ''الفرقة الناجية'' ہے۔ یعنی کامیاب و کامران جماعت۔ ان کے کامیاب و کامران ہونے کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ کفار کی مشابہت سے دور رہیں۔ سو آپ ﷺ کی پیش گوئی کہ یہ امت پچھلی ہلاک شدہ امتوں کی پیروی کرے گی، اس سے مراد افتراق کا شکار امت کے ایسے مختلف گروہ ہیں جو اتباع سنت اختیار کرنے والی جماعت کی سیدھی راہ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

نبی ﷺ نے جہاں یہ خبر دی کہ یہ امت مشابہت کفار میں مبتلا ہوگی وہاں اس موذی مرض سے بچنے کی بھی سخت تلقین فرمائی۔ مثال کے طور پر:

نبی ﷺ نے کفار کی مشابہت سے بچنے کی جو تلقین فرمائی ہے وہ مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من تشبه بقوم فهو منهم" [1]

''جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔''

اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے۔ "لتتبعن سنن من كان قبلكم"

''تم اپنے سے پہلوں کی پیروی کرو گے۔''

یہ آپ ﷺ نے خبردار کرنے کے لیے فرمایا کہ دیکھو مشابہت کا دور ہوگا تو تم بچ کر رہنا۔ اسی طرح اور بہت ساری احادیث مبارکہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ابوداؤد

"خالفوا المشرکین" ''مشرکین کی مخالفت کرو۔''

پھر فرمایا: خالفوا الیہود ''یہودیوں کی مخالفت کرو۔''

اور فرمایا: خالفوا المجوس ''مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

یہ سب ایسے واضح احکامات ہیں جن میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مشابہت سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تفصیلی فرامین ان شاء اللہ آٹھویں باب میں بیان کیے جائیں گے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمونے کے طور پر چند امور کے متعلق خبردار فرما دیا کہ بعض مسلمانوں سے کفار کی مشابہت کا ارتکاب ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس خطرہ سے پیشگی متنبہ فرما دیا تا کہ ہم اس سے بچ سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی انتہائی اہم ہے کہ اس امت میں ایک جماعت حق پر کاربند رہے گی۔ جو ان سے دشمنی کریں گے یا ان کی حمایت و مدد سے ہاتھ کھینچیں گے وہ انہیں قیامت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مشابہت کے مسائل پر نظر ڈالتے وقت ان اصول وقواعد کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان احادیث کو علیحدہ علیحدہ دیکھیں گے تو بعض لوگوں کو یقیناً یہ وہم ہوگا کہ شاید تمام مسلمان ہی مشابہت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ بات دین حنیف کی حفاظت کے منافی ہے۔ اور حفاظت اللہ تعالی نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اسی طرح یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے بھی متصادم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ اگر صرف اس حدیث کو لیکر دوسری حدیث چھوڑ دیں جس میں آپ نے فرمایا کہ تم ضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے، تو بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ شاید یہ امت کفار کی مشابہت سے بالکل پاک ہے۔ حالانکہ بات دراصل یہ ہے کہ امت وسط یعنی اہل سنت کی جماعت ہمیشہ موجود رہے گی۔ یہ لوگ سنت مطہرہ پر کاربند اور کفار کی مشابہت سے دور رہیں گے اور وہ دوسرے گروہ جو اہل سنت کی راہ چھوڑ بیٹھے ہیں ان کا یہ افتراق و گمراہی اصل میں مشابہت کفار ہی کا شاخسانہ ہے۔ بلاشبہ اس امت میں موجود جتنے گروہ اور جماعتیں ہیں ان میں سے کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں کہ جس نے سنت مطہرہ سے دوری بھی اختیار کی ہو اور وہ پچھلی امتوں کے اطوار و عادت اپنانے سے محفوظ بھی رہے ہوں۔ جیسے آئندہ مثالوں سے ان شاء اللہ یہ

بات واضح ہوگی۔

جن امور میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے

عامۃ الناس کو چار قسم کے امور میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

1 اعتقادی امور

مشابہت کے باقی ماندہ امور میں سے یہ معاملہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ عقائد میں مشابہت دراصل کفر اور شرک ہے۔ جیسے نیک لوگوں کو مقدس جان کر ان کی تعظیم میں مبالغہ آرائی کرنا۔ اسی طرح اقسام عبادت میں سے کسی کا رخ غیر اللہ کی طرف پھیر دینا یا مخلوق میں سے کسی کو اللہ کا بیٹا یا اللہ کا باپ بنا دینا جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور یہودیوں نے سیدنا عزیر علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ دین میں فرقہ بندی (اس سے مراد ہے حق اور اہل سنت کو چھوڑ دینا ورنہ اجتہادی مسائل میں اختلاف اس میں داخل نہیں کیونکہ یہ دین سے علیحدگی نہیں) یا قانون الٰہی کی بالادستی تسلیم کرنے کی بجائے کوئی دوسرا قانون اپنا لینا۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے کفر و شرک کے جو معاملات ہیں ان سب کا تعلق عقائد سے ہے۔

2 جشن و تہوار

عید و تہوار اگرچہ عبادات ہی میں داخل ہیں لیکن بعض اوقات ان کا شمار عادات میں ہوتا ہے مگر شریعت نے مختلف دلائل اور قطعی احکام کے ذریعے انہیں خاص کر دیا ہے۔

ان کی اہمیت کے پیش نظر خصوصی طور پر ان کے منانے میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے سال میں صرف دو تہوار یعنی دو عیدیں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے تہوار یا جشن جیسے سالگرہ منانا، قومی دن کا انعقاد یا وہ باقاعدہ جشن جن کے لیے سال میں یا مہینے میں کوئی خاص دن مقرر ہو۔ اسی طرح کوئی دن یا ہفتہ جو تکرار سے منایا جائے اور لوگ اس کے منانے کا اہتمام کریں، مشابہت کی ایسی واضح باتیں ہیں جن کے متعلق شرعی نصوص موجود ہیں۔

3 عبادات سے متعلق امور

نبی علیہ السلام نے اپنے بہت سے فرامین میں تفصیل کے ساتھ عبادات میں کفار کی مشابہت

اختیار کرنے سے منع فرمایا اوران باتوں کا بھی تذکرہ فرمایا جن میں مشابہت ممنوع ہے۔ جیسے مغرب کی نماز میں تاخیر روزہ افطار کرنے میں دیر کرنا، سحری کھائے بغیر روزہ رکھنا اور اس طرح کی کچھ دوسری چیزیں جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ان شاءاللہ

4 عادات واطوار اور اخلاق

آخری قسم کا تعلق عادات واطوار اور اخلاق سے ہے۔ جیسے لباس وغیرہ جسے ''الھدی الظاھر'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ (الھدی الظاھر) سے آدمی کی ہیئت کذائی، ظاہری شکل وصورت، لباس، طور و اطوار اور عادات واخلاق وغیرہ مراد ہے۔ ان باتوں میں بھی واضح طور پر کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔

مثلاً داڑھی منڈوانے سے روکا گیا ہے۔ سونے کے برتن استعمال کرنا اور ایسا لباس پہننا جو کفار کا شعار وامتیاز ہو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول، مردوں کی عورتوں سے مشابہت اور عورتوں کی مردوں سے مشابہت اور اسی قسم کی دوسری عادات میں مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

مشابہت کے احکام

مشابہت کے تمام احکام کا مکمل تفصیل کے ساتھ احاطہ ممکن نہیں کیونکہ مشابہت کی تمام صورتوں میں ہر ایک کا حکم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسے شرعی نصوص کی کسوٹی پر پرکھا جائے، اہل علم اور فقہاء دین کے بتائے ہوئے شرعی قواعد پر پیش کیا جائے۔ مگر یہاں بعض ایسے عمومی احکام ضرور ہیں جن کے ضمن میں مشابہت کی تقریباً تمام صورتیں آجاتی ہیں جو ذیل میں درج کیے جارہے ہیں:

☆ مشابہت کی اقسام میں سے ایک قسم ایسی ہے جس کا اختیار کرنا شرک اور کفر ہے جیسے عقائد و عبادات میں مشابہت اختیار کرنا۔ اسی طرح یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں سے ان باتوں میں مشابہت جو عقیدۂ توحید سے متصادم ہیں۔ مثلاً تعطیل کا عقیدہ اختیار کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار اور ان میں الحاد کی راہ اپنانا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں حلول کرنا اور اپنی مخلوق کے ساتھ اتحاد کا گستاخانہ عقیدہ رکھنا۔ اسی طرح انبیاء کرام اور صالحین عظام کی تقدیس وتعظیم کے

ساتھ ساتھ ان کی عبادت کرنا۔ اللہ کے سوا ان کو پکارنا۔ وضعی قوانین، انسان کی تخلیق کردہ نظام اور ضابطوں کو ایسے قوانین سمجھ لینا جن کے مطابق فیصلے کئے جائیں، ان سب باتوں کا ارتکاب شرک اور کفر ہے۔

☆ مشابہت میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کفر یا شرک تک تو نہیں پہنچتیں۔ تاہم وہ فسق و فجور اور گناہ و معصیت کے زمرے میں ضرور آتی ہیں۔ جیسے بعض عادات و اطوار میں کفار کی تقلید و پیروی۔ مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانا پینا، مردوں کا سونے کی انگوٹھی پہننا، یا سونے کے دوسرے زیورات استعمال کرنا، داڑھی منڈوانا، مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے سے مشابہت اختیار کرنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں اس قسم میں شامل ہیں۔

☆ مشابہت کے باب میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اختیار کرنا مکروہ ہے اور یہ وہ ہیں جن کا حکم واضح نہ ہونے کی بناء پر حرام اور مکروہ کے درمیان معلق ہے۔ اس سے مراد وہ دنیاوی چیزیں اور عام عادات و اطوار ہیں جن کی حرمت واضح نہیں اور وہ کراہت و اباحت کے مابین ہیں مگر مسلمانوں کو مشابہت سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کا اختیار کرنا مکروہ کے حکم میں آتا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کفار کے کچھ ایسے کام بھی ہیں جو ہمارے لیے مباح ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کام مباح ہیں جو صرف کفار کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ان کا طرہ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کرنے سے نہ تو وہ پرہیز گار اور صالح مسلمانوں سے ممتاز و منفرد نظر آتے ہوں اور نہ وہ ایسے کام ہوں جن کے کرنے سے مسلمانوں میں فتنہ وفساد کے پھوٹنے کا اندیشہ ہو، یا ان کا کرنا مسلمانوں کے زوال اور کافروں کی ترقی کا سبب بنے۔ مباح کاموں میں سے ایک تو خالص مادی ترقی ہے یا وہ ایجادات وغیرہ ہیں جن میں ان کی پیروی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہیں۔ اسی طرح وہ خالص دنیاوی علوم جو اسلامی عقائد و اخلاقیات سے متصادم نہیں وہ بھی مباح ہی سمجھے جائیں گے یہی نہیں بلکہ بعض اوقات یہ خالص دنیاوی علوم جو کفار کے پاس ہیں ان سے فائدہ اٹھانا مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے اور جب ہم خالص کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو شرعی اصول وضوابط یا نصوص سے متصادم ہو یا مسلمانوں کی ذلت و اہانت اور تحقیر کا سبب بنے۔ لہذا جو علوم ان خطرات سے خالی ہوں گے۔ (ان کے حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان کوشش کریں کہ وہ کفار کے دست نگر نہ رہیں۔لیکن اس کوشش میں ایسا نہ ہو کہ بنیادی اور واجب احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ جیسے جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت وتبلیغ اور اقامت دین وغیرہ۔ان چیزوں کا خیال رکھتے ہوئے کوئی بھی مسلمان شرعی قواعد وضوابط میں رہ کر کسی ملک یا قوم سے دنیاوی فوائد حاصل کرسکتا ہے۔جیسے عام ایجادات وغیرہ سے استفادہ کرنا۔رسول مقبول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا۔صنعت وحرفت اور منفعت وغیرہ میں کفار سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ خیال نہ کرتے، جب تک کہ یہ چیز مسلمانوں کی ذلت وکمتری کا باعث نہ بن رہی ہو اور یہ کہنا سوائے مبالغہ آرائی کے اور کچھ نہیں کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں سے اہم ترین کام فقط مادی ترقی ہی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان پہلے اقامت دین اور شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں اور پھر مادی برتری کے لیے کوشاں ہوں۔ یہ ایک منطقی امر ہے کہ اقامت دین سے ہی یقینی طور پر دنیاوی ترقی اور برتری کی راہ ہموار ہوگی۔ واللہ اعلم)

مختصر یہ کہ عقائد وعبادات اور عید وتہوار منانے میں کفار کی مشابہت اختیار کرنا قطعی طور پر حرام ہے، اسی طرح وہ معاملات جن کا تعلق عادات واطوار سے ہے اگر وہ صرف کفار کے ساتھ ہی خاص ہیں تو حرام ہیں ورنہ ان کا حکم حرام ومکروہ کے درمیان معلق ہوگا اور جن باتوں کا تعلق علوم وفنون یا خالص دنیاوی امور سے ہے جیسے صنعت وحرفت اور اسلحہ سازی وغیرہ تو یہ پہلے بیان کردہ شروط کے ساتھ جائز ہوں گی۔

ان لوگوں کی اقسام جن سے مشابہت ممنوع ہے

شرعی نصوص کو جمع کرنے سے ہم ایسے بہت سے لوگوں کی اقسام کو جان سکتے ہیں۔

پہلی قسم......عام کفار

مجموعی طور پر بلا تخصیص تمام کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔اس ممانعت میں مشرکین، یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی، ملحد، بے دین اور دوسرے کفار سبھی شامل ہیں۔عبادات، عادات، لباس اور اخلاق غرض ہمیں ہر اس چیز میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے جو کفار کے ساتھ خاص ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دو زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا:

''اِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا'' ''بے شک یہ کفار کا لباس ہے تم اسے مت پہنو۔''[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لباس کفار کے خصائص میں سے ہو اس کا پہننا جائز نہیں۔ (آج کے دور میں جس لباس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس کا شمار کفار کے خصائص میں ہوتا ہے وہ پتلون ہے۔ مسلم ممالک میں اس کا پہننا جائز نہیں۔ اگرچہ یہ مغرب زدہ لوگوں میں بہت مقبول ہے اور ایسے لوگوں کی مسلم ممالک میں کثرت ہے مگر معیار تو دین دار اور متقی لوگ ہوں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ تو پتلون وغیرہ نہیں پہنتے۔ ویسے بھی مروجہ پتلون میں انسانی وقار برقرار نہیں رہتا کیونکہ اس میں مکمل ستر پوشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کچھ چیزیں کفار کے مختلف گروہوں میں سے ہر گروہ کی الگ سے علامت سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے یہودیوں کا ہیٹ ہے اور عیسائیوں کی صلیب وغیرہ۔ واللہ اعلم)

دوسری قسم......مشرکین

مشرکین سے عبادات، عید وتہوار اور افعال و اعمال میں مشابہت ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح سیٹیاں بجانا، تالیاں پیٹنا یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو دنیا میں اپنے لیے اللہ کے ہاں سفارشی یا وسیلہ سمجھنا، قبروں پر نذر و نیاز اتارنا، چڑھاوے چڑھانا، قربانی وغیرہ پیش کرنا اور بعض دوسرے مشرکانہ افعال ہیں جن میں مشرکوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ مشرکین کا ایک طریقہ یہ تھا کہ حج میں میدان عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی لوٹ آتے۔ ایسا کرنا بھی ان سے مشابہت ہے۔ سلف صالحین مشرکوں کے اعمال وخصائص کو ناپسند کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

'' مَنْ بَنَى بِبِلاَدِ الْمُشْرِكِينَ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَمَهرجَانَهُمْ حَتَّى يَمُوتَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوَمَ الْقِيَامَةِ''[1]

---

[1] سنن البیهقی 9/23

”جس نے مشرکین کے ملک میں گھر بنایا، ان کے نوروز ومہرجان کے جشن منائے اور اسی حالت میں اس کی موت آگئی تو وہ قیامت کے روز انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مساجد پر برج وغیرہ کی تعمیر کو ناپسند کیا اور کئی مرتبہ اس سے منع فرمایا کیونکہ وہ اسے مشرکین کے صنم کدوں اور ان کی عبادت گاہوں سے مشابہ خیال کرتے تھے۔

تیسری قسم......اہل کتاب

اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ ہمیں ان تمام اعمال سے منع کیا گیا ہے جو ان کے خصائص اور شعائر کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے یہود ونصاریٰ کے عقائد وعبادات، عادات واطوار، ان کا لباس، عید وتہوار، اسی طرح قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنا پھر انہیں سجدہ گاہ بنالینا، تصویریں لگانا، عورتوں کے ذریعے فتنہ انگیزی کرنا، سحری نہ کھانا، بڑھاپے کے سفید بالوں کو نہ رنگنا، صلیب اٹھانا، ان کے تہوار خود منانا یا ان کے تہواروں میں شریک ہونا، یہ تمام ایسے کام ہیں جن میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت ممنوع ہے۔

چوتھی قسم......مجوس

مجوسیوں کی عادات وخصائص میں سے ایک آگ کی پرستش ہے۔ اس کے علاوہ اپنے بادشاہوں اور بڑوں کو حد سے بڑھا کر مقدس جاننا، سر کے پچھلی جانب سے بال منڈوا کر اگلے حصے کے بال چھوڑ دینا، داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا، سیٹیاں بجانا اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا، یہ سب مجوسیوں کے اعمال واطوار ہیں جن کا اختیار کرنا ان کی مشابہت ہے جو ممنوع قرار دی گئی ہے۔

پانچویں قسم ......اہل فارس اور اہل روم

روم اور فارس کے لوگ اگرچہ اہل کتاب کے ضمن ہی میں آتے ہیں تاہم علیحدہ سے بھی ایسی باتوں کے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے جو ان کا امتیاز سمجھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ عادات وعبادات اور تمام قسم کے مذہبی رسم ورواج مثلاً اپنے اکابر کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم وتقدیس نیز مذہبی پیشواؤں کی پیروی و اطاعت میں ایسی باتوں کو بھی شریعت سمجھ بیٹھنا جنہیں اللہ تعالیٰ نے شریعت کا درجہ نہیں دیا اور اسی

طرح دین میں غیر ضروری تشدد اختیار کرنا ان اقوام کے خصائص ہیں۔

چھٹی قسم......غیر مسلم (عجمی)

غیر مسلم عجمیوں سے مشابہت بھی جائز نہیں۔اس کی بنیاد نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے:

نَہٰی أَنْ یَجْعَلَ الرَّجُلُ فِیْ أَسْفَلِ ثِیَابِہٖ حَرِیْرًا مِثْلَ الأَعَاجِمِ ، أَوْ یَجْعَلَ عَلٰی مَنْکِبَیْہِ حَرِیْرًا مِثْلَ الأَعَاجِمِ ۔[1]

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص عجمیوں کی طرح اپنے لباس کے نیچے یا کندھوں پر ریشم کا کپڑا استعمال کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کے لیے تعظیماً کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے بھی روک دیا کہ اگر امام کسی وجہ سے نماز بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی پیچھے کھڑے ہوں، اس احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ عام دیکھنے والے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ کھڑے ہونے والے مقتدی امام کی تعظیم میں کھڑے ہیں۔حدیث پاک میں اس ممانعت کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ طریقہ تعظیم عجمیوں کے انداز سے مشابہت رکھتا ہے۔چونکہ وہ اپنے اکابر، روساء اور بڑوں کے لیے کھڑے ہوتے تھے اسی لیے یہ عمل مشابہت کی بناء پر ممنوع ٹھہرا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عجمی اور مشرکین و کفار جیسا لباس پہننے سے سختی سے منع فرماتے۔ایسی بہت سی باتوں کی طرف سلف صالحین نے توجہ دلائی ہے۔

ساتویں قسم......جاہلیت اور جہلاء

جاہلیت کے ان تمام اعمال سے عمومی طور پر منع کر دیا گیا ہے جن کا تعلق اہل جاہلیت کے اخلاق و عبادت اور عادات واطوار سے ہے۔جیسے بے پردگی یعنی عورتوں کا حسن وزینت دکھائے پھرنا۔اسی طرح جہلاء کی طرح احرام باندھنے کے بعد اپنے اوپر کسی چیز کا سایہ نہ پڑنے دینا، جیسے آج کل روافض کرتے ہیں۔جسم کی نمائش اور عریانی وفحاشی، قومی عصبیت، حسب ونسب پر فخر وغرور، دوسرے کے نسب ناموں پر طعن وتشنیع ماتم کرنا اور ستاروں کے ذریعے بارش مانگنا۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے پیغام کے ساتھ ان تمام جاہلی احوال، افعال، رسم ورواج، آباؤ اجداد کی تقلید اور ان کے

[1] أبو داؤد ، حدیث:4049

نقش قدم پر چلنا، اور جاہلیت میں قائم ہونے والے بازار سب پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ان چیزوں میں بے پردگی، اختلاط مرد وزن اور سود وغیرہ بھی شامل ہیں۔

آٹھویں قسم......شیطان

شیطان کی مشابہت سے بھی روکا گیا ہے۔یعنی شیطانی کاموں سے۔ نبی کریم ﷺ نے شیطان کے بعض کاموں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ارشاد فرمایا:

''لَایَأْکُلَنَّ أَحَدُکُمْ بِشِمَالِهِ وَلاَ یِشْرَبْ بِهَا فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْکُلُ بِشِمَالِهِ وَیَشْرَبُ بِهَا''[1]

''تم میں سے کوئی بھی اپنے بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیئے۔ بے شک شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''

یہ ایک قابل افسوس امر ہے کہ اب یہ عادت اکثر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔اس کا سبب یا تو سستی، تساہل اور بے توجہی ہے یا پھر حق سے روگردانی، تکبر اور شیطان کے دوستوں اور اللہ کے نافرمانوں کی مشابہت۔

نویں قسم......عرب کے وہ گنوار بدو جن میں دین راسخ نہیں ہوا

یہ گنوار لوگ بہت سی ایسی عادات اور رسم و رواج کو ایجاد اختیار کرتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں،عموماً یہ چیزیں جاہلیت کی میراث ہوتی ہیں ۔ یہ بدو لوگ اپنی عادات، رسم و رواج اور اصطلاحات کے معاملے میں بہت سخت ہوتے ہیں اگرچہ یہ چیزیں شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔جیسے جاہلی تعصب، حسب ونسب پر فخر، دوسروں کے نسب ناموں پر طعنہ زنی، مغرب کو عشاء کہنا اور عشاء کی نماز کو عتمہ کے نام سے پکارنا۔طلاق کی قسم اٹھانا یا کاموں کو طلاق سے مشروط کرنا۔ چچا کی بیٹی کو کسی دوسری جگہ شادی کرنے سے روکنا اور اسے اپنے چچا زاد ہی سے شادی کرنے پہ مجبور کرنا یہ تمام کام اور اس طرح کی دوسری جاہلی عادات وغیرہ۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحکامهما حدیث:5367

اسلامی ثقافت

نہ تو عربی ہے نہ عجمی

محمد یوسف نعیم

میرا خیال ہے کہ ثقافت کو اگر ہم طرز معاشرت کے الفاظ سے تعبیر کریں تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی اور طرز معاشرت کا تعلق انسان کے اندر سے بھی ہے اور باہر سے بھی یعنی ظاہر و باطن سے اس بات سے ہی یہ مترشح ہوتا ہے کہ عمل اور عقیدہ طرز معاشرت کا اہم اور بنیادی عنصر ہیں۔ عقیدے کی صحت اور خرابی عمل کی صحت اور خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ عربوں کے طرز معاشرت کا جو حال مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی مسدس میں منظوم کیا ہے۔ وہ عربی ثقافت کو سمجھنے میں ہماری مدد کرے گا۔

وہ ایک جگہ لکھتے ہیں

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

اور عبادت کا معاملہ آتا تھا تو ہر قبیلے کا علیحدہ علیحدہ ایک بت تھا اور ان کے طرز فکر میں جمود تھا

آسمانوں پر کمندیں ڈالنا ان کی سوچ میں نہ تھا اس لئے کہ ان کی سوچ ترقی پسند نہ تھی جبکہ اس دور میں قیصر وکسریٰ روم اور ایران کی بڑی منظم حکومتیں موجود تھیں ۔ وہ ترقی پسند سوچ اس لئے بھی نہیں رکھتے تھے کہ ان کے اباؤ اجداد نے بھی کبھی ایسا سوچا نہ تھا کہ جس مورتی کو ہم بنا رہے ہیں اور پھر اس کے آگے منتیں مانگتے ہیں یہ تو خود اپنے وجود کے محتاج ہیں یہ اتنی کمزور ہیں کہ اس کو اگر کوئی توڑنا چاہے تو اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہیں ہیں لھذا ہم یہ کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیئے ۔

بدکاری کی باتیں اپنی مجلسوں میں فخر سے کرتے وہ اس حد تک وحشی تھے کہ کھڑے جانور کا گوشت کاٹ لیتے اور پکا کر کھا جاتے اور تڑپتے جانور کو چھوڑ دیتے ،لوٹ مار ان کا پیشہ بنا ہوا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ان کے ہاں کوئی بری بات نہ تھی ۔

یعنی عرب قوم برائیوں کی ساری حدود پھلانگ چکی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا۔

آپ ﷺ نے ان کو بنایا سنوارا ان کو مہذّب بنایا ان کے مجمعوں میں گئے ان کو اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا ان کے دل کی دنیا جگانے کی انتھک کوشش کی مگر وہ حق قبول کرنے میں ایسے تھے جیسے پتھر ہوں آپ کی بات کو سننے کے بجائے آپ سے لڑتے جھگڑتے گڑے کھودتے آپ کو دیوانہ کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ برداشت کیا آپ ان کی زندگی بدلنے کے لئے مگن رہے ان کے عقائد بدلنے کی کوشش کرتے رہے ان کو مل جل کر رہنے کی تلقین کرتے رہے، انہیں جانوروں پر رحم کرنے کا درس دیتے رہے بیٹیوں سے محبت کرنے کی تلقین کرتے رہے، یہ کرتے کرتے آپ ﷺ کو 13 سال کا عرصہ بیت گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجڈ گنوار قوم کو مہذّب بنانے میں اپنی ساری صلاحیتیں ،تمام تر کوششیں بروئے کار لائیں اور اپنا آرام سکون بھی داؤ پر لگا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھروں سے ہیرے تراشے لعل و یاقوت بنائے

میں اسی بنیاد پر کہتا ہوں کہ کائنات کا سب سے ترقی یافتہ نفع مند روشن خیال اور قیمتی ترین علم ،علم نبوت ہے علم الوحی ہے جس نے اس کی حفاظت نہ کی وہ قوم قبائل اور ملکوں کے ملک موت کے راستے پر چل پڑے اور اگر اس آسمانی علم کو خود جلایا اس کی توہین اور تذلیل کی یا اس میں ردّ بدل کرنے کی کوشش

کی تو ایسے لوگ تخریب کار وحشی اور دہشتگرد ہیں، انسانیت کے دشمن ہیں۔

قارئین کرام!

اس بات سے اندازہ کرلیں کہ جو عقیدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا وہ دیگر اقوام کے مروجہ سب عقیدوں سے اعلیٰ ترین تھا۔

یعنی سب انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں مگر اس وقت صورتحال یہ تھی کہ خود انسان انسان کا خدا بنا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید کی دعوت کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو انسانی آزادی کا تحفہ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامانہ زندگی کی حکیمانہ انداز سے نفی کی، غلاموں کو بہت سارے حقوق دیدئے ان کو آزاد کرنے میں جنت کی بشارت سنائی۔

مگر افسوس کہ آج کتنے جاگیردار وڈیرے سردار اور خانزادے ہیں جنہوں نے لوگوں کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے اور آئے دن اخبارات اور ٹی وی چینلز ان کی رپورٹیں نشر ہوتی رہتی ہیں۔

اے قارئین کرام!

لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے ایسے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتوں اور مورتیوں کی عبادت کی نفی کی یہ ایک ایسا اقدام تھا جس سے وہ مشتعل ہوجاتے تھے اور سیخ پا ہوجاتے آپے سے باہر ہوجاتے یہ کام جان جوکھوں میں ڈالنے والا تھا مگر حق اور سچ کا بول بالا کرنے والا تھا۔

آخر ایک وہ وقت بھی آگیا۔ جب آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے کہہ ہی دیا چچا جان اگر میری قوم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دے تو میں پھر بھی دعوت توحید سے باز نہیں آؤں گا۔

آپ کے اس بیان نے آپ کے چچا کو مضبوط ترین کردیا اور چچا اتنا مضبوط ہوگیا کہ زبان سے کہہ دیا میرے بھتیجے اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مشن دیا ہے وہ پورا کرو تمھارے دشمن میرے لاش سے گزر کر ہی تم تک پہنچ سکیں گے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انسان نما پتھروں کے سامنے

پتھروں سے زیادہ طاقتور پیغام دیا جس نے ان کے عقیدے اور فکر میں تبدیلی کی ایک شمع جلا دی اور تبدیلی کے ماحول کا آغاز ہو گیا۔

اے قارئین کرام!

اس کے بعد آپ سیرت صحابہ رضی اللہ عنھم کا مطالعہ کریں آج انٹرنیٹ کا دور ہے

ایک دنیا ہے جو بدل چکی ہے۔ بڑی معذرت کے ساتھ۔۔۔۔۔

ہم نے بھی اپنے آپ کو بدل لیا ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا چھوڑ دیا، سننا چھوڑ دیا ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر کتابیں خریدنا تو دور کی بات اگر گھر میں رکھی ہوں تو کباڑیے کو ردی میں دیتے ہیں الا ماشاءاللہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہ پڑھیں آپ کو پتہ چلے گا اسلامی ثقافت کیا ہے دنیا میں بڑی ثقافتیں ہیں۔

آفاق احمد صدیقی نے ''سیرت البشر۔تہذیب انسانی کا سفر'' کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی ہے اس کتاب میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی تہذیبوں کا ذکر ہے۔آپ اس کا مطالعہ کریں۔

میں اس ضمن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت کا باب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بند کر دیا۔ بعینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو اعلیٰ ترین تہذیب و طرز معاشرت دے کر تہذیب انسانی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثقافت اور طرز معاشرت جیسی کوئی معاشرہ طرز معاشرت اور تہذیب پیش نہیں کر سکتا۔اس ضمن میں

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے (سورۃ الاحزاب:21)

اور

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [سورة الشرح:4]

ترجمہ:''ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا'' کا فرمان لاجواب ہے۔ثقافت کے مسئلے پر اور خصوصاً

اسلامی ثقافت کے مسئلے پر میں یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ اسلامی ثقافت نہ عربی ہے نہ عجمی ہے اسی طرح ہی نہ مشرقی ہے نہ مغربی، شاید یہی بات علامہ اقبال نے کہی

اپنی ملت کو اقوام مغرب پر قیاس نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور پھر

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

غیر مسلموں نے اسلامی طرز معاشرت پر تابڑ توڑ حملے کیئے اس کا مذاق اڑایا کبھی پردے کا، کبھی داڑھی کا، کبھی جہاد کا، کبھی کسی چیز کا کبھی کسی عمل کا اور اس پر اپنی بہادری کا اور اپنے مہذّب ہونے کا تمغہ بھی لینے کی سعی کی میڈیا کو استعمال کیا کتابیں بھی جھوٹ سچ جمع کر کے لکھیں۔ مسلمانوں کو قدامت پسند کہا گیا دہشت گرد کہا گیا میری ان باتوں سے غیروں کو تو تکلیف ہوگی۔ مگر اپنوں کا حال یہ ہے کہ یہ شریعت کی بات کرنے والوں کو تجدد پسند کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی برقعے کا مذاق اُڑاتے ہیں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ایسے ہی اسلامی طرز معاشرت سے دور مسلمانوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا تھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

یعنی نصاریٰ کی طرح توحید کو چھوڑ کر تثلیث جیسا عقیدہ اختیار کر لیا اور شادی بیاہ کی رسومات میں ہندوانہ رسموں کے بغیر مسلم گھرانوں کی شادیاں ہی نہیں ہوتیں شعبان کے مہینے میں پٹاخوں کی جو صورتحال ہوتی ہے بڑی خوفناک ہوتی ہے اسی طرح شادیوں میں آتش بازی، فائرنگ اور پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں جو ہندوانہ رسومات کے مشابہہ ہیں۔

یہ اُن لوگوں کی رسومات ہیں جنہوں نے 1965 کو پاکستان پر جارحانہ جنگ مسلّط کی پھر 1971 میں پاکستان کو دولخت کیا اور 1947 میں مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی سخت ترین سزائیں دیں ان کو ہجرت پر مجبور کیا ان کے گھروں پر قبضہ کیا گیا اور آج ہماری عدالتیں اُس برطانوی سامراج

کے بول بول رہی ہیں جو مکّار اور عیاّر تھا جس نے ہندوستان پر مسلمانوں کے نہ صرف اقتدار کو چھینا بلکہ مسلم حکمرانوں کی آزادی کو بھی سلب کیا،مسلمانوں کی شناخت کو بھی چھیننے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اسلامی ثقافت کو بھی اپنی طاقت کے زور پر ملیامیٹ کیا عربی زبان کو ختم کیا فارسی کو ختم کیا جن مسلمانوں نے جذبہ حریت کے تحت انگریزوں کے اس اقدام کو روکنے کی کوشش کی انھیں چوکوں اور چوراہیوں پر سر عام پھانسیوں پر لٹکا کر دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔اس کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو متمدّن اور مہذب گردانتے ہیں اور اپنے دفاع میں لڑنے والے کو اپنے ملک اور آزادی کی خاطر لڑنے والوں کو دہشت گرد اور باغی کہتے ہیں۔

یہ عجیب انگریزی ڈکشنری ہے جس میں لفظ کا معنیٰ کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے (یعنی جس میں قاتل منصف بھی ہوتا ہے اور دہشت گرد مہذب ہوتا ہے) جبکہ مسلمانوں نے تو حالتِ جنگ میں بھی غلبہ پانے کے باوجود مغلوب قوموں کے ساتھ عدل واحسان اور رواداری کے اعلیٰ نقوش چھوڑے ہیں۔

الحرب العادلۃ کے زیر عنوان محمود شیت خطاب نے اپنی کتاب ''بین العقیدۃ والقیادۃ'' الطبعۃ الثالثۃ 1983م میں ص106 پر لکھا ہے

''وحرّم الاسلام قتل الشیخ الکبیر والعاجز والمرأۃ والصبی ورجل الدّین المنقطع للعبادۃ والفلاح الذی لم یشترک فی القتال''

پھر اس نے ہمارے ناپ تول کے پیمانے بدلے اس نے ہماری کرنسی بدلی اس نے ہمارے مِیل کو اپنے کلومیٹر سے تبدیل کیا،اس نے ہمارا لباس بدلا زبان بدلی اور ہمارے بچّے ڈیڈی،پپّا،ممّا اور کزن بولنے لگے۔

ہائے افسوس!

ہماری ثقافت میں کئی رنگ درآئے ہیں ویسے ہی جیسے اردو زبان میں،ترکی،ہندی،پنجابی،فارسی اور انگریزی زبان کے الفاظ جمع ہوگئے ہیں اسی طرح مسلمانوں کی تہذیب میں بھی کئی تہذیبیں آکر شامل ہوگئیں۔شاید ان بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر علامہ اقبال نے یہ پیغام دیا تھا۔

بتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تو رانی رہے باقی یہ ایرانی نہ افغانی

مگر افسوس کہ آج ہمارے پاکستانی معاشرے میں مہاجر، پنجابی، پختون، بلوچی، سندھی، سرائیکی کے نعرے بھی لگے اسکی بنیاد پر لسانی جھگڑے ہوئے نفرتیں پیدا ہوئیں اور خونریزی ہوئی۔

جبکہ صورتحال یہ ہے کہ یہ سبھی ایک معبود کے ماننے والے ایک ہی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے ایک ہی پیغمبر کے پیروکار اور ایک ہی قرآن کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

مگر کیونکہ انھوں نے لسانی عصبیت، صوبائی وعلاقائی عصبیت کو دل وجان سے تسلیم کیا تو خونریزی کے اژدھے نے انھیں دبوچ لیا۔ یہ وہی کام تھا جس کی نفی اور ممانعت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمائی تھی اسی عصبیت نے جب عالمی صورتحال اختیار کی اور عربی اور عجمی حکمرانی کے مسئلے نے سر اٹھایا تو عالم اسلام کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ جن کا غیر مسلم دنیا نے بھرپور فائدہ اٹھایا

اور پھر بھی

نہیں سمجھو گے تم مٹ جاؤ گے۔۔۔۔
تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

یہ بات بھی یاد رہے کہ

اسلامی ثقافت کا دائرہ کار مسلمان کی پیدائش سے موت تک پھیلا ہوا ہے اس میں اسکی خوشی، غمی کے طور طریقے، معاشی معاملات، شادی بیاہ کے مسائل اور عدالتی قضیے بھی ہیں سیاسی حالات بھی ہیں سب کچھ ہے۔

مسلمانوں نے اپنے سیاسی نظام کو خلافت وشورائیت سے بدل کر جمہوریت وآمریت سے بدل لیا اسلامی عدالت کے بدلے غیر مسلم عدالت کا سہارا لے لیا معیشت میں سُود جیسے دیگر خطرناک معاملات وقوانین ونظام کو اختیار کر لیا شادی بیاہ کے مسئلے میں غیر مسلم قوموں کے نقشِ قدم پر چل پڑے جس کا نتیجہ ہم اخلاقی تباہی، معاشی بربادی، مایوسی، ظلم وستم کے طوفان اور منشیات کی طرف نسلِ نوع کے میلان اور رجحان کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ سب کچھ ہونے کی کچھ وجوہات ہیں، مثلاً

1) اسلامی تہذیب سے غفلت ولا پرواہی وبے توجہی

2)اسلامی تعلیمات سے لاعلمی

3)مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب سے متعلق احساسِ محرومی کا تصوّر

میں اس ضمن میں چند گزارشات کرنا چاہتا ہوں

1)اسلامی تہذیب وثقافت کی جان عربی زبان ہے ۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن اور محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا فرمان عربی زبان میں ہے۔لھٰذا کائنات کے اندر عالم اسلام کی سب سے اہم ضرورت عربی زبان کا جاننا ہے۔اور یہ زبان عالم اسلام کے اتحاد کی بھی ضامن ہے۔

مگر حیرت کی بات ہے کہ خود اہلِ عرب انگریزی زبان کوضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے ہمیں ایک عالمی، تعلیمی ۔معاشی نظام کی جو تمام عالم اسلام میں مشترک ہو۔اوراسی طرح ہی ایک عالمی نظام حکومت ہونا چاہیے اوروہ نظام خلافت شورائیت کے تحت وجود میں لایا جائے۔

مگر افسوس کہ ہم تو جمہوری عمل کو ہی کافی سمجھ بیٹھے یہ دھوکہ ہے اس فرسودہ نظام حکومت سے کبھی اسلام غالب نہیں ہوسکتا عالمی سطح پر تو درکنار کسی ایک ملک میں بھی اس قسم کے طرز حکومت سے مسلمانوں کی تقدیر نہیں بدل سکتی یہ طرز حکومت غلبہ اسلام کے معاملے میں مسلمانوں کے مقدّر میں روڑا ہے۔کیونکہ اسلامی ثقافت کے اندر ایک وقت میں ایک ملک کا ایک ہی حکمران ہوسکتا ہے اور وہ تا حیات ہوتا ہے جب تک کہ وہ کفر کا مرتکب نہ ہو جائے یا وفات نہ پا جائے یا ذمہ داری ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔جب کہ جمہوری طرز حکومت میں توسینکڑوں پارٹیاں حکمرانی کی امیدوار ہونے کے ناطے رجسٹرڈ ہوسکتی ہیں ایسے میں تو خود ملک کے ہی چیتھڑے اڑ سکتے ہیں اور ملک میں طوائف الملوکی صورتحال پیدا ہوسکتی ہے۔جس سے خود ملک بھی صفحہ ہستی سے مٹ سکتا ہے۔

پاکستان کے اندر کلچر ڈیپارٹمنٹ کس قسم کے کلچر کوفروغ دے رہا ہے ہر پاکستانی اس کا غور سے مطالعہ کرسکتا ہے۔

میڈیا جس ثقافت کا پرچار کررہا ہے اس کو روکنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ TV کو ہی گھر سے باہر نکال دیں نہیں تو بیوی گھر سے باہر ہوگی۔شاید آپ کو یہ بات مذاق معلوم ہو۔مگر جب آپ غیر مسلموں کے ہاں طلاق کی شرح کا موازنہ اپنے ملک سے کریں گے تو آپ کا اندازہ ہوگا کہ عائلی

قوانین کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں سب سے بڑا کردار TV کا ہے جس سے خاندانی نظام اس حد تک غیر مستحکم اور متزلزل ہوا ہے کہ طلاق کا سلسلہ روز افزوں ہے۔

ہماری قوم کے اخلاق کا برباد کرنے میں سینما بینی، الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا اور منشات کے گھناؤنے کاروبار نے انتہا پسندانہ کردار ادا کیا ہے۔

اگر آج ہم TV دیکھنا چھوڑ دیں اور مسلم عورتیں پردہ کرنا شروع کردیں ہمارے نوجوان ڈاڑھی رکھنا شروع کردیں اور اسلامی لباس پہننا شروع کردیں تو غیر مسلم دنیا تو کہے گی ہی کہ مسلمان قدامت پسند ہوگئے بنیاد پرست ہوگئے۔ جبکہ بہت سارے مسلمان کہلانے والے بھی ایسے مسلمانوں کو برا اور دقیانوس سمجھنا اور کہنا شروع کردیں گے۔

گویا کہ

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایسے حالات میں ان مسلمانوں کا کیا علاج کیا جائے جو غیر مسلم تہذیب پر نازاں اور اسلامی تہذیب سے نالاں ہیں؟

اور آخر میں ان عرب فاتحین کو اور عجمی محدثین عظام کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی اسلامی ثقافت کی اشاعت اور تحفظ میں وقیع خدمات ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

قومی اور بین الاقوامی سطح پر منائے جانے والے غیر شرعی تہوار

دنیا اور پاکستان میں منائے جان والے ایسے تہوار یا دن جو اسلامی شریعت کے مختلف اعتبارات سے مخالف ہیں ان میں سے جن پر ہم مطلع ہو سکے ہیں ان کی فہرست ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

نام	تاریخ/مہینہ	کیفیت
نئے سال کی آمد Happy New Year	یکم جنوری	غیر اسلامی و خالصتا مغربی تہوار
سینٹ ویلنٹائن ڈے	14فروری	غیر اسلامی و خالصتا مغربی تہوار
بسنت	فروری	غیر اسلامی و خالصتا ہندوانہ تہوار
ریڈیو ڈے	14فروری کو منایا جاتا ہے 2011ء یا 2012ء سے آغاز ہوا	غیر اسلامی
مادری زبان کا دن	22فروری کو منایا جاتا ہے dailyalnaqeeb.wordpress.com کے مطابق: 22فروری 2014ء کو لاہور میں یہ دن منایا گیا اور ریلی کا انتظام کیا گیا اور اس میں لال میوزیکل بینڈ اور فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔	منانے کا طریقہ اسلامی تعلیمات کے منافی
اپریل فول	یکم اپریل	غیر اسلامی و خالصتا مغربی تہوار

خواتین کا عالمی دن	8 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ 09مارچ 2013ء کی نوائے وقت کی خبر میں ہے "لاہور چیمبر نے خواتین کے عالمی دن پر ایک فیشن شو منعقد کیا جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی"	اسلامی تعلیمات کے منافی اور مغربی فکر کا آئینہ دار
ڈانس ڈے	30 اپریل کو منایا جاتا ہے	اسلامی تعلیمات کے منافی
مزدوروں کا عالمی دن	یکم مئی	غیر اسلامی وخالصتا مغربی تہوار
ماؤں کا عالمی دن	14 مئی	غیر اسلامی وخالصتا مغربی تہوار
آبادی کا عالمی دن	12 جولائی	غیر اسلامی وخالصتا مغربی تہوار
فرینڈ شپ ڈے	فرینڈ شپ ڈے ہر سال اگست کے پہلے اتوار کو منایا جاتا ہے۔اس دن کا آغاز امریکا میں 1935 میں ہوا تھا	طریقہ اسلامی تعلیمات کے منافی
یوتھ ڈے	12 اگست کو منایا جاتا ہے 1998ء میں پُرتگال کے شہر Lisbon میں 8 سے 12 اگست تک جاری رہنے والی وزیر برائے امورِ نوجوانان کی عالمی کانفرنس میں 12 اگست کو بطور انٹرنیشنل یوتھ ڈے کے طور پر نامزد کیا۔اور پھر 1999ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کی گئی 120رُکن ممالک میں سے 54رُکن ممالک نے یہ قرارداد منظور کرکے 12 اگست کو انٹرنیشنل یوتھ ڈے کے طور پر ڈیکلیر کر دیا۔ (بحوالہ کالم میاں عتیق الرحمان نوائے وقت 12 اگست 2014ء)	طریقہ اسلامی تعلیمات کے منافی

لیفٹ ہینڈرز ڈے	پاکستان سمیت دنیا بھر میں بائیں ہاتھ سے کام کرنے والوں کا عالمی دن آج -13 اگست کو منایا جاتا ہے۔	اسلامی تعلیمات کے منافی
خواجہ سراؤں کا عالمی دن	dailyaghaz.com کے مطابق: پاکستان سمیت دنیا کے 20 ممالک کے 185 شہروں میں ہر سال 20 نومبر کو خواجہ سراؤں کا دن منایا جاتا ہے	اسلامی تعلیمات کے منافی
جمہوریت کا عالمی دن	12 ستمبر کو منایا جاتا ہے **اخبار ڈاٹ کام ڈاٹ پی کے، کے مطابق:** اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2007 میں دنیا بھر میں جمہوریت کا عالمی دن منانے کی قرارداد منظور کی۔	غیر اسلامی
کرسمس ڈے	25 دسمبر	غیر اسلامی و نصرانی /عیسائی تہوار
سندھ ثقافت کا دن	7 دسمبر	غیر اسلامی تہوار
ٹیلی ویژن کا عالمی دن	21 نومبر کو منایا جاتا ہے۔	غیر اسلامی

اس کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر ایسی عادات ور سومات اختیار کی جاتی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

خوشی کے موقع پر چند غیر اسلامی عادات ور سومات

منگنی کی دعوت اور اس میں مروج خرافات		غیر اسلامی طریقہ
مہندی کی مروجہ رسم		غیر اسلامی اور ہندوؤں کے مشابہ ہے اس لئے جائز نہیں
دولہا کے لئے مہندی لگانا		عورتوں سے مشابہت کے سبب جائز نہیں
دولہے کا سہرا باندھنے کی رسم		رسم کے طور پر پہننا مجوسیوں/آتش پرستوں کی رسم ہے
رسم مایوں		اسلامی تعلیمات کے منافی
موسیقی اور رقص کی محافل		
بری یا جہیز کے سامان کی نمود نمائش		دکھلاوا اور ریاکاری
شادی بیاہ میں پیسے لٹانا		فضول خرچی اسلامی تعلیمات کے منافی
سلامی یا نیوتہ لازمی سمجھنا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
جوتا چھپائی کی رسم اور غیر اخلاقی حرکتیں جو دولہے کی سالیاں کرتی ہیں		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
دودھ پلانے کی رسم		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
سربالہ یا شہ بالا کی رسم		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
گود بٹھائی کی رسم		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
تلک لگانا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
خواتین و مرد کا ایک دوسرے کو ابٹن لگانا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم

پھول، چھوارے وغیرہ اچھالنا		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
آتش بازی وہوائی فائرنگ		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
فلم سازی فوٹو گرافری		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
لہن پر قرآن کا سایہ دینا		اسلامی تعلیمات کے منافی
دلہن کا پاؤں خون میں ڈبونا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
دلہن کے ہاتھ پاؤں دودھ سے دھونا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
دلہن کے ہاتھ سے چاول وغیرہ پھینکانا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم

کچھ رسومات وفات یا کسی رنج کے موقع پر کی جاتی ہیں اور موجودہ مسلمانوں میں بھی مروج ہوتی جارہی ہیں، ان کا دین اسلام سے دور دور تک کا تعلق نہیں جیسا کہ درج ذیل ہیں۔

وفات یا حادثہ کے موقع پر چند غیر اسلامی عادات ورسومات

کسی کی موت پر نوحہ وماتم اور واویلا،		اسلامی تعلیمات کے منافی
تین دن سے زائد سوگ		اسلامی تعلیمات کے منافی
میت کے سر یا پاؤں ننگے رکھانا		بلا مجبوری کے جائز نہیں۔
وفات والے گھر میں دوسروں کا بعام وقیام		اسلامی تعلیمات کے منافی
ایام کا خاص کرنا جیسے تیجہ، ساتوں، برسی عرس وغیرہ		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر پر پھول، بتیاں یا دیئے جلانا		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
مرنے والے کی یاد میں دیئے یا شمع جلانا		غیر اسلامی یہودیوں اور مجوسیوں کا طریقہ ہے
خاص اوقات یا حادثہ کے موقع پر خاموشی اختیار کرنا		غیر اسلامی یہودی اور مغربی طریقہ
بطور سوگ کالی پٹی یا کالے کپڑے پہننا		اسلامی تعلیمات کے منافی
بیوہ کے لئے سفید رنگ کے کپڑے خاص کرنا		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
بیوہ کا خود کو منحوس سمجھنا		غیر اسلامی ہندوانہ فکر
بیوہ کا چوڑیوں کا توڑنا اور زیور ترک کردینا		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ

بیوہ خاتون کو ہنسنے سے منع کرنا		غیر اسلامی ہندوانہ طریقہ
وفات کے بعد پہلی عید کو دکھ اور رنج محسوس کرنا		اسلامی تعلیمات کے منافی
وفات کا مقام یا جائے وقوعہ پر یادگار تعمیر کرنا		اسلامی تعلیمات کے منافی
گھروں میں شمعیں گل (اندھیرا) کرنا		غیر اسلامی ہندوانہ رسم
پرچم سرنگوں کرنا		اسلامی تعلیمات کے منافی
یوم وفات منانا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر پختہ کرنا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر پر آیتیں لکھنا		اسلامی تعلیمات کے منافی م
قبر پر نقش و نگار بنانا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبریں اونچی کرنا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر پر عمارت بنانا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر کو عرق گلاب یا خوشبو یا پانی سے غسل دینا		اسلامی تعلیمات کے منافی
قبر پر چادر چڑھانا		اسلامی تعلیمات کے منافی
رسم قل		اسلامی تعلیمات کے منافی

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

مرکز المدینۃ العلمی لخدمۃ الکتاب والسنۃ

ایک تحقیقی، تعلیمی، دعوتی وتربیتی اور رفاہی ادارہ ہے۔جس کا قیام

" جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" (اسلامک یونیورسٹی، مدینہ منورہ)

سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آنے والے ممتاز علماء کرام کی اُس سوچ وفکر کا عملی نتیجہ ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عقیدہ توحید کی دعوت دینا، شرک و بدعات کا خاتمہ کرنا، سنتِ رسول ﷺ کا ہر محاذ پر دفاع کرنا اور منہجِ سلف کے مطابق دینِ اسلام کی خدمت ونصرت کرنا ہے۔

ادارہ "المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر" کی تاسیس مدینہ منورہ، سعودی عرب ہی میں سال ۲۰۰۹ء کے اواخر میں رکھی گئی جب اس سلسلہ میں مدینہ منورہ میں ہی چند اہم مجالس کا انعقاد کیا گیا جس میں ادارہ کے اہداف ومقاصد کا تعین کیا گیا اور ادارہ کے شعبہ جات، مرکزی کابینہ اور علمی بورڈ تشکیل دیا گیا، نیز ادارہ کے مستقبل کے قصیر وطویل المیعاد منصوبہ جات طے کیے گئے اور اسلامک یونیورسٹی، مدینہ منورہ کے ۴۵ ویں بیچ کی فراغت کے بعد شہر کراچی پہنچنے پر یہ ادارہ تصوراتی دنیا سے نکل کر قرطاس پر ایک مستقل اور طویل المیعاد منصوبہ جات کی صورت میں نمایاں ہوا اوران اہداف و مقاصد کی تکمیل کی خاطر اکتوبر ۲۰۱۰ء سے باقاعدہ اس کے جملہ پروجیکٹس پر عملی کام کا آغاز کر دیا گیا۔

وللہ الحمد والمنہ

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

شعبہ رفاہی امور

ماہانہ راشن پروگرام:

شعبہ رفاہی امور شہر کراچی اور اندرون سندھ کے پانچ سو سے زائد بیواؤں اور معذوروں کی ماہانہ کفالت کا اہتمام کرتا ہے اور ان تمام نادار خاندانوں کی عزت نفس مجروح کئے بغیر مہینے بھر کا راشن مستحقین کے گھر تک پہنچانے کا انتظام بھی کرتا ہے اور ان شاء اللہ اگلے چند مہینوں میں مستفیدین کی تعداد دوگنی کر دی جائے گی۔

کفالت ماہِ رمضان:

شعبہ مذکورہ ماہِ رمضان میں دو ہزار سے زائد محتاج و نادار خاندانوں کی کفالت کرتا ہے تاکہ مستحق خاندان بغیر کسی محتاجی کے ماہ مبارک میں اپنے سحر و افطار کا اہتمام کر پائیں۔

قحط زدہ ضلع تھرپارکر میں پیش کی جانے والی رفاہی خدمات:

پاکستان کے قانون کے مطابق ہر سال اگر اگست کی پندرہ تاریخ تک تھر کے علاقے میں برسات نہ برسے تو اسے حکومت کی جانب سے قحط زدہ قرار دے دیا جاتا ہے اسی لئے شعبہ رفاہی امور ضلع تھرپارکر پر خاص توجہ دیتا ہے اور شعبہ کے زیر اہتمام مریضوں کیلئے مستقل و عارضی بنیادی صحت کے مراکز کا قیام، اسکول، مدرسین کی مالی معاونت، پانی کے کنویں کھدوانے اور موجودہ کنویں میں بجلی سے پانی نکالنے جیسے پروگرام ترتیب دیتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سرکاری اسکولوں میں مدرسین اور تدریسی مواد کی موجودگی بھی یقینی بنانے میں اپنی سی سعی کرتا ہے۔

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

میں علمی دورہ کا قیام

گذشتہ دنوں مؤرخہ 25 تا 27 جنوری 2015ء المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر انتظام معہد البیان کی جانب سے جامع مسجد سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) میں **علمی دورہ** کا انعقاد کیا گیا جو مندرجہ ذیل عناوین پر مشتمل تھا۔

- دفاع صحیحین
- ضوابط الجرح والتعدیل
- كتاب الامارة (صحيح مسلم)

دورہ میں ملک کے نامور عالم دین محقق دوراں محدث العصر فضیلۃ الشیخ **ارشاد الحق اثری** حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ علامہ **عبداللہ ناصر رحمانی** حفظہ اللہ نے تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس علمی دورہ میں علما و طلبا نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ادارہ اس حوالے سے ان تمام علما، طلبا، اور منتظمین حضرات کا مشکور و ممنون ہے جنہوں نے دورہ کو کامیاب بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

فللہ الحمد فی الأولیٰ والآخرۃ

نوٹ: دورہ کی مکمل ریکارڈنگ ادارہ کی ویب سائٹ

WWW.ISLAMFORT.COM

پر دستیاب ہے قارئین استفادہ کر سکتے ہیں۔ جزاکم اللہ خیرا

قال الله سبحانه وتعالى:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

يتقدم مركز المدينة العلمي لخدمة الكتاب والسنة بأحر التعازي والمواساة للملك / سلمان بن عبد العزيز وولي عهده الامين صاحب السمو الملكي الامير مقرن بن عبد العزيز - حفظهما الله- والاسرة المالكة والشعب السعودي الشقيق بوفاة خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبد العزيز- رحمه الله.

سائلاً الله عزّ وجل ان يتغمد الفقيد بواسع رحمته وغفرانه واسكنه فسيح جناته، فجزاه الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء.

متمنياً الملك / سلمان بن عبد العزيز حفظه الله التوفيق والسداد، والتمسك بعرى الدين الإسلامي الحنيف، فهو خير خلف لخير سلف.

حفظ الله المملكة العربية السعودية الشقيقة من كل سوء ومكروه ويجعلها امنة مستقرة في ظل الملك سلمان بن عبد العزيز حفظه الله.

البیان

سہ ماہی کراچی

واؤچر برائے سالانہ خریداری

خریداری نمبر:

خریدار کا نام | ملک | شہر

فون نمبر | موبائل نمبر

ای میل | فیکس

تاریخ خریداری

مکمل ایڈریس

تعداد مجلہ | ادا کردہ قیمت

ادائیگی کا طریقہ کار: کیش | چیک | منی آرڈر | ایزی پیسہ

سالانہ خریداری کے خواہش منداحباب مندرجہ بالا واؤچر پُر کر کے بمع خریداری قیمت
مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کریں

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد نثار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03333574685
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

